

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_224462**

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. ۸۹۱۵۲۳.۵  
مارت

Name of Book مارت

جوسی تا د سیر ۱۹۲۶

Name of Author

224462







جولائی ۱۹۴۶ء

رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱

# معارف

مجلس المصنفین کا عرسِ سالانہ  
برسِ دایرین ماہِ ہوارمی سال

مرتبہ

سید لیان ندوی

قیمت: پانچ روپے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گد

# سلسلہ تاریخ اسلام

اردو میں اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہیں تھی جس میں سبہ سوال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتوں کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو۔ اس لئے دارالمصنفین تاریخ اسلام کا ایسا پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کر رہا ہے، جس کے بعض حصے یہ ہیں اور بعض زیر طبع ہیں، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہیں، جو تدریجاً جیسے جیسے حالات مساعد ہوں گے شائع ہوتے رہیں گے،

کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے،

قیمت: -۔

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارناموں کی تفصیل از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ تا جنگ عظیم ۱۳۴۰ھ

ضخامت: ۴۶۸ صفحے، قیمت: -۔ ص ۴

مرتبہ مولوی محمد عیسیٰ صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دارالمصنفین، اعظم گڑھ،

تاریخ صفیہ جلد اول، اس میں صفیہ کے جغرافیہ حالات سسلی، انلی و جزائر سسلی پر اسلامی حکمرانوں کی ابتداء، حکومت کا قیام، وعدہ بجد کی ترقیوں اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے۔

۵۴۶ صفحے، قیمت: للہ

تاریخ صفیہ حصہ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیوں کا مرتب ہے جس میں عبد الباقی کے مفسرین، محمد بن فقہاء، ادباء، شعراء کے مفصل حالات اور ان کی تصنیفات کا ذکر ہے،

۵۰۰ صفحے، قیمت: للہ

مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

دارالمصنفین اعظم گڑھ

تاریخ اسلام حصہ اول، (عبداللہ خلیفہ راشدہ)

اس میں آغاز اسلام سے بیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک

مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے، قیمت: -۔

تاریخ اسلام حصہ دوم، (بنو امیہ) اس میں اموی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،

ضخامت: ۴۰۰ صفحے، قیمت: -۔

تاریخ اسلام حصہ سوم، (تاریخ بنی عباس جلد اول)

اس میں خلیفہ ابوالعباس سفاح سلسلہ سے خلیفہ ابوالفتح

متقی ۳۳۳ھ تک و صدیوں کی بہت مفصل سیاسی

تاریخ ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے، قیمت: للہ

تاریخ اسلام حصہ چہارم، (تاریخ بنی عباس جلد دوم)

اس میں خلیفہ متقی ۳۳۳ھ کے بعد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ

مستقیم ۴۰۱ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و

خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،

ضخامت: ۳۲۰ صفحے، قیمت: ص ۴

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)

تاریخ دولت عثمانیہ حصہ اول، اس میں عثمان اول

سے مصطفیٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے

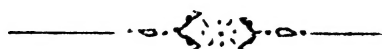
منہجر

مسعود علی ندوی

# جلد ۵      ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق جولائی ۱۹۴۶ء      عدد ۱

## مضامین

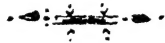
۴-۲	سید سلیمان ندوی	تذکرات
۷۳-۵	مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبہ وہابیات ڈھاکہ یونیورسٹی	سلسلہ رہنما مسلم و حربی مین
۳۶۰-۲۲	مولانا عبد السلام ندوی	علمائے اسلام کا اخلاق
۴۶، ۳۶	جناب مولوی مسعود حسن صاحب شمس ایم اے کلکتہ	سلسلہ الزہب کی تاریخ تصنیف
۶۵-۴۸	مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	سرمد اور اس کی با عیان
۶۲-۶۶	ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی اسٹاڈ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	صحت
۶۵، ۶۳	از جناب محمد ولی خان قنبراہ	ویار مغرب سے ایک مسلمان مجاہد کا خط
۸۰-۷۶	"م"	مطبوعات جدیدہ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## شکست

ہندوستان میں انگریزوں نے انگریزی تعلیم کو جس غرض سے رواج دیا تھا، اس کو انھوں نے راز میں نہ کھاتھا، بلکہ یہ کہہ دیا تھا کہ اس سے مقصود ایسے ہندوستانیوں کو پیدا کرنا ہے جو گو نسل اور وطن کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں، مگر دل وماغ اور مذاق کے لحاظ سے انگریز ہوں، تاکہ انگریزی سلطنت کے خلاف جو باغیانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ ایک قلم دور ہو جائیں، چنانچہ شروع شروع میں ایسا ہی ہوا، اور ایسے ہندوستانی پیدا ہوئے جو انگریزوں سے بھی بڑھ کر انگریز ثابت ہوئے، انھوں نے مشرقی تہذیب، مشرقی علوم اور مشرقی تعلیم کی ہر طرح مخالفت کی، اور وہ ہر چیز کو رپا کی نظر سے دیکھنے اور ہر چھائی اور برائی کا فیصلہ انگریز کی آنکھ سے کرنے لگے۔



لیکن کیا عجیب بات ہو کہ وہی چیز جو ہندوستانیوں کے باغیانہ خیالات کے مٹانے کے لئے بنائی گئی تھی، وہی وہی قسم کو باغیانہ خیالات کی پیدائش کا ذریعہ بھی بن گئی، یعنی جب ان ہندوستانی مصنوعی انگریزوں نے یہ دیکھا کہ اپنی تہذیب و تمدن اور دین و مذہب اور قوم و وطن کے قیود سے نکلنے کے بعد بھی وہ نیٹو، ویسی، کالآدمی، اور انگریزوں سے بہر حال گھٹیا ہی رہے، تو پہلے، انھوں نے برابری اور مساوات کا مطالبہ کیا، اور جب اس میں ناکامی ہوئی تو وہ جذبہ غم و غصہ اور انتقام کی صورت میں بدل گیا، اور اس سے ہندوستانی قومی اور وطنی تحریکوں کا آغاز ہوا جو آج سیاسی انجمنوں اور کانفرنسوں، لیگوں اور کانگریسوں کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں،

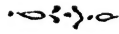


ان اصلی اور مصنوعی انگریزوں میں پوری آدھی صدی لڑائی ہوتی رہی، آخر ہندوؤں میں گاندھی جی

نے اگر مصنوعی انگریز ہندوؤں کے اندر پرانی ہندو تہذیب و تمدن کے زندہ کرنے کا شوق پیدا کر دیا، اور تیس برس کے عرصہ میں ہی مصنوعی انگریز ہندو جو اکثر بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور پیرسٹر اور کیمبرج اور آکسفورڈ کے پڑھے ہوئے یا ہندوستانی یونیورسٹیوں کی پیداوار ہیں، اس تحریک کے علمبردار ہیں، اور اس وقت انگریزی سیاست کے تاڑپوں کے اوپر بیٹھے ہیں لگے ہیں



اب ہندوؤں میں جو ان سے لیکر بڑھ کر پانچویں ہندو تہذیب، سنسکرت تہذیب، سنسکرت زبان، سنسکرت علوم کے زندہ کرنے میں مصروف ہے، گاندھی جی کی شام کی برادھنا گردنا تک بغیرہ کی طرح ایک نئی ہندو مذہبی دعوت کی بنیاد ڈال رہی ہے جس کے دل و دھڑ میں نیشنلزم اور وطنیت دوسرے رنگ میں جگہ پا رہی ہے، اور اب ہر ہندو اپنے ہر رنگ میں اپنی پرانی تہذیب و تمدن کو دوبارہ زندہ اور اپنے بزرگوں کی پرانی بزرگی اور عظمت کو دوبارہ قائم کرنے میں لگا ہوا ہے، اور اسی کی خاطر ان کو اپنے ملک میں سیاسی آزادی اور خود مختاری کی ضرورت ہے۔



لیکن یہیں پر اب سوال یہ ہے کہ اسے مسلمان تو کیا چاہتا ہے، کیا حقیقت میں اب ہماری قوم کے مصنوعی انگریزوں میں بھی رجعت پیدا ہوئی ہے؟ یہ تو سچ ہے کہ ہندوؤں سے تو ان کو اختلاف پیدا ہے لیکن کیا انگریزوں کو بھی اختلاف پیدا ہو گیا ہے اور انگریزی تمدن، انگریزی تہذیب، انگریزی لباس، انگریزی معاشرت سے ان کے دل و دھڑ میں نفرت پیدا ہو گئی ہے اور ان کو بھی اپنے مذہبی علوم، مذہبی معاشرت اور مذہبی تہذیب نہ سہی تو اپنے قومی علوم، قومی زبان، قومی معاشرت اور قومی تعلیم سے محبت پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہے تو مبارک! اور اگر نہیں ہے تو افسوس!



کاش مسلمان اگر اپنی ایک غلطی کو محسوس کر لیں تو غلطی کو محسوس کر لیں اور وہ یہ کہ مسلمان دوسری قوموں کی طرح نسل و وطن سے نہیں بنے ہیں، بلکہ ان کی بنیاد وہی معتقدات، زندگی کے بعض اصولی اور معاشرت و اقتصاد کے خاص قوانین اور اس خیال پر ہے کہ جو بڑھ کر زندگی کا ہر کام آئندہ دوسری زندگی کو بڑھ کر بنی، جو اصطلاح میں اسی کا نام دین ہے

ہمارا دین غیر توہین کی طرح کسی علم الاضمام، دیوالا، اور میتھالوجی پر قائم نہیں ہو بلکہ وہ اسی دنیاوی زندگی کے ٹھوس معاملات کو احکام الہی کے مطابق اور قانون ربانی کے موافق سر انجام دینے کا نام ہے، یہ احکام اور یہ قانون جس طرح اپنے مآخذ کے لحاظ سے الہی اور آسمانی ہیں، اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے سراسر عقلی ہیں،

—•••••—

عقلی ہونے کے یہی معنی نہیں ہیں کہ ہر شخص کی عقل میں ان کی تسلط کیا آنا ضروری ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ ان میں عقلی حکمتیں اور عقلیت بھی ہیں، گو ہم میں سے بعض ان کو نہ سمجھ سکیں، جب دنیاوی سلطنتوں کے سراسر قوانین کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر دوہقان کی سمجھ میں آجائے ضرور نہیں تو خدائی احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا کس و کس کی سمجھ میں آجائے ضروری ہو،

—•••••—

بات ذرا آگے بڑھ گئی پوچھنا تو یہ تھا کہ اگر مذہبی خطاؤں سے بہت کر جاوے تو جو ان رجعت کر کے کہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں اور اس کے کو ان کو دلوں میں کیا خیالات برپا ہیں اور آخر پاکستان اور حکومت میں مساوات اور گروپ بندی وغیرہ کے تحفظات کی ضرورت کیا ہے اور ہندوؤں کی بنیاد پر تعلیم سے گھبراست کیوں ہے، یہ جو کچھ ہر باہر اگر وہ صرف سبھی ہے یعنی ہندوؤں کی مخالفت تو اس سے مسلمانوں کی زندگی کیسے بنے گی، آیا مسلمان جو انوں اور ہندوؤں کے دلوں میں اس کے متعلق کچھ ایجابی اور اثباتی خیالات بھی ہیں یا نہیں،

—•••••—

مسلمانوں کو اپنے اصول حکومت، اصول اقتصاد، اصول معاشرت، معاملات، قانون اور احکام کے متعلق یہ سوچنا نہیں ہے، کہ ان کی جگہ پر کیا ہو کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ ان کا دین کیا ہو، بلکہ یہ سوچنا ہو کہ ان کو کس طرح رائج کیا جائے، اور نئی شکلوں کے لئے اسلامی اصول کے مطابق کیا فیصلہ کیا جاسکتا ہے،

—•••••—

# مقالہ

## مسئلہ رباسلم و حربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صند شنبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اب مولانا کے ان دلائل کو دیکھنا چاہئے جو حربی و مسلم میں جواز عقد رباکے لئے اپنے بیان فرمائے ہیں۔

الف: سب سے پہلے آپ نے قرآن کے اشارہ سے استدلال کیا ہے، کہ تحریم ربوا کے ساتھ ایک طرف تہ۔

ذروا ما بقی من الربوا،  
چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے،  
کا حکم دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی میں  
فَلَمْ يَسْأَلْكُمْ،  
پس سود لینے والے کے لئے رہ گیا سود کا

وہ حصہ جو پہلے لے چکا ہے،

کافی بھی موجود ہے، مولانا سوال فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی موجود ہیں کیا ان کی واپسی کا حکم نہیں دیا جاسکتا تھا؟ جس طرح شراب کا حال ہوا، کہ آئندہ سے تو خیر لوگ تائب

ہی ہو گئے، لیکن جن کے گھرون میں شراب کے ذخیرے موجود تھے، ان کا پینا بھی لوگوں پر حرام کر دیا گیا تھا، لیکن سود کے معاملہ میں یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ تحریم ربا سے پہلے جن رقوم پر لوگوں نے قبضہ کیا تھا ان پر اس وقت قبضہ کرنا حرام نہ تھا، اور قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہو چکے تھے، اس سے وہی اصول پیدا ہوتا ہے، کہ قبضہ جائز سے مال حلال ہو جاتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ میں بھی متاثرین مسلمان نے عقد ربہ کے ذریعہ مال حربی پر قبضہ جائز کیا ہے، کیونکہ معاہدہ امن کی وجہ سے غیر معصوم مال پر بلا رضا مندی قبضہ کرنا ناجائز تھا، لیکن رضا مندی نے حرمت کی وجہ کو زائل کر دیا، اب جائز ہو گیا، دونوں صورتوں میں صرف تقدم و تاخر کا فرق ہے کہ قرآن والے فتویٰ میں حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، حرمت کی کیفیت بعد کو اس مال پر طاری ہوئی، اور امام والے فتویٰ میں حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، رضا مندی کے ثبوت کے بعد بعاذ کی کیفیت اس میں پیدا ہو گئی، (انتہا لمخصاص ۳۴۷) حیرت ہے کہ مولانا نے تقدم و تاخر کو ایسا معمولی فرق سمجھ لیا ہے، کہ گویا کچھ ہے ہی نہیں، حالانکہ یہی وہ چیز ہے، جس پر انسان کے مختلف اور غیر مختلف ہونے، گنہگار یا نیکو کار ہونے کا مدار ہے، جو کام نزول حرمت سے پہلے کیا جائے، وہ جائز ہے، جو نزول حرمت کے بعد کیا جائے، وہ ناجائز ہے، پہلی صورت میں انسان گنہگار نہیں، دوسری صورت میں گنہگار ہے، پس حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو معاملہ ربا کا کیا گیا، وہ حرام نہ تھا، اور اس عقد کی بنا پر جس مال کو قبضہ میں لایا گیا، وہ قبضہ کرنے والے کی ملک ہے، اس لئے اس کی واپسی کا حکم نہیں دیا گیا، اگر آئندہ اس رقم کو سود پر چلانا حرام ہو گیا، اسی طرح حرمت شراب سے پہلے جن لوگوں نے شراب خرید کر گھر میں بھرتی تھی، وہ دن کی ملک تھی، حرمت نازل ہونے کے بعد ان کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جس سے خریدی ہے، اس کو واپس کر دو، نہ بیچنے والوں کو رقم کی واپسی کا حکم ہوا، بلکہ آئندہ کے لئے شراب کا پینا حرام کر دیا گیا، اور ابتداء میں لوگوں کو سختی کے ساتھ روکنے کے لئے شراب کے ہمارے حکم، مگر اب یہ بھی جائز ہے، کہ اگر کسی مسلمان کو اپنے حادث کا فرقہ ترکہ سے شراب ملے، تو اس کو سرکہ بنائے،



واپسی کا حکم نہ سود کی رقوم میں دیا گیا، نہ شراب کے ذخیرہ میں، آئندہ کے لئے جس طرح شراب کے ذخیرہ کا بیچنا، اور بیچنا حرام کر دیا گیا، اسی طرح سود سے وصول شدہ رقوم کو سود پر چلانا حرام کر دیا گیا،

مولانا قاسم انشا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اگر مان لیا جائے، کہ شراب کے ذخیرہ کا بہانا امت پر پہلے بھی فرض تھا، اور اب بھی فرض ہے، اور رقوم سود کی واپسی فرض نہیں کی گئی، جب بھی دو لون میں بڑا فرق ہے، جو ان

جیسے نفعی کی نظر سے نفی نہ رہنا چاہئے، وہ یہ کہ اگر نزولِ حرمت سے پہلے جس طرح سودی رقم حلال اور

اس پر قبضہ جائز تھا، اسی طرح شراب کی خرید و فروخت اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا، مگر نزولِ حرمت کے

بعد سود کی رقوم جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھیں، حرام بعینہ نہیں تھیں، کیونکہ وہ رقم جن کو کچھ حرمت اور خبیث

آتا ہے، سبب ملک کی وجہ سے آتا ہے، اور سبب ملک کا وجود نزولِ حرمت سے پہلے ہوا تھا، اب نہیں

ہوا، اس لئے یہ رقم نزولِ حرمت کے بعد حلال اور جائز رہی اور شراب (یعنی غیر حرام لعینہ ہے، اس میں

صرت عقد ہی کی وجہ سے حرمت نہیں، بلکہ اس کی ذات میں حرمت ہے، اسی لئے شراب کو ناپاک چیزوں

میں شمار کیا گیا ہے، تو اگرچہ نزولِ حرمت سے پہلے اس کی خرید و فروخت جائز اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا مگر

نزولِ حرمت کے بعد جو شراب مسلمان کے قبضہ میں ہے، وہ اپنی ذات کو حرام و ناپاک ہے، اس لئے اس کے بہانے

کا حکم دیا گیا، مگر یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جس شخص نے نزولِ حرمت سے پہلے شراب فروخت کی ہو اور وہ رقم

اس کے پاس محفوظ ہو، اسے خیردار کو واپس کر دے، شراب کو بہانے اور گرانے کا حکم دینا اور رقوم حاصل شدہ

کی واپسی کا حکم نہ دینا اس بات کو واضح کر رہا ہے، کہ رقوم ربوہ کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے، جو رقوم خرکے

ساتھ کیا گیا تھا، رقوم کو عین خر پر قیاس کرنا یہ ہمارے مولانا کا نیا اجتہاد ہے، مولانا کا یہ ارشاد بھی عجیب

کہ قرآن دالے فتویٰ میں حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، اور حرمت کی کیفیت بعد کو طاری ہوئی، اس کا

تو کوئی بھی قائل نہیں، جب قبضہ حرمت سے پہلے ہو چکا ہے، تو بعد میں بھی اس پر حرمت طاری نہیں ہوتی

کیونکہ اس کی ذات میں تو حرمت نہیں ہے، صرت عقد یا سبب سے اس میں حرمت آسکتی تھی، اور عقد

لے حدیث ابن عباس فی النساء بطریق مختلفہ حرمت الخمر لعینہا و انسکون من شراب،

حرمت سے پہلے ہوا ہے، تو بعد میں حرمت کیوں طاری ہو؟ گے چل کر فرماتے ہیں :-

”اور امام دالے فتویٰ میں حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، (مولانا نے اس جملہ میں معاہدہ امن کی وجہ سے مال حربی کا معصوم ہونا تسلیم کر لیا، ورنہ حرمت کی کیفیت طاری ہونے کا کیا مطلب؟) پھر عقدہ بابا یا گیا، (جس کا یہ مسلمان مذہباً ہماز نہیں تھا، اس کو بھی مولانا ادھر تسلیم کر چکے ہیں،) اور اسی عقد کی بنا پر مسلمان نے حربی کے مال پر قبضہ کیا ہے،“

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ قبضہ بھی حرام اور عقد بھی حرام اور مولانا فرماتے ہیں کہ ”عقد تو حرام ہے، مگر قبضہ حلال ہے، کیونکہ عقد کے ضمن میں رضامندی ثابت ہو گئی“

مال حربی غیر معصوم ہے“

ہم کہتے ہیں یہ دونوں دعویٰ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہیں، قرآن نے ان مقدمات کو اصلاً نہیں بیان کیا، نہ کسی حدیث متواتر و مشہور یا اجماع سے آپ ان کا ثبوت دیکھتے ہیں، پس قرآن کا فتویٰ فَلَنْ مَّا سَلَفَتْ آپ کی دلیل کسی وجہ میں بھی نہیں، اور ذر و مابقی مِّنَ الْحَرِّ (چھوڑ دو بقایا کو سود میں سے) عام ہے خواہ مسلمانوں پر بقایا ہو یا کفار پر اور کفار ذمی ہوں یا حربی سب ہی کا چھوڑنا فرض کیا گیا، اور ہر صورت سے فرض کیا گیا، خواہ دارالاسلام میں رہ کر وصول کریں، یا دارالحرب جا کر وصول کریں، تو جب اس پر باکا جو نزول حرمت سے پہلے کسی پر لازم ہوا تھا، وصول کرنا مطلقاً حرام ہوا، اور اس کا چھوڑنا فرض ہوا، تو جو رہا نزول حرمت کے بعد عقد کرنے سے لازم ہوا ہو خواہ مسلمان پر لازم ہوا ہو، یا کافر اور کافر خواہ ذمی ہو یا حربی اس کا وصول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟

کتب احادیث و تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس بقایا سود کے چھوڑنے کا یہاں حکم دیا وہ کفار کہہ پر مسلمانوں کا واجب تھا، اب بتلایا جائے کہ یہ لفظ کفار کے ساتھ عقد رہا کرنے اور ان سے سود کی رقم لینے کی حرمت پر مال ہوا یا نہیں؟ مگر مولانا کے پاس ان سب دلائل کا ایک ہی جواب ہے کہ

وہ بار بار دہرائے چلے جاتے ہیں کہ

”یہاں سرے سے معاملہ ہی منقذ نہیں ہوتا، اس کی وجہ سے حق کیا واجب ہوگا، معاملہ تو

مرث رضا کی دلیل بن کر ختم ہو گیا“

مگر میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ یہ سب مقدمات بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہیں

ب:- قرآن کے بعد مولانا نے بخاری کی حدیث فتح مکہ والی بیان فرمائی ہے جس میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ہے،

ان کل الذبواکان فی الجاہلیۃ قطعاً ہر قسم کا سود جو جاہلیت میں تھا، وہ

فہو موضوع واول ربنا یوضیع ساقط کر دیا گیا اور سب سے پہلے جس کو سود

ہو دیوالعباس بن عبدالمطلب کی رقم ساقط کی جاتی ہے، وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس رضی

ابن عبدالمطلب کی سودی رقم ہے،

اس حدیث کو نقل کر کے مولانا نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو چکے

تھے، جو فتح مکہ سے دو سال مقدم ہے، اور فتح خیبر سے پہلے باحرام ہو چکا تھا، اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے سود

کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ساقط کیا ہے، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ

اس سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا سود لوگوں سے ساقط نہیں ہوا تھا، پس ثابت ہو گیا کہ مسلمان کو دواہ حربہ

میں معاہدہ امن کے ساتھ رہتے ہوئے بھی حربی سے سود لینا جائز ہے، امین کیا کہوں کہ یہ اسدلال

کس قدر کمزور ہے، اول تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا فتح خیبر سے پہلے اسلام لانا صحیح طور سے ثابت نہیں، ان کے

اسلام کے زمانہ میں بڑا اختلاف ہے، ظاہر ہے کہ وہ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے تھے جس کے بعد

معاہرت کر گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راستہ میں ملاقات کی جب کہ آپ مکہ فتح کرنے آرہے تھے

یہ ظاہر اس لئے ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی، ترک ہجرت پر سخت وعید تھی، اور حضرت عباسؓ متضعیفین میں سے تھے، کیونکہ بخاری ہی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے،

كنت انا واحي من المستضعفين (مکرورون)

المستضعفين، میں سے تھے،

جن پر ہجرت فرض نہ تھی، اگر حضرت عباسؓ بھی معذور ہوتے، تو ان کا ذکر بھی ضرور کرتے، مان کا ذکر کرنا باپ کا ذکر نہ کرنا اس بات کو بتلا رہا ہے کہ ان کی مان پہلے اسلام لائی تھیں، اور عبداللہ بن عباسؓ بوجہ نابالغ ہونے کے خیرالابین یعنی اپنی مان کے تابع ہو کر مسلمان قرار پائے تھے، مگر جس کے تابع تھے، وہ عورت ذات تھی، اس لئے دونوں متضعیفین میں داخل ہوئے، جو لوگ حضرت عباسؓ کا اسلام غزوہ بدر میں یا قبل خیر بتلاتے ہیں، وہ ان کو ترک ہجرت کا سبب بھی تو بیان کریں اور یہ بھی تو بتلائیں، کہ عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی مان کا عذر بیان کرتے ہوئے، باپ کا عذر کیوں نہیں بیان کیا؟ اگر کہا جائے کہ حضرت عباسؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں قیام کرنے کی اجازت لے لی تھی، جیسا شرح سیر کبیر میں بلا سند مذکور ہے، تو اس صورت میں ابن عباسؓ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، کہ میں اور میری مان متضعیفین میں سے تھے جب حضرت عباسؓ کو مکہ میں رہنے کی اجازت تھی، تو ان کی بیوی اور نابالغ اولاد کو بھی یقیناً ترک ہجرت کی اجازت تھی، عرض جب حضرت عباسؓ کا اسلام ہی فتح مکہ سے زیادہ پہلے نہیں، بلکہ اس کے قریب ہی تھا، تو اس بنیاد پر جو عمارت قائم کی گئی ہے، وہ خود ہی منہدم ہو گئی،

اچھا مان لو کہ حضرت عباسؓ کا اسلام فتح خیر سے پہلے تھا، مگر اس کا کیا ثبوت ہو کہ ان کو مکہ میں رہتے ہوئے حرمتِ ربا کا حکم بھی معلوم ہو گیا تھا، ممکن ہے کہ یہ سب کچھ لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہو، اور دار الحرب میں جہل عذر ہے، اگرچہ دارالاسلام میں عذر نہیں، خفیہ نے اس کی تصریح کی ہے، پس کہہ سکتے ہیں کہ یہ باقیل فتح مکہ اس لئے باقی رہا، کہ ان کو حرمتِ ربا کا علم نہ تھا، پھر یہ طرز استدلال بھی کتنا عجیب

کہ چونکہ حضرت عباسؓ کا ربا فتح مکہ میں ساقط کیا گیا، اس لئے فتح مکہ سے پہلے ان کا ربا جائز تھا، مین کہتا ہوں کہ اسی حدیث میں یہ بھی تو ہے

ود ماء اهل الجاهلیة      زمانہ جاہلیت کی سب خونریزیان ساقط  
موضوعة کلھا واول دھر      کی جاتی ہیں اور سب سے پہلے جو خونریزی  
اضعه دھر ربیعۃ بن عبد      ساقط کی جاتی ہے، وہ عبد المطلب کے بیٹے  
المطلب،      ربیعہ کا خون ہے،

تو کیا مولانا اس سے بھی یہ استنباط کریں گے، کہ جاہلیت کی خونریزیان سب جائز تھیں، ورنہ ساقط کرنے کے کیا معنی؟ جس مذہب میں مفہوم مخالفتِ حجت نہ ہو، اس کے متعلدین کا وضع رہا ہے جواز پر استدلال کرنا کس قدر حیرتناک ہے،

ج :- تیسری دلیل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جنگِ روم و ایران کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ سے انھوں نے بعض کفار کے ساتھ شرط لگا لی تھی، جس میں حضرت ابو بکرؓ کی جیت ہوئی، اور کہتے ہیں، کہ ان کے ہاتھ سوا ونٹ آئے، ان کو لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹوں کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا، جس سے یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ دارا کرب بن حربی سے سودا در قمار جائز ہے، مولانا کو معلوم ہے کہ اس روایت کے ثبوت و عدم ثبوت میں کس قدر کلام ہے، پھر اس سے میرے اس قول کا جواب کیونکر ہوا، کہ امام ابو حنیفہ کے پاس ایک ضعیف روایت کے سوا کچھ نہیں؟ آخر یہ بھی تو ضعیف ہی ہے؟ پھر اس کو امام کے قول کی دیں بنا بھی صحیح نہیں، کیونکہ یہ شرط قبل ہجرت نزولِ حرمتِ ربا و قمار سے بہت پہلے ہوئی تھی، اور حضرت صدیقؓ غزوہ بدر میں جیتے ہیں کہ اسی وقت روم کو ایران پر غلبہ حاصل ہوا تھا، اگر حضرت صدیقؓ نے اسی موقع پر یہ اونٹ وصول کئے تو شرط اور وصول دونوں قبل تحریم ہیں، اور اگر بعد میں وصول کئے

تو شرط حرمت سے پہلے اور وصول بعد میں ہوا، اور میں اس کا قائل ہوں، کہ جب معاملہ کے وقت حرمت موجود نہ ہو تو رقم کا بعد حرمت کے وصول کرنا جائز ہے، اور امام والے فتویٰ میں حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے ہی موجود ہے، جیسا آپ فلسفہ کما مسلف کی تفسیر میں اقرار فرما چکے ہیں، اور اس سے پہلے یہ بھی مان چکے ہیں کہ مسلمان ایسے فعل کے کرنے کا نہ مجباً مجاز نہیں، تو حرمت مع العقد یا قبل العقد کو حرمت بعد العقد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق نہیں، تو اور کیا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کا ان اذٹون کو خیرات کر دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ اگر عقد کے وقت حرمت نہ ہو بعد میں حرمت آجائے، تو اس معاملہ کے نفع کو خیرات کر دینا چاہئے، اور حکم خود ادا باقی من الربوا صرف رہا کے ساتھ مخصوص ہے، قمار اور دیگر عقود فاسدہ کو عام نہیں اس لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ آیت بقایا قمار کے چھوڑنے کو بھی فرض کر رہی ہے، رہا اور قمار کا فرق تمہیدی مقدمات سے واضح ہو چکا ہے،

د۔ چوتھی دلیل حضرت ابن زکاتہ کے اسلام کی حدیث ہے، کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے

سے شرط لگا کر کشتی لڑے تھے، تین بار لڑے اور ہر دفعہ جیت ہوئے، اور اس شرط میں وہ اپنی بیٹھ کر پو کے گھم کا ایک ایک تہائی حصہ ہر کشتی میں ہارتے گئے، پھر حضور نے بکریان واپس کر دیں، اور وہ اسلام لے آئے، اس واقعہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، کہ دار الحرب میں حربی سے عقد رہا و قمار جائز ہے، کیونکہ اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا، تو رسول اللہ ﷺ شروع ہی سے اس معاملہ میں داخل نہ ہوتے، مگر اس واقعہ سے استدلال دو مقدمات کے ثبوت پر موقوف ہے، ایک یہ کہ واقعہ مذکورہ نزول حرمت با و قمار کے بعد کا ہے، دوسرے یہ کہ شرط دو نون طرف سے ہوئی تھی، کیونکہ اگر صرف ایک طرف سے شرط ہو تو وہ قمار میں داخل نہیں، بلکہ اب بھی جائز ہے، اور رسول اللہ ﷺ کا ان کے مال کو واپس کر دینا بہر حال مکارم اخلاق اور کرم و احسان کی وجہ سے تھا، اور ظاہر یہ ہے کہ واقعہ قبل ہجرت کا ہے، جب کہ حرمت رہا و قمار کا نزول نہ ہوا تھا،

۸. پانچویں دلیل یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلا وطنی کا واقعہ ہے، کہ جب ان کو مدینہ منورہ

سے نکل جانے کا حکم ہوا، تو انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارا قرض لوگوں کے ذمہ بقایا ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

ضَعُوا وَتَجَلَّوْا، کچھ قرض سا تھک دو، اور جلدی کرو،

خفیہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا معاملہ مسلمانوں کے درمیان جائز نہیں، کہ قرض خواہ میوں سے یوں کہے کہ اگر مدت مقررہ سے پہلے قرض ادا کر دے تو میں قرض میں سے اتنی مقدار کم کر دوں گا، مگر حضور نے یہودی بنی قینقاع و بنی نضیر کے لئے اس کو جائز کیا، تو معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان ایسے معاملات جائز نہیں جو خود مسلمانوں میں جائز نہیں، مگر اس واقعہ سے استدلال کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ میں تھے، ان کا قرض بھی مدینہ کے مسلمانوں پر تھا، اور مدینہ دارالاسلام تھا، اگر یہ صورت رہا میں داخل تو دارالاسلام کے اندر حربی اور مسلمان کے درمیان جواز نہ بالازم آئے گا، جو کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، امام ابو حنیفہ کا قول بھی دارالحرب کی ساتھ معید ہے، دارالاسلام میں وہ بھی مسلم و حربی کے درمیان معتد بہ کو جائز نہیں رکھتے،

پس یا تو کہا جائے کہ یہ واقعہ نزولِ حرمت رہا سے پہلے کا ہے، یا اس کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جس سے بالازم نہ آئے، واقعہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو چند روز کی ہمت دی گئی تھی، کہ اس مدت کے اندر ان کو مدینہ سے نکل جانا چاہئے، جب انھوں نے بقایا قرض کا عذر پیش کیا، تو ان سے صاف کہہ دیا گیا کہ مدت ہمت میں اضافہ نہیں ہو سکتا، اس مدت کے اندر اذرا دے پونے جس قدر وصول ہو سکے اپنا قرض وصول کر لو، اور جلدی یہاں سے چل دو، بتلائے اس کو رہا سے کیا تعلق؟ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مدت مقررہ کے بعد تمھاری جان و مال محفوظ نہیں رہیں گے، اب تم کو اختیار ہے خواہ دیر کر کے اپنی جان و مال سے اور اس مال سے بھی ہاتھ دھولو جو اس مدت تمھارے قبضہ میں ہے، یا

جلدی کرو، اور مدت معینہ میں جتنا قرض وصول ہو سکے، اسی کو غنیمت سمجھو یہ صورت ربانین ہرگز داخل نہیں آج بھی اگر کوئی حربی دارالاسلام میں ایک سال کے واسطے معاہدہ امن کے ساتھ تجارت کرنے آئے، اور جب سال ختم ہونے لگے، وہ اپنے قرضداروں سے کہے کہ میری مدت امن ختم ہو رہی ہے اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا، تم جس قدر بھی ادا کر سکو ادا کر دو بقیہ میں نے معاف کیا، تو اس کو کوئی بھی ربانین داخل نہ کرے گا،

و: چھٹی دلیل وہی کھول دانی روایت ہے، مولانا گیلانی کو اعتراف ہے کہ اس حدیث کو امام شافعیؒ نے مشہور کیا، وہ قاضی ابویوسفؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ان سے امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا تھا، کہ انھوں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا کہ کھول ادن سے یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

کلادجوابین اهل الحوب، اہل حرب کے درمیان ربانین،

قاضی ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ مجھے خیال آتا ہے کہ اس کے بعد شاید اہل الاسلام کا لفظ بھی وہ بولتے تھے جس کے ملانے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان ربانین مولانا گیلانی فرماتے ہیں :-

کوئی شبہ نہیں کہ سند اس روایت کے متعلق کنگھو کا بہت کچھ متوقع ہے،

میں کہتا ہوں کہ اب تو اس کا متن بھی مخدوش ہو گیا، کیونکہ اس کا جتنا حصہ امام ابویوسفؒ کو اچھی طرح یاد ہے، اس کا تو حاصل یہ ہے کہ اہل حرب آپس میں جو معاملات رہا کرتے ہیں، اور اس طرح مال کے مالک بنتے ہیں، مسلمانوں کے لئے وہ مال حلال ہے، یہ شبہ نہ کر کہ اہل حرب سے جو مال ہم نے لیا ہے چونکہ وہ ان کے پاس سودی کاروبار سے آیا تھا، اسلئے ہمارے واسطے حلال نہیں ہو گا، کیونکہ کفار و کفار کے مال نہیں، ان کے باہمی معاملات سے ان کے رواج و آئین کے مطابق جو مال ان کی ملک ہے، وہ تو حرام و حلال حلال ہے حتیٰ کہ وہ کفار بھی اگر کسی وقت اسلام لائیں تو یہ سودی کاروبار کا روپیہ ان کے لئے حلال ہو گا،



اس جزد میں کسی کا بھی اختلاف نہیں، اور جس جزد میں اختلاف ہے، کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ جائز ہے، یہ جزد امام ابو یوسفؒ کو پوری طرح محفوظ نہیں، اب آپ ہی فرمائیے ایسی حالت میں اس سے کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، پھر حنفیہ کا اصول ہے کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا یا فتویٰ دینا صحت و روایت میں قاذب ہے، اور ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں کا عمل اور فتویٰ اس روایت کے خلاف ہے، تو حنفیہ کو اپنے اصول کے موافق اس سے استدلال کا کیا حق ہے! مرسل اور موصول ہونے سے تو بعد میں بحث کی جائے گی، پہلے اس اشکال کو دفع کرنا لازم ہے، کہ اس حدیث کے تنہا راوی کو شبہ ہے، اور خود راوی کا عمل اور فتویٰ اس کے خلاف ہے، ان سب باتوں سے پہلو تھکی کر کے مولانا کا یہ فرمانا کہ

”آخر کچھ نہیں تو جو مسئلہ قرآن و حدیث کی بنیاد سے ثابت ہو رہا ہو، اس کی غریب تائید و تقویت

بھی کیا اس سے نہیں حاصل ہوتی“

کس قدر نفرب سوال ہے، بنیاد کی بھی ایک ہی کبھی، بندہ نے ان بنیاد کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دکھلایا ہے، کہ ان سے کسی درجہ میں بھی آپ کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، رہا سہا کچھ سہارا یہ حدیث کھول تھی، مگر افسوس ڈ بھی سداً و متناً ہر طرح مخدوش ہے، اچھا مان لیجئے کہ حدیث کے الفاظ دہی ہیں، جو ہمارے فقہائے تکلف اپنی کتابوں میں لکھتے آ رہے ہیں کہ

”لا بدوا بین المسلم و الحربی فی

مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب

میں رہا نہیں،

دار الحرب،

تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ نفی معنی نہی ہو اور مطلب یہ ہو کہ مسلمان کو حربی کے ساتھ دار الحرب میں بھی رہا کا معاملہ نہ کرنا چاہئے، پہلے بھی میں اس احتمال کو ظاہر کر چکا ہوں اور بتلا چکا ہوں کہ حدیث میں اس کی نظیر بہ کثرت موجود ہیں، اور سراسر احتمال اور بھی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی، کہ مسلم سے مراد وہ مسلمان جو دار الحرب میں بلا معاہدہ امن داخل ہوا ہو، امام سفیانؒ نے حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے، اس

احتمال نے تو خیفہ کا سارا قلم ہی منہدم کر دیا،

ذاتِ ساتوین دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور اپنی حاجت پیش کی حضور نے فرمایا: "فدا صبر کر" وہ چلا گیا، اور دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا اور رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر حاضر ہوا، آپ نے اس مال کو اس کے لئے پاک اور حلال قرار دیا، اس پر قرآن کی آیت نازل ہوئی،

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا  
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس  
کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور  
اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں  
اس کا گمان بھی نہیں ہوتا،

مولانا گیلانی فرماتے ہیں: "یعنی دارا حرب کا یہ مال جو کہ غیر معصوم مال تھا، اس نے اشجعی قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو گیا۔"

بن نہیں سمجھا کہ مسئلہ اختلافی سے اس کو کیا واسطہ، حدیث میں تصریح ہے، کہ صحابی نے دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ حربی معصوم الدم نہ تھا، تو اس کا مال بھی معصوم نہ تھا، اس سے یہ کمان ثابت ہوا کہ مسلم معاہدہ امن کے ساتھ دارا حرب بن داخل ہو تو اہل حرب کا مال اس کے حق میں غیر معصوم ہے، اور وہ قبضہ سے اس کا مالک بن سکتا ہے

میرے خیال میں مولانا گیلانی کو خطا ہو گیا ہے، وہ میری ایک دوسری بات کا جواب اس حدیث سے دینا چاہتے ہیں، اسوۂ مسلم و حربی کے درمیان جوازِ ربائی و لیلون میں اس کو بیان کر گئے، میں نے اپنے مضمون کے حاشیہ میں لکھا تھا کہ یہاں سے نکلا مجھارد ہو گیا، جو دارا حرب بن مال حربی کو فنی قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ مسلمان حربی سے عقدِ ربائیہ کے مال فنی پر قبضہ کرتا ہے، ان کو جانتا چاہئے کہ مال فنی

عامہ مسلمین کا قی ہے نہ کسی خاص شخص کا (نمبر ۵ جلد ۵ ص ۵۶-۱۰۰ معارف)

مولانا گیلانیؒ نے تہذیبی مقدمات میں نمبر ۱۰ اسی کے جواب میں بڑھایا ہے، یہ حدیث اسی جگہ ان کو لکھنا چاہئے تھی، مولانا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مال فنی پر قبضہ اگر حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے ذمہ سے ہوا ہو، تو تقسیم سے پہلے یہ قبضہ مال اس کے لئے جائز ہوگا، اور اگر حکومت اور حکومت کی پشت پناہی کے بغیر حاصل ہوا ہو، تو وہ قبضہ کرنے والے کی مخصوص ملکیت ہوگی، اور اس مال میں خمس یعنی پانچواں حصہ حکومت کا نہ ہوگا، مولانا کا یہ ارشاد درست ہے، مگر دوسری صورت میں ایک قید بڑھانے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ اگر مال فنی پر قبضہ بدون حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے ہوا ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ اس قبضہ کرنے والے نے اپنی قوت اور طاقت مقابلہ سے اس پر قبضہ کیا ہے، یا بدون مشقت و تعب کے قبضہ ہو گیا ہے، پہلی صورت میں حکومت اس سے خمس نہ لے گی، گواہ اسے خود ادا کر دینا مستحب ہے، پھر امام کو اختیار ہے، خواہ اس سے خمس لے، یا محتاج سمجھ کر معاف کر دے، جیسا شیخ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک صحابی مال غنیمت لے کر حضور کے پاس حاضر ہوا، مگر آپ نے ان کی حاجت کے پیش نظر ان سے خمس نہیں لیا، اور اگر یہ قبضہ بدون مشقت اور تعب کے ہو گیا جیسے کسی کو دارالحرب میں مدفون خزانہ مل گیا، تو اس پر خمس واجب ہے، صحیح حدیث میں ہے،

المعدن جبار والبر جبارو کانون اور کنون پر کوئی ٹیکس نہیں اور

فی الرکاز الخس، و فیہ من حکومت کا پانچواں حصہ ہے،

اب بتلایا جائے کہ اگر مسلمان دارالحرب میں عقدہ ہا کے ذریعہ مال فنی پر قبضہ کرتا ہے، تو یہ قبضہ طاقت مقابلہ سے ہے، یا بلا مشقت ہے؟ یقیناً بلا مشقت ہے، تو اس پر خمس لازم ہونا چاہئے، یہ مطلب نہیں کہ میں اس صورت میں خمس کو واجب کرتا ہوں، میرے نزدیک تو یہ قبضہ ہی ناجائز ہے، مطلب یہ ہے کہ جو حضرت اس کو مال فنی پر قبضہ قرار دیتے ہیں، ان کو وجوب خمس کا قائل ہونا چاہئے،

ح: اٹھویں دلیل حضرت عباسؓ کے نعل کو قرار دیا گیا ہے، کہ وہ مکہ میں فتح مکہ تک سودی کاروبار کرتے رہے حالانکہ ربوہ فتح مکہ سے پہلے حرام ہو چکا تھا، تو امام کے فتویٰ کی تائید آثار صحابہؓ بھی ہوتی ہے مگر دلیل کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس وقت حضرت عباسؓ کا مسلمان ہونا ثابت کر دیا جائے، کہ اس کے بعد ہی وہ زمرہ صحابہ میں شامل ہو سکتے ہیں، اور ہنوز یہی محل کلام ہے، پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ حرمتِ ربہا کا حکم معلوم کرنے کے بعد انھوں نے ایسا کیا ہے، مولانا اس کو بھی ثابت نہیں کر سکتے، پھر یہ دلیل ہی کیا ہوئی؟ علاوہ ازیں اسی حدیث کے بعض الفاظ میں صحیح سند سے یہ بھی وارد ہے،

وَأَمَّا رِبْوَةُ الْعَبَّاسِ فَمَوْضُوعٌ  
لیکن عباس کا ربہا تو وہ تو سب کا سب  
کلمہ، ساقط ہے،

کہا جاتا ہے یعنی سود بھی اور اصل بھی،

پس اگر ثابت ہو جائے کہ انھوں نے اسلام لانے اور حرمتِ ربہا کا حکم معلوم کرنے کے بعد سود کا روبرو کیا تھا، تو فریقِ مخالفت کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ نے اسی واسطے اُن کے صل مال کو بھی بطور سزا کے ساقط کر دیا، پھر تو آپ کے لئے استدلال کی کچھ گنجائش باقی نہ رہے گی،

ط: نوین دلیل ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کہ ایک شرفی کے عوض ڈائریوں کا معاملہ مسلمانوں اور اہل حرب کے درمیان ہوا، مگر اس کو قولِ امام کی دلیل نہیں بنا سکتے، کیونکہ اول تو یہ ربہا کی خاص صورت ہے، جو ربہا حقیقی نہیں، بلکہ ربہا البیع اور ربہا الفضل ہے، اور تہیدی مقدمات میں بتلادیا گیا ہے کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے ربہا قرآنی کے ساتھ ملٹی فرمایا ہے، اور اس کی حرمت ربہا قرآنی کی باطلی نہیں، تو ربہا کی ایک خاص صورت کے جواز سے مطلقاً ہر قسم کی ربہا کا جواز جیسا امام ابو حنیفہ کی طعن منسوب کیا جا رہا ہے ثابت نہیں ہو سکتا، دوسرے ابراہیم نخعیؒ کے قول میں لفظ ”المسلمین“ اور ”اہل الحرب“ مطلق ہے، ممکن ہے کہ ان کی مراد وہ مسلمان ہوں جو بلا معاہدہ و استیمان کے دارا حرب

میں جائین اہل حرب سے وہ حربی مراد ہوں جو معصوم الدم نہ ہوں، اس احتمال کی تائید سفیان ثوری کے قول سے ہوتی ہے جو آئندہ آتا ہے، اور یہ صورت محل نزاع نہیں، گفتگو اس صورت میں ہے کہ مسلمان معاہدہ امن کے ساتھ دارا حرب میں ہو، جس کی وجہ سے اہل حرب کی جائین اس کے حق میں معصوم ہو جائیں۔ اس کے لئے کہ اہل حرب کے اموال معصوم ہیں یا نہیں، اور اس کو ان کے ساتھ عقد ربا کر کے مال حاصل کرنا --- جائز ہے یا نہیں؟ ابراہیم نخعی کا قول اس باب میں واضح نہیں،

ی، و سون دلیل امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ طحاوی نے ابراہیم نخعی کا قول بیان کر کے اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن مبارک سے روایت کیا ہے کہ سفیان بھی یہی کہتے تھے، (اجواب ابراہیم نخعی نے کہا،) اور معلوم ہو چکا ہے کہ ابراہیم نخعی کے قول میں مطلق ربا کا ذکر نہیں صرف ربا الفضل کا ذکر ہے، تو وہی سفیان ثوری کے قول میں ہونا چاہئے، اب اس کو امام ابو حنیفہ کے قول کی دلیل بنانا جن کی طرف مسلم و حربی کے درمیان دارا حرب میں مطلق ربا کا جواز منسوب کیا جا رہا ہے، صحیح نہیں، پھر سفیان ثوری کے نزدیک لا دوا بین المسلم والمحبیٰ میں المسلم مراد وہ مسلمان ہے جو بغیر کسی معاہدہ کے

غیر اسلامی حکومت میں داخل ہو کر وہ ان کے غیر مسلم باشندوں سے اس قسم کا معاملہ کرتا ہو لیکن جو امن و امان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کر کے غیر اسلامی ملک میں داخل ہو یعنی مسلم متامن کو وہ اس کی اجازت نہیں دیتے، المشرح التیور اور مبسوط خمری سے مولانا گیلانی نے خود ہی تفصیل بیان فرمائی ہے یہی میں کہہ رہا تھا، کہ کحل والی حدیث میں حربی سے مراد غیر معصوم الدم ہو تو پھر کچھ اشکال ہی نہیں، میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں اور اب پھر کہتا ہوں کہ اباحت مال اہل حرب کا حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ خاص حالات کے ساتھ مخصوص ہے، جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو خواہ مقابلہ کی وجہ سے یا مصاحت نہ ہونے کی وجہ سے پس جب لشکر اسلام دارا حرب پر حملہ آور ہو یا کوئی مسلمان تلخیص (جاسوسی) یا قید کی حالت میں دارا حرب کے ان عورتوں میں مسلم کو حربی سے عقد ربا کرنا ہو سکتا ہے، کیونکہ ان حالات میں بدو ن رضا کے جبر بھی وہ

اس کا مال لے سکتا ہے، تو بذریعہ عقد رہا تراخی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ لے لیگا اور غالباً حدیث کحل میں حربی

سے ایسا ہی حربی غیر معصوم الدم مراد ہے کہ وہی حربی کامل ہے، اور لفظ مطلق سے فوکا مل ہی مراد

ہوا کرتا ہے، احمد رحمہ میرے اس قول کی تائید سفیان ثوریؒ کے قول سے ہوگئی، اور جب سفیان کا قول

وہی ہے، جو ابراہیم نخعیؒ کا ہے تو ان کے قول میں بھی مسلم سے مراد، مسلم غیر متامن اور حربی سے مراد حربی

غیر معصوم الدم ہوگا، اور یقیناً جاننے والوں سے یہ امر معنی نہیں کہ علمائے کونہ کا مذہب ابراہیم نخعیؒ اور

سفیان ثوریؒ پر عموماً منتہی ہوتا ہے، تو یہ کہا جاسکتا ہے، کہ فقہائے کونہ کا فتویٰ وہ نہیں جو امام صاحب

کی طرف منسوب کیا جا رہا، کہ مسلم متامن کو بھی حربی کے ساتھ دارالحرب میں عقد رہا مطلقاً جائز ہے،

بلکہ وہ ہے جو سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ مسلم غیر متامن کو حربی غیر معصوم الدم

کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے، اب میرا یہ قول بہت موکد ہو گیا کہ عجب نہیں امام صاحب کی بھی یہی مراد ہو

جو ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے، بہر حال ہے، جس تفصیل اور اطلاق کے ساتھ مسلم و حربی

کے درمیان عقد رہا کا جواز کتب حنفیہ میں امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، وہ اس میں

منفرد ہیں، اور ان کے اس قول کی بجز ایک ضعیف اور متحمل حدیث یا ضعیف تیس کے کوئی قوی دلیل

نہیں، مولانا گیلانی نے جس قدر دلیل پیش کی ہیں، میں عرض کر چکا ہوں کہ ان میں سے ایک بھی دلیل

بننے کے قابل نہیں،

آخر میں اتنا اور عرض کر دوں کہ مولانا نے میرے مضمون میں کامل غور کئے بغیر میری طرف

یہ دعویٰ منسوب کر دیا ہے کہ

”اموال اہل حرب کے غیر معصوم و مباح ہونے کے لئے اہل حرب کا مسلمانوں اور

مسلمانوں کی حکومت سے بالفعل برسرِ جنگ ہونا ضروری ہے“

حالانکہ میری عبادت میں یہ الفاظ موجو د ہیں، کہ

”اباحت مال اہل حرب کا حکم مطلق نہیں، بلکہ خاص حالات سے مخصوص ہے جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو، خود مقابلہ و مقاتلہ کی وجہ سے یا مصاحت نہ ہونے کی وجہ سے، جس سے صاف معلوم ہو گیا، کہ بافضل بر سر جنگ ہونا ضروری نہیں، بلکہ مصاحت و معاہدہ نہ ہونا بھی ان کے اموال کے غیر معصوم اور مجاہد ہونے کے لئے کافی ہے۔“

اسی لئے میں مسلم متخلص کے لئے جواز عقد ربا کا قائل ہوں، حالانکہ اہل حرب اس سے بافضل بر سر جنگ نہیں ہوتے، مگر چونکہ ان سے نہ حکومت اسلام کا معاہدہ ہے نہ جاسوس نے معاہدہ اسی کیا ہے اس کے حق میں اہل حرب کے نفوس و اموال دونوں غیر معصوم اور مجاہد ہیں، اور اس کے لئے اہل حرب کے وہ اموال بھی حلال ہیں، جو عقد ربا کے ذریعہ چل کرے،

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جو مسلمان دار الحرب میں کسی معاہدہ، قولی یا حالی کے ماتحت امن کی زندگی گزار رہے ہیں، جب اس معاہدہ کی وجہ سے نفوس اہل حرب اس کے حق میں معصوم قرار دیدیے گئے تو ان کے اموال بھی معصوم ہون گئے، ان کے ساتھ عقد ربا اس دلیل سے کہ یہ اموال غیر معصومہ ہیں، جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ عصمت نفوس کے ساتھ عصمت اموال لازم ہے آپ دیکھ رہے ہیں، کہ امام سفیان ثوری اس حالت میں مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کی اجازت نہیں دیتے، اور یہی ظاہر قول ابراہیم غنی کا ہے اس پر مولانا کا یہ فرمانا کہ

”بہر حال اتنی بات کہ حربی و مسلم میں ربا کا معاملہ بعض صورتوں میں ربا اور سود باقی

نہیں رہتا، اس کے قائل یقیناً سفیان ثوری بھی ہیں، اور انہما کے لئے یہ کافی ہے“

موضوع بحث سے الگ ہو جانا ہے، کیونکہ جس صورت میں سفیان ثوری جواز عقد ربا درمیان حربی و مسلم کے قائل ہیں، اس میں نزاع اور گفتگو نہیں ہے، امین معارف ص ۱۱۲ پر صاف عرض کر چکا ہوں کہ

لے دہ مسلمان جو جاسوسی کے طور پر دار الحرب میں جاتے،

”الگران کی (خفیہ کی) مراد حربی سے غیر معصوم الدم ہے تو اس صورت میں دوسرے امکہ کا اخلافت

محض تورع و احتیاط پر مبنی ہے حقیقی اخلافت نہیں،

اور ابراہیم خنمی کے قول میں لفظ لا باس الدینا دیا بلدینا دین خود بتلا رہا ہے کہ گو وہ اس کو جائز کہتے ہیں مگر خلافت احتیاط بھی سمجھتے ہیں، فقہاء کے کلام پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ لفظ لا باس کیسے موقع پر بولا جاتا ہے، پس یوں کیوں نہ کہا جائے کہ امام صاحب کے قول کی بھی تفصیل وہی ہے، جو سفیان ثوری کے قول کی ہے، میں صرف لفظ رہا ہے ہرگز متاثر نہیں ہوں، بلکہ میری نظر میں جہاں حق تعالیٰ کا یارشا کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری الذمہ ہے

إِنَّ اللَّهَ بَرٌّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

ہے، دین یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے،

أَلَا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ

مگر جن مشرکین سے تم عہد کر لو تو ان کے

المُشْرِكِينَ،

جان و مال سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ

(نہیں ہیں)

مولانا گیلانی ایک آیت کو دیکھتے ہیں، اور دوسری کو نہیں دیکھتے، اور اگر دیکھتے ہیں تو پھر یہ دعویٰ کس بنا پر کیا جاتا ہے، کہ مسلم متاثرین جو معاہدہ امنی کے ساتھ دارالحرب میں داخل ہوا ہے، اس کے حق میں اہل حرب کے اموال معصوم نہیں، حالانکہ نفوس معصوم ہیں، اس دعویٰ کی دلیل میں صرف علامہ سرخسی کا قول کافی نہیں، دلیل قطعی کی حاجت ہے، بدون دلیل کے یہ کہنا کہ واقعہ میں جو حلال ہے، اس کے حلال ہونے کا فتویٰ امام صاحب دے رہے ہیں، مقام تقلید میں کافی ہو سکتا ہے، مقام تحقیق میں کافی نہیں ہو سکتا، امید ہے کہ مولانا ان محرومات پر تحقیقی نظر ڈال کر اپنے مقالہ پر نظر ثانی فرمائیں گے،

وَلَعَلَّ اللَّهُ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا،

پس میں نصوص قرآنیہ پر نظر کر کے بے تحلف کہتا ہوں، ادب آپ کو بھی بے تحلف یہی کہنا چاہئے



کہ اس باب میں حنفیہ کا مذہب وہ ہے، امام ابو یوسف نے فرمایا ہے، کہ وہی ساری امت کا قول ہے، اگر  
 طرفین کا قول مذہب نہیں، بلکہ مذہب کی ایک ضعیف روایت ہے، اور اگر ان کا مطلب وہ ہے جو سفیان  
 ثوری کا قول ہے، اور بظاہر وہی فقہ کو نہ کا عام فتویٰ ہے تو پھر کچھ اختلاف نہیں مجھ تو رع و اعتیاد  
 کا درجہ باقی رہ جاتا ہے،

واللہ اعلم و علمہ التوا حکم و صلی اللہ تعالیٰ و سلمو علی افضل بنی آدم و سید الانبیاء

و علی آلہ و صحابہ و شراف و کرم

## عائشہؓ

### نیا دلش

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ ضہدِ یقہ کے حالاتِ زندگی، تعلیم و تربیت و خانہ داری، اور  
 ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنفِ فتویٰ  
 پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی مکملہ نبخیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم)

ضمیمات :- ۳۵۰ صفحہ

قیمت :- ۵۰

”میں خبر“

# علم اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبد اسلام ندوی

(۳)

استغنا و قناعت کے ساتھ ہمارے علماء کا ایک خاص اخلاقی وصف فیاضی ہے، ہمارے ائمہ و سلاطین نے اگرچہ فیاضیوں کے دریا بہا دیے تھے لیکن ان کی فیاضیوں کا ایک حصہ غیر معقل اور قابل اعتراض تھا لیکن ہمارے علمائے جو فیاضان کین، وہ اس قدر صحیح و بجا تھیں، کہ ان پر مطلق حوت رکھنے کی گنجائش نہیں، علم، مذہب، اور اخلاق تین چیزیں ان کے پیش نظر تھیں، اور انہی پر وہ اپنا سرمایہ صرف کرتے تھے،

حماد بن مسلم (المتوفی ۱۲۰ھ) رمضان کے مہینے میں روزانہ پچاس آدمیوں کو افطار کراتے تھے، پھر عید کے دن ہر ایک کو کپڑا اور سو دھم دیتے تھے،

ابن زیاد کو فہ کا عامل صدقہ ہو کر آیا، تو ایک شخص نے ملازمت کے لئے حماد سے اس کی خدمت میں سفارش کرانی چاہی، بونے "اُس خدمت سے تمہیں کس قدر مافی فائدے کی توقع ہے؟ اس نے کہا "ہزار دھم" بونے تین تم کو پانچ ہزار دھم خود دلوادیتا ہوں، اس کے سامنے اپنی ابرو دریزی نہیں کر دانا چاہتا،

برقیۃ الاراء (المتوفی ۳۱۵ھ) نہایت فیاض تھے، انھوں نے اپنے رفقاء و تلامذہ پر چالیس ہزار دینار

صرف کیے،

امام لیث مصری (المتوفی ۲۵۰ھ) کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار یا اسی ہزار دینار تھی لیکن باوجود اس آمدنی کے اُن پر سال میں نو کڑے کبھی فرض نہیں ہوئی، بلکہ سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ کل رقم ان کی فیاضی کے مذبذب ہو جاتی تھی، امام مالک کے پاس ایک بار ہزار اشرفیان بھیج دیں، ایک بار امام مالک نے ان کو کھاکر مقررہ فرض ہو گئے، انھوں نے ان کی خدمت میں پانچ سو اشرفیان بھیج دیں،

ایک بار امام مالک نے ان کی خدمت میں ایک سنی کھجوریں بھیجیں لیکن انھوں نے اس سنی سن سونا بھر کر واپس کیا، ایک بار امام مالک کے پاس زعفران کی بوریاں ہدیہ روانہ کیں، ان متفرق عطیوں کے علاوہ امام مالک کو سالانہ سو اشرفیان دیتے تھے، ان کے علاوہ اور علما بھی ان کے مال و دولت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک بار منصور بن عمار کو ایک ہزار دینار دیا اور فرمایا کہ خدا نے تم کو جو حکمت عطا کی ہے، ان کے ذریعہ سے اس کو محفوظ رکھو، ابن لہیعہ کے گھر میں آگ لگ گئی، تو ہزار دینار سے دس مصیبت میں ان کی مدد کی، وہ اپنے اصحاب کے لئے فالوہ تیار کرواتے تھے، اور ان میں اشرفیان بھر دیتے تھے تاکہ جو شخص جس قدر زیادہ کھائے، اس کے حصہ میں اسی قدر زیادہ اشرفیان آئیں،

ایک حدیث میں ہے کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہے، چنانکہ انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہیں، اس لئے غالباً اسی حدیث کی تعمیل میں جب تک وہ ہر روز تین سو ساٹھ مسکینوں کو کھانا نہ کھلا دیتے خود کھانا نہ کھاتے،

امام معانی بن عمران (المتوفی ۱۸۵ھ) نہایت دولت مند اور صاحب جائداد تھے، ان کے تلامذہ

کی تعداد ۳ تھی، اور جب ان کی جائداد کا منافع آتا تو اس سے ان سب کی کفالت کرتے تھے۔  
 امام حفص بن غیاث (المتوفی ۱۹۴ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ جو شخص میرا کھانا  
 نہ کھائے گا، میں اس کے سامنے حدیث نہ بیان کروں گا، جب وہ عام دعوت دیتے، تو کوئی شخص ایسا نہ  
 تھا، جو اس میں شریک نہ ہوتا تھا۔

حافظ عبدالوہاب ثقفی (المتوفی ۱۹۴ھ) کی جائداد کا منافع ۴۰ ہزار تھا، اور وہ یہ کل رقم محدثین  
 پر صرف کرتے تھے،

حسین بن حفص (المتوفی ۲۱۲ھ) کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی، لیکن اس پر زکوٰۃ کبھی جواب  
 نہیں ہوئی، وہ یہ کل رقم محدثین، فقہاء اور اہل فضل پر صرف کر دیتے تھے،

حافظ یحییٰ بن معین بغدادی (المتوفی ۲۳۳ھ) کے باپ نے اپنے مرنے کے بعد لاکھوں روپیے  
 چھوڑے تھے، لیکن یحییٰ بن معین نے یہ کل رقم علم حدیث پر صرف کر دی تھی،

حافظ احمد بن محمدی (المتوفی ۲۴۲ھ) نہایت دولت مند تھے، اور انھوں نے اپنی دولت میں  
 سے تین لاکھ درہم اہل علم پر صرف کئے تھے،

بعض علماء کی فیاضیان اگرچہ بظاہر حقیر تھیں، لیکن مذرت و اعجابگی کے لحاظ سے وہ بھی قابل ذکر  
 ہیں، حافظ نجاد (المتوفی ۳۴۴ھ) ہمیشہ صائم الدہر رہتے تھے، اور صرف ایک روٹی سے انظار کرتے تھے،  
 لیکن اس روٹی میں سے روزانہ ایک ٹکڑا بچا لیتے تھے، جب جہزات آتی تھی، تو اس ٹکڑے کی پوری روٹی  
 صدقہ کر دیتے تھے، اور ہفتہ بھر جو لقمے بچا جاتے تھے، انہی سے انظار کرتے تھے،

امام طحطاوی (المتوفی ۳۵۱ھ) نہایت دولت مند محدث تھے، اور مکہ، عراق اور حجاز کے

اہل حدیث کے لئے مستقل اوقات کر رکھے تھے، ابن حویہ کا بیان ہے کہ دُعلج مجھ کو اپنے گھر کے اندر لے گئے، اور وہ پیوں کے توڑے دکھا کر کہا کہ جس قدر جی چاہے لے لو!

حافظ ابو عبد اللہ بن ابی الذہل (المتوفی ۳۳۸ھ) نہایت دولت مند اور نیاز مند تھے، اور محمد بن واخیار پر بہت زیادہ احسانات کرتے تھے، وہ ہرات میں جن لوگوں کی کفالت کرتے تھے، ان کی تعداد پانچ سو سے زیادہ تھی!

ابراہیم بن یحییٰ (المتوفی ۳۳۵ھ) حنفی المذہب فقیہ تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگوں پر اپنی دولت صرف کرتے تھے، اور ان کے لئے عمدہ عمدہ اوقات کئے تھے!

اسد ابو منصور عبد القادر بن طاہر بغدادی (المتوفی ۴۲۵ھ) نہایت دولت مند تھے، اور اپنی دولت اہل علم اور اہل حدیث پر صرف کرتے تھے!

خطیب بغدادی (المتوفی ۴۲۳ھ) نے اپنے مرض الموت میں اپنا کل سرمایہ جس کی تعداد دوسو دینار تھی، اہل حدیث، فقہاء اور فقراء کو تقسیم کر دیا، اور اپنی تمام کتابیں مسلمانوں کے لئے وقف کر دیں! محدث ابو عبد اللہ محمد بن یوسف (المتوفی ۵۳۳ھ) نہایت مسافر نواز تھے، اور ان کے پاس جو مسافر آتے تھے، باوجود پیرائے سالی کے ان کا کھانا خود ان کے پاس لے جاتے تھے، اور بذاتِ خود ان کی خدمت کرتے تھے!

حافظ ابو العلاء ہمدانی (المتوفی ۴۶۵ھ) اپنے شاگردوں کا خاص طور پر پیارا رکھتے تھے، لوگوں سے ان کی مالی اعانت کی درخواست کرتے تھے، اور خود ان کو جو کچھ مال و دولت ملتا تھا، اس کو جمع نہیں کرتے تھے، بلکہ ان پر صرف کر دیتے تھے، کسی دعوت میں اس وقت تک شریک نہیں ہوتے تھے، جب تک

ان کے علاوہ اس میں شریک نہ ہوں، بہت سے لوگوں کے وظائف مقرر کر رکھے تھے، اور باوجودیکہ ان کی فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع تھا لیکن ہمیشہ بڑا دن دنیا کے مقروض رہتے تھے۔  
حافظ قاسم (المتوفی ۱۰۸۵ھ) نے کبھی اپنی تنخواہ نہیں لی، بلکہ جو طلبہ ان کے پاس آتے تھے ان کو محفوظ رکھتے تھے۔

حافظ عبد الغنی المقدسی (المتوفی ۱۰۸۵ھ) اس قدر فیاض تھے کہ اپنے پاس کوئی چیز جمع نہیں کرتے تھے، ان دنوں کو آٹے کی بوریاں لے کر نکلتے تھے، اور جب لوگ دروازہ کھولتے تھے، تو ان کو رکھ کر فوراً چلے جاتے تھے، تاکہ لوگ ان کو پہچان نہ سکیں، ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ فیاض کسی کو نہیں دیکھا، انھوں نے میری جانب سے متعدد بار قرض ادا کئے، ایک شخص نے ان کے پاس کچھ روپیے اور بہت سے گیون بھیجے، انھوں نے سب تقیم کر دیا، انھوں نے ایک بار متصل تین دن تک اپنا رات کا کھانا دوسروں کو دیدیا، اور خود بھوکے رہے۔

مولیٰ سنان الدین (المتوفی ۱۰۸۵ھ) کی فیاضی حد اس قدر تک پہنچ گئی تھی، یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو ان کے گھر میں ایندھن بھی نہ تھا کہ نملانے کے لئے پانی گرم کیا جائے،  
بیر محمد جمال (المتوفی ۱۰۹۱ھ) علم و فضل کے ساتھ منصب و وزارت پر ممتاز تھے، اور دو مسجدیں دو مدرسے اور دو مسافر خانے تعمیر کرائے تھے۔

مولانا ابوالحسن پاشا نے ابتداء میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی تھی، لیکن اخیر میں درجہ وزارت تک پہنچ گئے، اور لوگوں کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کے بیان تک کہ ان کے باوجودی خانہ روزانہ قسطنطنیہ کے چھوٹے فقراء کو کھانا ملتا تھا، اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مرنے کے بعد ان کے پاس آٹھ ہزار

ہزارہم سے زیادہ نہ لکھے!

ہمارے علماء کی ایک خاص اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود بددعا و فحاشی اور مجاہدہ و ریاضت کے ان میں رہبانیت کبھی نہیں پیدا ہوئی، اس لئے ان کی اخلاقی حالت عیسائی راہبوں کی بالکل مختلف رہی، ابتدائاً میں مسیحیت کا یہ قانون تھا کہ کسی مسیحی کو سطحِ نبین رہنا چاہئے، بعد کو اگرچہ مسیحیوں کا داخلہ فوج میں حرام نہیں، تاہم مذہبی حلقوں میں اسے پسندیدگی سے اب بھی نہیں دیکھا جاتا تھا، کیونکہ مسیحی دشمنانہ تخیل اخلاق ہی میں زمین و آسمان کا فرق تھا، مشرکوں کا سطحِ نظر وہی تھا، اور ان کے نزدیک وطن پرستی و سپہ گری زبردۃ الفضل تھے، بخلاف اس کے مسیحی نصب العین ثوابِ آخرت تھا، اور اس نقطہ خیال سے ترک دنیا اور رہبانیت کو راسِ اعانت کا مرتبہ حاصل تھا، چنانچہ چوتھی اور پانچویں صدی میں جو ان صحاح کی تعداد کثیر برابر فوج سے منتقل ہو کر زاید و ن اور راہبوں کی صف میں شامل ہوتی جاتی تھی، لیکن اسلام کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، اس نے ابتدائی سے جہاد کو راسِ الفضائل قرار دیا، اس نے اسلام میں برگزیدگی و سپہ گری کے ڈانڈ باہم مل گئے، صحابہ کرام کے بعد متعدد برگزیدہ علماء نے اپنے گوشہ خلوت سے نکل کر جہاد میں شرکت کی، شیخ الاسلام ابوسعید بصری (المتوفی ۱۱۸ھ) عمر بھر مصروف جہاد رہے، مسلمانوں کی اخلاقی تاریخ میں خارجیوں کی شجاعت مشہور ہے، اور خارجیوں میں نظری بن الفجاء شجاعت میں تمام خارجیوں سے متنازع سمجھا جاتا تھا، لیکن شیخ الاسلام ابوسعید بصری اس وصف میں نظری بن الفجاء کے ہم پایہ تھے، اور ان کا نام اس کے ساتھ لیا جاتا تھا، امام احمد بن شہویہ (المتوفی ۲۳۳ھ) ہمیشہ جہاد کرتے، اذقیونیون کو چھڑاتے رہے،

امام دزیمی (المتوفی ۱۱۸۵ھ) اسلام کی حمایت و مدافعت میں نہایت مشہور تھے، ایک بار وہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو لوگوں نے سارے ملک ان کی مشایعت کی، وہ ان کو واپس کرتے تھے، لیکن لوگ واپس نہیں

ہوتے تھے چنانچہ جو لوگ ان کے ساتھ سہارا گئے، اُن کا شمار کیا گیا، تو ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچی تھی۔  
حافظ ابو احمد تصاب کی زندگی کا خاص مشغلہ جہاد تھا، چونکہ انھوں نے غزوات میں کثرت سے کاؤز  
کو قتل کیا تھا اسلئے ان کا لقب تصاب ہو گیا تھے

حافظ حسینک دالمونی ۳۷۵ھ نے متعدد بار خود جہاد میں شرکت کی، اڈ ایک بار دس آدمیوں کو اپنا  
قائم مقام بنایا، اور ان کو مسلح کر کے جہاد کی شرکت کے لئے بھیجا، اور ان کے مصارف خود برداشت کئے تھے۔  
یوسف بن دزماس الفذلادی المغربي دمشق میں حدیث کا درس دیتے تھے، ۳۳۵ھ میں عیسائیوں  
نے دمشق پر حملہ کیا، تو اہل دمشق ان سے لڑنے کیلئے بھگے، یوسف بن دزماس بھی ان لوگوں کے ساتھ شریک  
جہاد ہوئے، ابھی جنگ شروع نہیں ہوئی تھی، کہ مسلمانوں کے سپہ سالار سے ان کی ملاقات ہو گئی، وہ پید  
چھنے کی وجہ سے نہایت خستہ ہو گئے تھے، سپہ سالار نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ آپ واپس جائیے، بڑھاپے کی  
وجہ سے آپ معذور ہیں، بولے میں واپس نہ جاؤں گا، ہم نے بیچ دیا، اور خدا نے ہم سے خرید لیا، اس سے ان  
کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا،

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ  
انْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَّهُمْ  
الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ،  
خدا نے مسلمانوں سے ان کی جان و مال کو  
جنت کے معاوضے میں خرید لیا، وہ لوگ  
جہاد کی راہ میں لڑتے ہیں

چنانچہ لڑے اور شہید ہوئے ۳۷۵ھ

علامہ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے بڑی بڑی پر خطر کمات میں حصہ لیا، ۶۹۹ھ میں غازیان  
خان نے تمام پر حملہ کرنا چاہا اور قتل شاہ اور تولا سے جو اس کے سپہ سالار تھے، فوجین لے کر آگے بڑھے تو  
علامہ ابن تیمیہ نے جا کر ان سے گفتگو کی، اور ان کو اس ارادہ سے روکا ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا، اور ہر قسم



کی تیاریاں شروع کیں، اوس وقت تو یہ فتنہ فرو ہو گیا، لیکن سال بھر کے بعد تاتاریوں کا سیلاب پھر امنڈا تو علامہ ڈاکٹر مین بیٹھ کر مہر گئے، ادراعیان سلطنت سے مل کر ان کو جہاد کی ترغیب دی، اور دمشق میں واپس جا کر خود جہاد کی تیاریاں کیں۔

مولیٰ محمد بن محمد بن عمر (المتوفی ۹۳۲ھ) نے مختلف بادشاہوں سے تعلقات رکھے، اور سب کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، سلطان بایزید خان ان کا نہایت معتقد تھا، وہ اس کے ساتھ ایک جہاد میں شریک ہوئے، اور قلعہ مشون کو فتح کیا، قسطنطنیہ میں وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض نہایت مہیا تھا اور پرا داکرتے تھے، اور ملاحدہ اور صوفیان کی زدن آتے تھے، وہ سلطان سلیم خان کے زمانہ میں روم میں آئے، اور اس کو قزلباش کے ساتھ جہاد کرنے پر آمادہ کیا، اور اس کے لئے جہاد اور اس کے فضائل پر ایک عمدہ کتاب لکھی، وہ اس گروہ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوا، تو وہ اس کے ہمراہ تھے، اور راستے میں فوج کو غط و پند کرتے تھے، اور اس کو جہاد کا ثواب بتاتے تھے، جب دونوں فوجوں میں گھسان کی لڑائی ہوئی، زباد شاہ نے ان کو دغا کرنے کا حکم دیا، انھوں نے دعا کی، اور خدا کے فضل سے دشمن کو شکست ہوئی، اس کے بعد وہ ۹۳۲ھ میں ایک اور جہاد میں شریک ہوئے اور خدا نے فتح دی،

ان محاسن اخلاق کے علاوہ ہمارے علمائے دین اور بھی سینکڑوں قسم کے فضائل اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً علامہ خرنی (المتوفی ۲۶۴ھ) کے زہد و توسع کا یہ حال تھا، کہ وہ سال کی ہر فصل میں صرف پتیل کے کوزے کا پانی پیتے تھے، ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی، تو بولے کہ مٹی کے کوزے اوپے سے پکائے جاتے ہیں، اور آگ ان کو پاک نہیں کرتی،

ابو جعفر محمد بن احمد بن نصر ترمذی (المتوفی ۲۹۵ھ) نے اپنے زہد و توسع اور صبر کی وجہ سے سترہ دن صرف پانچ دانوں پر بسر کئے، ان کو عینین صرف چار درہم ملتے تھے، لیکن وہ اس کے علاوہ اور کسی سے کچھ

شیخ صالح الدین قوجی اس قدر زاہد و متورع تھے، کہ ایک بار انھوں نے اپنے ایک شاگرد کو گہیون پسوانے کے لئے دیے، وہ گیہون لے کر گئے تو لوگوں نے محض شیخ کی خاطر سے ان کو اپنے آپ سے پہلے گیہون پکانے کا موقع دیا، وہ گیہون پسوا کر پٹے، تو انھوں نے اس قدر جلد پٹنے کی وجہ پوچھی، انھوں نے واقعہ بیان کیا تو خاموش ہو گئے، ادھر کے صحن کے ایک گوشے میں جا کر ایک گڑھا کھودا، اور اس میں آٹے کو دفن کر دیا، شاگرد نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ اس آٹے کا کھانا جائز نہیں، اور میں نے اس کو اس لئے دفن کر دیا کہ اس کو میرے کئے بھی کھانے نہ پائیں۔

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ صبر و ضبط ہے، اور ہمارے علماء میں زہد و قناعت، استغفار اور حق گوئی کے جو اوصاف پیدا ہو گئے تھے، وہ اسی صبر و ضبط کا نتیجہ تھے، محمد بن عبداللہ بن دینار (المتوفی ۳۳۸ھ) دن کو روزہ رکھتے تھے، رات کو عبادت کرتے تھے، فقر و فاقہ پر صابر رہتے تھے، صرف اپنے دست و بازو کی کمائی پر گذر اوقات کرتے تھے، ادھ کھانے پینے سے جو کچھ بچ رہتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے، ابو یزید محمد بن احمد قاشانی (المتوفی ۳۸۸ھ) کے وطن میں سخت سردی پڑتی تھی، لیکن فقر و فاقہ کی وجہ سے پورا ہاڑا بغیر جے کے بسر کر دیتے تھے، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی، تو بولے کہ مجھے ایک ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے میں روٹی دار کپڑا نہیں پہن سکتا، یہ مرض کیا تھا؟ ان کا فقر و فاقہ، لیکن انھوں نے اس کا اظہار صراحتاً اس لئے نہیں کیا کہ وہ اپنے اندرونی حالات کو لوگوں سے چھپاتے تھے،

ابو محمد القاسم بن قیرۃ المقرئ (المتوفی ۳۹۵ھ) سخت سے سخت امراض میں مبتلا ہوتے تھے، لیکن نہ کہہتے تھے، نہ حرف شکایت ان کی زبان پر آتا تھا جب ان کا حال پوچھا جاتا تھا، تو بجز اس کے کہ

اچھا ہوں» اور کچھ نہیں کہتے تھے،

عبداللہ بن داؤد و خربی (المتوفی ۲۱۳ھ) اس قدر سچے تھے، کہ ان کا بیان ہے کہ میں یحییٰ بن مرث ایک بار جھوٹ بولا تھا، میرے باپ نے کہا کہ تم مکتب میں گئے تھے، میں نے کہا ہاں خالانکہ میں مکتب میں نہیں گیا تھا۔

مولیٰ حمید الدین بن فضل الدین (المتوفی ۶۹۰ھ) سلطان محمد خان کے زمانہ میں قاضی تھے، لیکن ان کے علم کا یہ حال تھا، کہ ایک بار ایک عورت نے ایک مرد کے خلاف اُن کے اجلاس میں دعویٰ دائر کیا، انھوں نے مرد کے حق میں فیصلہ کیا، تو عورت نے ان کو بڑبھلا کرنا شروع کیا لیکن انھوں نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا کہ اپنی جان کو زحمت میں نہ ڈالو، خدا کا حکم بدل نہیں سکتا اگر تمھارا یہ مقصد ہے، کہ میں تم پر غصہ کروں تو اس کی توقع نہ رکھو۔

مولیٰ محی الدین (المتوفی ۶۹۵ھ) اس قدر متواضع و خاکسار تھے، کہ بازار سے اپنا سودا خود خرید کر لاتے تھے، حالانکہ لوگ ان کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے، لیکن وہ محض تواضع و خاکساری سے اُن کی خدمات کو قبول نہیں کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاکدامنی کا قصہ مشہور ہے، لیکن علمائے اسلام میں بھی بعض بزرگوں نے اسی قسم کی عفت و پاکدامنی کی مثال قائم کی، یسار مدنی (المتوفی ۸۱۵ھ) نہایت حسین و جمیل تھے، ایک بار ایک عورت اُن کے پاس آئی، اور ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا، لیکن وہ گھڑ سے بھاگ گئے۔

۱۵ ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۲ ۱۶ بحوالہ المقتبہ جلد اول ص ۲۰۵ ۱۷ شقائق النعمانیہ، بر حاشیہ ابن خلکان

جلد اول ص ۱۹۳-۱۹۴ ۱۸ شقائق النعمانیہ بر حاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۵،

۱۹ تذکرۃ اعمام جلد اول ص ۸۰

حضرت سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) اپنے پاس کسی کو غیبت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

واقعی (المتوفی ۱۲۵ھ) اسلام کے ایک مشہور عالم ہیں، ان کا بیان ہے کہ میرے دو دوست

تھے جن میں ایک ہاشمی تھا، ہم میں اس قدر اتحاد تھا کہ یک جان سہ تائب ہو گئے تھے، ایک بار میں سخت

تنگدستی میں مبتلا ہو گیا، اسی حالت میں عید کا زمانہ آگیا، اور میری بی بی نے کہا کہ ہم لوگ تو خود صبر کر سکتے

ہیں لیکن بچوں کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہمایون کے بچوں کو دکھین گئے کہ وہ

عمرہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اور وہ اس بچے حال میں ہیں، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ اگر کسی حید سے کچھ روپیہ

پیدا کرتے تو میں ان کے لئے کپڑے بنا دیتی، میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا، اور اعانت کی درخواست کی

تو اس نے ایک مہربند تھیلی جس میں ہزار درہم تھے، بھیج دی، اسی حالت میں میرے دوسرے دوست نے مجھ کو

ایک خط لکھا، اور وہی احتیاج ظاہر کی جس کا اظہار میں اپنے ہاشمی دوست سے کر چکا تھا، میں نے وہ

مہربند تھیلی اس کے پاس بھیج دی، اور خود مسجد میں چلا گیا، اور اسی میں رات بسر کی، کیونکہ مجھے بی بی کے

پاس جاتے ہوئے شرم آتی تھی لیکن جب میں بی بی کے پاس گیا، تو اس نے میرے اس فعل کو پسند کیا، اور

مجھ کو سزائے نین کی، اسی حالت میں میرا ہاشمی دوست تھیلی کو اسی مہربند حالت میں لے کر آیا، اور کہا کہ سچ

سچ بتاؤ کہ تم نے میری بھیجی ہوئی تھیلی کیا کی؟ میں نے صلی واقعہ بیان کر دیا، تو اس نے کہا کہ جب تم

مجھ سے اعانت کی درخواست کی تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا اور کچھ نہ تھا، اس لئے میں نے اپنے دوسرے

دوست سے اعانت کی درخواست کی، تو اس نے میرے پاس خود میری ہی مہربند تھیلی بھیج دی، غرض ہم

پہلے اپنی بی بی کے لئے سو درہم نکال دینے پھر اور رقم کو باہم تقسیم کر لیا، اس واقعہ کی اطلاع امون

کو ہوئی تو اس نے مجھے بلا کر واقعہ کو زیرِ بحث کیا، اور ہم سب کو سات ہزار دینار دلواسے، جن میں دو دو

ہزار ہمارے اور ایک ہزار میری بی بی کا حصہ تھا۔

امام ابو حنیفہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے چڑوس میں ایک موچی رہتا تھا، وہ دن بھر تو کام کرتا تھا، شام کو اپنے گھر گوشت یا مچھلی لے کر آتا تھا، اور ان کو بھون کر کھاتا تھا، اور شراب پیتا تھا، اور جب شراب کے نشے میں خوب چور ہو جاتا تھا، تو ریشہ بڑھتا تھا،

اضاعونی داسی فنی اصاعوا لیومہ کرہیتہ وسداد تغر

لوگوں نے مجھ کو ضائع کر دیا، اور کیسے بہادر کو ضائع کیا جو لڑائی میں ان کے کام آتا، اسی طرح مستقل شراب پیتا جاتا تھا، اور بار بار میری شر بڑھتا تھا،

امام ابو حنیفہ رات کو نماز پڑھتے تو اس کا شور و شغب سنتے، ایک روز رات کو ان کے کان میں اس کی آواز نہیں آئی، تو لوگوں سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس کو پولیس گرفتار کر لے گئی اور وہ قید خانہ میں ہے، وہ دوسرے روز فجر کی نماز پڑھ کر امیر کی خدمت میں گئے، اور اس سے اس کی رہائی کی درخواست کی، امیر نے اس کو اور اس رات جتنے لوگ گرفتار ہوئے تھے، سب کو رہا کر دیا، اب امام ابو حنیفہ پٹے تو موچی ساتھ ساتھ تھا، سواری سے اتر کر اس کے پاس گئے، ادب پوچھا کہ کیا ہم نے تم کو ضائع کر دیا؟ بولائیں اپنے ہماری حفاظت کی ادنیٰ ہمسائیگی کا یا فادہ کھا، اس کے بعد میں نے شہر بخاری کو توبہ کی، اور دوبارہ شراب نہیں پی لے

امام شعبی (المتوفی ۱۵۰ھ) اپنے غلاموں اور رشتہ داروں کے ساتھ منہایت عمدہ سلوک کرتے تھے، ان کا بیان ہوا کہ اگر امیر کوئی قریبی عزیز مقرر ہو جاتا تھا، تو میں اس کا قرض ادا کرتا تھا، اور میں نے اپنے کسی غلام کو کو کبھی نہیں مارا،

امام حسن بن زیاد (المتوفی ۲۰۴ھ) منہایت متبع سنت تھے، چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ

غلاموں کو دہی کپڑا پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اس لئے وہ اپنے غلاموں کو بھی دہی کپڑا پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے۔

مولیٰ شمس الدین محمد بن حمزہ نقاری (المتوفی ۸۳۲ھ) نہایت دولت مند عالم تھے، ان کے پاس بہت سے لوندی غلام تھے جن کو نہایت عمدہ کپڑے پہناتے تھے، لیکن خود معمولی درجہ کا کپڑا پہنتے تھے۔

۱۔ انجوامہ الفضل جلد اول ص ۱۹۳۔ ۲۔ تذکرۃ النعمانیہ بر حاشیہ بن خلدون جلد اول ص ۷۷۔

## تاریخ اخلاق اسلام

اس بین اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف جہتوں سے نقد و تبصرہ ہے،  
مفسر مولانا عبد السلام ندوی ضخامت ۲۷۶ صفحے، قیمت :- ۱۳ روپے

## سیرت عمر بن عبد العزیز

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،  
از مولانا عبد السلام ندوی، ضخامت ۲۱۲ صفحے،

## لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، ضخامت :- ۲۵۷ صفحے، قیمت :- ۱۰ روپے

فیہم

## سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف

ان

جناب مولوی مسعود حسن چٹائسی ایم۔ اے، کلکتہ

مولانا نور الدین عبدالرحمن جامی (۹۸۰ - ۸۱۷ھ) کی بعض شنیویوں اور خاص طور پر ان کی سلسلۃ الذہب

کے متعلق یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب تصنیف ہوئی، دولت شاہ تحفہ نسائی آتشکدہ آذر،

مجالس النفائس، مجمع الفصحاء اور دوسرے تذکرے اس ذکر سے خالی ہیں، خود شنیوی مذکور میں ایک جگہ

تاریخ تصنیف ضرور درج ہے، مگر وہ مبہم اور غیر واضح ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ کتاب کے ایک

خاص حصے کی تاریخ قرار دی جاسکتی ہے، دوسری طرف کتاب کے قلمی نسخوں سے خواہ وہ مولانا کے ہاتھ

کے لکھے ہوئے ہوں، یا دوسروں کے ہاتھ کے جو شہادتیں ملتی ہیں، وہ اس سلسلے میں اطمینان بخش فیصلہ

کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہیں، بہر حال اب تک جن ذرائع سے اس مسئلہ پر تھوڑی یا بہت روشنی پڑی ہے

ہے، وہ یہ ہیں :-

(۱) مولانا کا ایک شعر جس سے تاریخ تصنیف نکلتی ہے،

(۲) لینن گراڈ کا قلمی نسخہ (دوسرا مخطوطہ نمبر ۸۰)

(۳) پٹنہ لاہوری کا قلمی نسخہ (مخطوطہ نمبر ۱۸۵)

سلسلۃ آتشکدہ میں صرف اس قدر ہے کہ دیوان غزلیات و رباعیات تمام کڑ بہفت شنیوی بسک نظم درآوردہ

مشہور بسیدہ الحق، طبع بمبئی ص ۷۳،

(۴) اندیانا نس کا قلمی نسخہ (ایتھے مخطوط نمبر ۱۳۱۲)

(۱) شعر | سلسلۃ الذہب دفتر دوم کے خاتمہ پر آخری چند شعرون میں مولانا نے یہ مہدیت پیش کی، ہر کہ وہ زمانہ کی سر دھریوں کی بنا پر اس دفتر کو دفتر اول کی طرح طول نہ دیکے اور پھر ادبھون نے ایک شعر میں ابجد کے قاعدے سے تاریخ تصنیف بتائی ہے، جو سلسلہ ہے، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر دکن پر و فیر براؤن پر و فیر محفوظ لکھی، مولوی عبدالمقصد اور دیگر مستشرقین اور محققین نے شہادی کی تاریخ تصنیف ۱۵۵۷ھ قرار دی ہے،

مولیٰ بنا فرماتے ہیں :-

بود در دل چنان کہ این دفتر	بنو د از نصف اولین کتر
لیک خامہ ز جنبش بیوست	چون بدین جارسید سر شکست
چرخ اگر باز بگذر دستیز	سازدم کو لک عزیمت تیز
دہم از سر تراش آن خامہ	برسانم بقطع این نامہ
ورنہ آزا کہ خاطر صافست	این قدر ہم کہ گفتہ شد کافیست
داشت جہمی و بیر چرخ برین	در رقم کردن حروف سین
چون روش بصاد و ضا در سید	خامہ را حکم ایستاد رسید

۱۵۰۷ھ فرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ، ۱۵۰۷ھ تاریخ ادبیات ایران جلد سوم ص ۱۶، ۱۵۰۷ھ اسلامک پبلیکیشنز، ۱۵۰۷ھ فرست مخطوطات عربی و فارسی، پٹنہ لاہوری، جلد دوم ص ۳۱، ۱۵۰۷ھ مولانا کے بیان اس طرح کی تاریخ گوئی کی اور نمایاں میں ملی ہیں، افاغہ المصباح کی تاریخ تصنیف مخطوطات اندگو ہر سال نظم این عقد در در بروے صحت نہاد یکمانہ گز

(ص ۷۰، ۷۱)



ہم برین حرفت این نجستہ کلام ختم شد والسلام والا کرام

(۲) لین گراڈ کا نسخہ | مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخوں میں لین گراڈ کا نسخہ اس کا سب سے بہت قیمتی ہے کہ اس میں سلسلۃ الذہب کے تینوں دفتر موجود ہیں اس سے پہلے وہ ساتوں فتویاں ہیں جو ہفت اورنگ کے نام سے مشہور ہیں، اور ان میں سب سے پہلے سلسلۃ الذہب کو جگہ دی گئی ہے، اس کے بعد وہ تینوں دیوان ہیں جو فاتحہ الشہاب واسطۃ العقداور خاتمۃ الخلوۃ کہلاتے ہیں، اس نسخے میں دفتر دوم کے خاتمہ پر مندرجہ ذیل تحریر ثبت ہے، جس سے نصرت یقینی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نسخہ مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، بلکہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف پر بھی روشنی پڑتی ہے،

لا شکر الا کتاب ناظمہ وھو الفقیر عبد الرحمن الجامعی عفی عنہ فی الحاوی

عشر من ذی الحجۃ ۱۰۸۵ھ

(۳) پٹنہ لاہوری کا نسخہ | پٹنہ لاہوری کا یہ نسخہ لین گراڈ کے نسخے کی طرح مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس میں پہلے دفتر کے علاوہ جامی کی وہ غزلیں بھی ملتی ہیں، جو انھوں نے پچاس سال کی عمر میں سلطان ابوسعید (المتوفی ۸۳۵ھ) کے لئے لکھی تھیں، اور جن کو بعد میں یعنی ۸۸۵ھ میں انھوں نے اپنے پہلے دیوان فاتحہ الشہاب میں شامل کر لیا تھا، اس نسخہ پر گو سال کتابت درج نہیں ہے، مگر سرورق پر مولانا کی مندرجہ ذیل تحریر ہے جس میں انھوں نے اپنے بھیلے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت قلعہ بند کی ہے، جو ۹۰۸ھ شوال ۸۸۵ھ کو پیدا ہوئے تھے :-

”دولت فرزدار جہند ضیا الدین یوسف ابنت اللہ تعالیٰ بنا احسن فی نصف الاخرین

۱۵ فہرست خطوط نادری سینٹ پیٹرس برگ ص ۵۹، ۶۰، ۶۱ اس نسخہ میں فتویوں کے خاتمہ پر ایک عبارت قد فی من ذی الحجۃ ۱۰۸۵ھ پائی جاتی ہے، جسے عام طور پر نسخہ کا سنہ کتابت سمجھا جاتا ہے، مگر خاکسار کی ناچیز رائے میں یہ فتویٰ خود نامہ مکملہ کی تاریخ تصنیف ہے،

لیلۃ الاربعاء، التاسع من شهر شوال سنۃ ثمانین و ثمان مائۃ و الکاتب ابو الفیض عبد الرحمن

ابن احمد الجلیلی

اس عبارت کے علاوہ اسی صفحہ پر مولانا سری، مولانا نظام الدین بن مولانا شمس الدین خوانی اور مولانا صمدی کے چند اشعار بھی لکھے ہوئے ملتے ہیں جن سے صاحبزادے کی پیدائش کی تاریخ نکلتی ہوگی۔ یہ سب تحریریں بلاشبہ مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، کیونکہ اصل کتاب کی تحریریں اور ان میں بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ مولانا کے ہم عصر مولانا فخر الدین علی بن بحین الواغظی (المتوفی ۹۳۹ھ) مصنف رشتحات عین البخلۃ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تحریر ان کی نظر سے گزر چکی ہے، اور وہ بھی اسے مولانا جامی کی تحریر سمجھتے ہیں۔

۴۔ انڈیا انس کانٹہ | پٹنہ لائبریری کے نسخے کی طرح اس پر بھی تاریخ کتابت درج نہیں ہے اگر پہلے اور دوسرے دفتر کے اختتام پر دو عبارتیں ملتی ہیں، جو ایک ہی شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہیں، اور چونکہ یہ اصل کتاب کی تحریر سے نہیں ملتی، اور دوسرے ان کے لئے جگہ بھی نہیں چھوڑی گئی ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے، کہ غالباً بعد میں بڑھا دی گئی ہیں، پہلے دفتر کے آخر میں یہ عبارت

۱۰ فرست مخطوطات عربی و فارسی پٹنہ لائبریری جلد دوم ص ۷۱ - ۷۲ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین آئر لینڈ کی تازہ اشاعت (۱۹۳۵ء جز سوم و چارم) سے یہ اطلاع ملی کہ رشتحات کا پتہ میں چھپ گئی ہے، مگر اب تک میری نظر سے نہیں گذری ہے میں نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے تین قلمی نسخوں ذمہ پی ۲۵۲ پی ۱۷۵۳ پی ۲۵۴ سے استفادہ کیا ہے، ان میں پہلا نسخہ جس پر سنہ کتابت ۱۹۹۵ھ درج ہے سب سے قدیم ہے، اس لئے اس مقالہ میں حوالہ اسی سے دیئے گئے ہیں۔ ۱۰ رشتحات قلمی نسخہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ورق ۱۱۱۱ نیز ملاحظہ فرمائے، پر دیکھئے غنائی کا مقالہ جامی اور ان کے ہاتھ لکھے ہوئے نسخے جو اسلامک کلچر حیدرآباد دکن میں ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا تھا، موصوف نے اس مقالہ کے ساتھ مولانا کی ان تحریروں کا فوٹو گراں بھی شائع کیا تھا

”چون سابقا اشارت بتاریخ نظم ابن دفر شد و بود اینجا تاریخ نوشته شد،

پیشتر زین ہشتقد و ہشتاد بد عایش رسول دست کناد

دوسرے دفتر کے آخرین یہ تحریر ہے :-

”از ہجرت نبوت ہشتقد و نو دسال بود کہ این دفتر ختم شد“

دفتر دوم کی تاریخ | ان چار شہادتوں کو سامنے رکھ کر صرف اس قدر دونوں کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف ۹۱۳ھ ہے، اور دفتر اول اس سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا، گو تاریخ کی تعیین مشکل ہے، ۹۱۳ھ کو دفتر اول کا سال تصنیف تصور کرنا بالکل متبعہ معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک طرف پندرہ لائبریری کے نسخے پر مولانا کی ۹۱۳ھ کی تحریر مشابہت کرتی ہے، کہ دفتر اول ۹۱۳ھ میں موجود تھا، دوسری طرف اندایا آفس کے دفتر اول پر جو تحریر ہے، اس کے سنہ کو تاریخ تصنیف تسلیم کیا جائے، یا تاریخ کتابت دونوں صورتوں میں یہ ماننا پڑے گا، کہ دفتر اول ۹۱۳ھ میں یا اس سے پہلے تمام ہو چکا تھا، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر اچھے نے فرست مخطوطات فارسی بوڈلین لائبریری میں اکثر مشرقین اور اہل علم کے خلاف سلسلہ الذہب کی تاریخ تصنیف ۹۱۳ھ سنہ لکھی ہے، ۹۱۳ھ کو دفتر دوم کے علاوہ دفتر اول کی تاریخ قرار دینے میں سب سے بڑی وقت مولانا کے سفر حج کے اس واقعہ سے پیدا ہوتی ہے، جو انھیں بغداد میں پیش آیا، مولانا کا یہ سفر بالاتفاق ۹۱۳ھ میں ہوا، اور مولانا کا شفی نے رشتہات میں جو ۹۱۳ھ میں یعنی مولانا جامی کی وفات کے کل دس سال

۱۱ فرست مخطوطات فارسی اندایا آفس لائبریری جلد اول کالم ۵۶ مطبوعہ ۱۹۵۳ء نیز مقالہ جامی کے سلسلہ

الذہب کی تاریخ ”ڈسٹر ڈیبرٹن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی، گریٹ بریٹین و آئرلینڈ، ۱۹۳۵ء“

سوم و چہارم ص ۱۶۶ ۱۱ جلد دوم کالم ۱۵۶۹ مطبوعہ ۱۹۳۰ء

۱۱ ڈسٹر ڈیبرٹن نے رشتہات کی تاریخ تصنیف ۱۱۱۱ھ بتائی ہے، اور اس حساب سے یہ مدت بیس سال

بعد لکھی گئی، یہ تصریح کی ہے، کہ جامی کے جو اشعار ان پر حضرت علیؑ کی توہین کا الزام قائم کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے، وہ سلسلۃ الذہب کے دفراول سے لئے گئے تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ دفراول اس واقعہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا،

اب اس سلسلہ کی ایک اور شہادت سامنے رکھئے،

مسٹر دبرٹن کا نسخہ | سلسلۃ الذہب دفراول کے ایک خطی نسخے میں جو پہلے ایڈورڈ ہرن ایملن کی ملک تھا، اور اب مشہور روسی مستشرق پروفیسر منووسکی کے شاگرد مسٹر ڈی ایملن اور دبرٹن کے پاس محفوظ ہے، کتاب کے خانے پر مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک عبارت پائی جاتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دفراول کیم ذی قعدہ ۸۵۷ھ کو مکمل ہوا عبارت کی نقل یہ ہے :-

”فروغ الناطم عفا اللہ عنہ من نظر هذه الکتاب بعد صلوة یوم  
الجمعة غر لا ذی الفعل لا سنة ست وسبعین وثمانائة تمام شد کتا پر  
ششم ذی الحجہ اربع وثمانین وثمانائة“

دفراول کی تاریخ | مسٹر دبرٹن کے نسخہ پر جو عبارت درج ہے اس کی پیروی کرتے ہوئے اگر دفراول کی تاریخ تصنیف ۸۵۷ھ مان لی جائے، تو ایک طرف کسی اہم دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، اور دوسری طرف متعدد شہادتوں کی تائید ہو جاتی ہے، سلطان حسین بن بیکرا کی طرف

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱) قرار دی ہے، (جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی آگریٹ برٹین ڈائریکٹریٹ ۱۸۵۵ء جز سوم و چہارم ص ۶۶، حالانکہ یہ غلط ہے، رشتات ۱۸۵۵ء میں لکھی گئی، (براؤن، تاریخ ادبیات ایران جلد سوم ص ۴۴۴) خود رشتات سے یہی تاریخ نکلتی ہے ۱۰۰۰ ورق، اب،

۱۰۰۰ جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی آگریٹ برٹین ڈائریکٹریٹ ۱۸۵۵ء، جز سوم و چہارم ص ۶۸-۶۹، مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر دبرٹن، فیاض مقالہ نگار نے اس اہم عبارت کا عکس بھی اس مقالہ کے ساتھ شائع کیا ہے،

دفتر اول کا انتساب جیسا کہ تذکرہ میں بیان کیا جاتا ہے، بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا عہد حکومت ۱۰۲۵ھ سے ہو کر ۱۱۹۵ھ میں ختم ہوتا ہے، انڈیا آفس کے دفتر اول پرستشہ کی تاریخ بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہے لیکن اولاً تو اس عبارت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا ہے، اور پھر یہ نہیں چلتا کہ اس کا لکھنے والا کون ہے، اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ سال کتابت قرار دی جاسکتی ہو ضرورت ایک بات ذرا بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے، اور وہ دفتر اول اور دفتر ثانی کی تکمیل کے درمیان ۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے، افسوس ہے کہ ۱۱۹۵ھ اور ۱۰۲۵ھ کے درمیان مولانا کی زندگی کے تفصیلی حالات تذکرہ میں نہیں ملتے، مگر اس قدر مسلم ہے کہ وہ ۱۶ ربیع الاول ۱۰۲۵ھ کو یعنی دفتر اول کے انجام پانے کے صرف ۱۴ ماہ بعد حج کے لئے روانہ ہوئے، اور ۱۸ شعبان ۱۰۲۵ھ کو اپنے وطن ہرات واپس آئے، اس لئے قرینہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں سلسلۃ الذہب کا کام ضرور موقوف رہا ہو گا، پھر مولانا کی تصانیف کی تاریخوں پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ انھوں نے ۱۴ سال کی اس مدت میں سلسلۃ الذہب کے علاوہ ایک درجن کتابیں جن میں ہفت اورنگ کی اور شندیان بھی شامل ہیں لکھیں، اس لئے کیا عجب ہے کہ دفتر اول کی تکمیل کے بعد وہ دوسری کتابوں کی طرف متوجہ ہو اور دفتر ثانی کی ترتیب ایک عرصہ تک معروض التوا میں رہی،

۱۵ رشحات میں ایک ورق ۱۰۳ اب ۱۵۰ میں یہ نہیں کتابت تصنیف و تالیف کا کام یک قلم موقوف رہا، کیونکہ مناسک حج کے متعلق یہ تہذیب موجود ہے، کہ مولانا نے اسے اسی سفر میں لکھا (فہرست کتب خانہ بانگی پور جلد دوم ص ۵۶) میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سفر کی حالت میں سلسلۃ الذہب یا اس طرح کے اور کام جچان ضروری نہ تھے، قرن قیاس میں معلوم ہوتے ہیں ان کتابوں کے نام اور تاریخائے تصنیف یہ ہیں، مناسک حج (۱۰۲۵ھ) نفحات الابن (۱۰۲۵ھ) سلامان و اقبال (۱۰۲۵ھ) فاتحۃ الشباب (۱۰۲۵ھ) شواہد البتہ (۱۰۲۵ھ) اشعۃ المعانی (۱۰۲۵ھ) تحفۃ الاحرار (۱۰۲۵ھ) ترجمہ ربیعین حدیث (۱۰۲۵ھ) سجدۃ الابرار (۱۰۲۵ھ)

تائیدی شہادتوں میں سب سے اہم سفر حج کا واقعہ ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، ششمین دفتر اول کے اشعار کا الزام کے طور پر پیش کیا جانا، اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی تاریخ تصنیف اس تاریخ سے پہلے مانی جائے، دوسری سند جو اپنی جگہ پر مدد دے گا اہم ہے، وہ ثنوں کی ترتیب جو خود مولانا کی قائم کی ہوئی ہے، اور جس میں سلسلہ الذہب کو پہلے جگہ دی گئی، ترقی یافتہ اور نگہ کا ذکر جس جگہ بھی آتا ہو اور اس کے مجموعے جس قدر بھی ملتے ہیں، ان میں یہ ترتیب بدلنے نہیں پاتی ہے، اگرچہ مولانا نے کسی جگہ یہ ظاہر نہیں کیا ہے، کہ انھوں نے ان ثنویوں کو کن اصول پر مرتب کیا ہے، لیکن ان کی ترتیب اور ان کی تاریخ سب سے تصنیف پر غور کیا جائے، تو ماننا پڑے گا کہ یہ تہذیب و اخلاص و تاریخ تصنیف کے لحاظ سے ملاحظہ فرمائے،

(سال تصنیف)

(ثنوی)

؟

۱۔ سلسلہ الذہب

۸۸۳ھ

۲۔ سلیمان و ابسال

۸۸۶ھ

۳۔ تختہ الاحرار

(بقیہ جانشین ص ۴۴) یوسف زلیخا (۸۸۸ھ) یحییٰ مجنون (۸۸۹ھ) خرد نامہ سکندری (۸۹۰ھ) یہاں یہ کہنا مناسب نہ ہو گا کہ مولانا جامی کی متعدد تصانیف کے متعلق اب تک یہ تحقیق نہیں ہو سکی ہے، کہ وہ کب لکھی گئیں، اس لیے کیا عجیب ہے کہ مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی اس مدت میں لکھی گئی ہوں، اسے ملاحظہ فرمائیے ہفت اورنگ کا دیباچہ (فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۱۰۸-۱۱۶) نیز ص ۱۱۷ آتشکدہ کا بیان و سامی کتب سبعہ میں موجود است، سلسلہ الذہب، سلیمان و ابسال، تختہ الاحرار، سحر الابرار، یوسف زلیخا، یحییٰ مجنون، خرد نامہ سکندری، ص ۳۱۷، ۳۱۸،

۱۱۵۰ اب تک مجھے صرف ایک نسخہ کا پتہ چل سکا ہے جس میں ثنویوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے، اور وہ برٹش میوزیم میں ہے، فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص ۴۵-۴۴، ۴۶

۱۸۸۰ء

(۴) سبوح الابرار

۱۸۸۸ء

(۵) یوسف زلیخا

۱۸۸۹ء

(۶) لیلی مجنون

۱۸۸۹ء

(۷) خود نامہ سکندری

اس فہرست میں دوسری ثمنوی سلمان و اسال ہے، جو ۱۸۸۸ء میں لکھی گئی، اس نے فارم اصول کے مطابق سلسلۃ الذہب صرف اسی صورت میں اپنی جگہ حاصل کر سکتی ہے کہ کم از کم اس کا کچھ حصہ اس تاریخ سے پہلے لکھا جاسکا ہو، پٹنہ لائبریری کے دفتر اول کے ساتھ ان اشعار کا پایا جانا جو ۱۸۸۸ء میں لکھے گئے تھے، مزید تاخیر کا باعث ہے، کم ذی تعدہ ۱۸۸۸ء مطابق ۱۱ اپریل ۱۳۰۷ء کو پروفیسر منور سکی کی تحقیق کے رد سے واقعی جو کا دن تھا، اس نے تاریخ اور دن کی عدم مطابقت کا عذر پیش کر کے بھی اس کی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے،

دوسرے ذمہ دار کی تاریخ تصنیف ہی دراصل ثمنوی کی تاریخ تصنیف ہے، مگر فرسوا ہے کہ پانچ ماہ کی مسلسل چھان بین کے باوجود مجھے اب تک کوئی چیز ایسی نہیں مل سکی ہے جس سے اس

سلسلہ تعجب ہے کہ سبوح الابرار کی تاریخ تصنیف اکثر کتابوں میں مبینہ ملتی حالانکہ خود ثمنوی میں اس کا ذکر موجود ہے، مولانا ثمنوی کے خاتمہ پر اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے چند نصیحتیں لکھی ہیں، اور تصریح کی ہے کہ اس وقت صاحبزادے کی عمر پانچ سال تھی،

سال تو بیس و دین و دیہ سپنج از دو پنجاہ فردون باد این ہنچ

صاحبزادے کا سنہ ولادت ۱۸۸۸ء ہے، اس حساب سے سبوح الابرار ۱۸۸۸ء میں ختم ہوئی،

۱۸۸۸ء فہرست خطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۲۵۰ اور تاریخین، براؤن کی تاریخ ادبیات ایران، اور فہرست کتب خانہ بانکی پور سے لی گئی ہیں ۳۵ جنرل رائل انیشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۱۱،

دفتر کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جاسکے، اوپر کی شہادتیں اس مسئلہ میں ہماری شکل کشائی کرنے سے بالکل قاصر ہیں، دوسری طرف جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں، سلسلۃ الذہب کا کوئی نسخہ جس میں دفتر رسوم بھی موجود ہو، ۱۹۰۶ء سے پہلے کا نہیں ملتا ہے، البتہ رقعات جانی میں مولانا کا ایک خط سلطان روم بایزید ثانی (۱۳۸۵ھ - ۱۳۹۵ھ) کے نام موجود ہے، جس کی طرف یہ فرمنوس ہے، اور جس کا تذکرہ دفتر کی ابتدا اور خاتمہ دونوں جگہوں میں درج ہے، یہ مختصر تحریر مفت اورنگ کے ایک نسخے کی پشت پر لکھی ہوئی پائی گئی تھی، جسے مولانا نے سلطان مذکور کے پاس تحفہ بھیجا تھا، ہر چند اس میں یہ تصریح موجود نہیں ہے، کہ اس نسخہ میں سلسلۃ الذہب کے تینوں دفتر تھے، مگر چونکہ مولانا نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، اس لئے قرینہ ہے کہ تنویان سب کی سب مکمل تھیں، مگر افسوس ہے کہ اس خط پر جو تاریخ درج ہے، یعنی جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ وہ بہت بعد کی ہے، اس لئے اس سے بھی کوئی مدد نہیں ملتی ہے، ایک آخری شہادت جو اس سلسلہ میں پیش کی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمۃ الحیوۃ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے مولانا کی آخری تصنیف ہے، اور یہ ۱۳۹۶ھ میں مرتب ہوئی، اس لئے دفتر رسوم ۱۳۹۵ھ اور ۱۳۹۶ھ کے درمیان تصنیف ہوا ہوگا، مگر سلسلۃ الذہب جیسی تنوی کا اس قدر اخیر زندگی میں انجام پانا، اور دفتر دوم اور رسوم کے درمیان کئی سال کا وقفہ تا وقتیکہ کوئی قطعی شہادت تائید میں نہ مل جائے، قابل قبول نہیں معلوم ہوتا، نتیجہ ہے کہ ایک طرف شہادتوں کا یہ عالم ہے، کہ کوئی شہادت دفتر رسوم کا جو ۱۳۹۶ھ یا ۱۳۹۵ھ سے پہلے ثابت نہیں کرتی ہے، اور دوسری طرف ہمارے محققین ۱۳۹۵ھ کو بالاتفاق

---

۱۔ دفتر رسوم کے سب سے قدیم نسخے برٹش میوزیم، دفترت مخطوطات فارسی ص ۱۸۹، نمبر ۲۸۹ اور بانکی پور لائبریری (دفترت مخطوطات فارسی و عربی ص ۶۴، نمبر ۱۸۲) میں ہیں، برٹش میوزیم کے نسخہ کا سنہ کتابت ربیع الاول ۱۳۹۵ھ، جمادی الاول ۱۳۹۵ھ ہے، اور بانکی پور کا ۱۳۹۵ھ ۱۳۹۵ھ رقعات جانی مطبع قدوسی کلکتہ ۱۳۹۵ھ ص ۱۴۹، ایضاً قلمی نسخہ، کتب خانہ مدرسہ عالیہ کلکتہ نمبر ۲۶ ص ۸۴، غارو،



سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف قرار دیتے ہیں،

خاتمہ | آخرین قارئین کرام سے اس قدر گزارش کروینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مندرجہ بالا سطور میں نقلی اور عقلی دلیلوں سے استناد کر کے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف کے متعلق آخری قطعی اور ناقابل ترمیم فیصلہ نہیں ہے، سچ پوچھئے تو اقم احدون خود اس فیصلے سے مطمئن نہیں ہے، خصوصاً دفتر سوم کے سلسلے میں اس کی تحقیق بالکل نامکافی اور مزید تلاش و جستجو کی محتاج ہے، مگر اب تک اس سلسلے میں جو ذرائع معلومات دستیاب ہوئے ہیں، ان کی روشنی میں او جاتی کی زندگی کے بعض دوسرے واقعات کو سامنے رکھ کر پہلے دو دفتروں کی تصنیف کی دہی تاریخین متعین کی جاسکتی ہیں، جو اوپر بیان کی گئیں اور تیسرے دفتر یا یوں کہئے کہ پوری ثنوی کی تاریخ تصنیف جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، بالکل مشتبہ اور غیر متعین رہ جاتی ہے،

ضمیمہ | اقم احدون اس مقالہ کی آخری سطور پر نظر ثانی کر رہا تھا کہ جاتی پر ایک نئی کتاب جو دو ڈھائی سال ہوئے ایران سے شائع ہوئی تھی، پہلی مرتبہ اس کی نگاہ سے گذری، یہ جاتی کے حالات زندگی اور ادون کی شاعری پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے، اور کم و بیش ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، پروفیسر علی اصغر حکمت جنھوں نے گذشتہ سال میر علی شیر نوائی کی مجالس النفاس کا فارسی ترجمہ بڑے اہتمام سے ایڈٹ کیا، اس کے مصنف ہیں، انھوں نے اس کتاب میں سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف سے بھی بحث کی ہے،

مگر انیسویں صدی کے دفتر سوم کی تاریخ تصنیف کے متعلق وہ بھی یہ کہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں، کہ

”تاریخ انجام دین ثنوی تہترخ نشدہ دے ازا بجا کہ دفتر دوم را در ۹۰۰ بیان

رساندہ بقاعدہ می بایست نظم این دفتر بعد از تاریخ مذکورہ بیان آمدہ باشد۔“

# سرمد اور اس کی باعیاں

از

مولوی مجیب الدین صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

(۳)

شرابِ معرفت | اہلِ ہوس کے نزدیک شرابِ وساقی، جامِ وسو، شیشہ و صراحی و بادہ نوشی وغیرہ کا مجموعہ ہے، اور اس سے زندگی و ہوسناکی کے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں، تصوف کی اصطلاح میں اس کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے، اہلِ ہوس کے نزدیک پیر منان یا ساقی بادہ فروش اور شراب پلاوا کو کہتے ہیں، مگر تصوف کی زبان میں اس سے مراد عرشہ کامل ہے، ہمارے نزدیک جامِ ایک ماویٰ شے کا نام ہے، مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفہ روحانی ہے، جس میں نورانی کا طور ہوتا ہے۔

اسی طریقہ سے شراب اور اس کے لوازم مثلاً میکہ، جام، سبو، صراحی، شیشہ، ورد، اصناف وغیرہ کی صوفیانہ تعبیریں بالکل مختلف ہیں، اہلِ دل کی شراب بھٹی والی شرابِ بین، بلکہ وہ مطلوبِ حقیقی کا بادہِ عجب ہے، اسی مناسبت سے اس کے دوسرے لوازم بھی عرفان و محبت کے مختلف درج ہیں،

حافظ کی طرح سرمد نے بھی محبتِ الہی کو شراب اور اس کی کیفیات اور واردات کو اس کے لوازم سے تعبیر کیا ہے، اب اس کی مختلف مثالیں ملاحظہ ہوں،

از آتشِ عشق اور ستیاں ٹیگ بجوش	زاہد بہ نصیحت تو بسیار مکوش
از بادہ کیست درجوش و درخوش	ہشام رشو بہین کہ خفا نہ رول

اسرار سے دجام بکس دشمنیت      این را ز بہر مردہ دے گفت نیست

زاہد بچہ کہ از خدای بگری      سر رشته این بدست ہر کو نیست

جز بادہ شوق و دست عشرت نبود      بے درد گئے نش و حدت نبود

میخانہ عالم کہ پر از درد و سرست      غالی ز خمار و رنج و محنت نبود

ہر کس بخالی او ہم آغوش بود      دیوانہ نماید ہمہ سر ہوش بود

کیفیت این نشہ کس ظاہر نیست      این بادہ نمان ہمیشہ در چشم بود

زاہد تو بخور بادہ کہ بسیار کوست      از خرقہ کشی خمار صد فتنہ و دست

بے شبہ حلال است گوئی تو حرام      کیفیت این ہر کہ بیاید ہمہ دست

ہر کس کز نے تو بکند نادانست      انسان تو ان گفت بگو حیوانست

این سلسلہ جناب غم جانانست      ہم آتش افسردہ ولی دامنست

تصوف کے تمام اہم مقامات سے، مثلاً مشاہدہ فکر، حیرت، بظاہر، انوار، انوار، جہد، توکل وغیرہ

سب سرمد کی رباعیوں میں موجود ہیں، ان کے علاوہ قرآن و حدیث کے مفہوم کو بھی بکثرت اپنی رباعیوں میں ادا کیا ہے اور اس طرز کو بالکل نئی بات معلوم ہونے لگتی ہے،

چند مثالیں ملاحظہ ہوں :-

کُلُّ بَشَرٍ مِّثْلُ نَضْدٍ مِّنْ شَانِ |

کہ دی تو علم بدل رہا نی خود را      ہم در فن و مہر و آشنائی خود را

این دیدہ کہ مبتلاست تماشائی      ہر لحظہ بعد رنگ تماشائی خود را

تہنہ زمین جان و دل ایمانی      انجا کہ تو ہر لحظہ بچدین آنی

بیرون ز تصور و خیالت ویدم      آن چیز کہ در فہم نیاید آنی

مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ

شد بر تن من غرق گنہ ہر سر مو      از من ہمہ زشتی ست و نیکی ز تو

الست بریکبر؟ قالوا بلی!

از بہر خدا بہ یاد، دل شاو بکن      ہر وعدہ کہ کردہ ہمہ یاد بکن

انصاف عزیز است فراموش مکن      از دام ہمہ بخویش آزاد بکن

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

إِنَّ مَّا تَكُونُوا فِي دِكْرِ الْمَوْتِ

جگہ عزیزان ہمہ در خاک شدند      در صید گہ فنا بفتر آک شدند

آخر ہمہ را خاک نشین باید شد      گیرم! بر نفعت ہمہ افلاک شدند

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ جَبَلِ الْوَدِيدِ

یارے بگزین کہ یو فانی نہ کند      دل خستہ ترا در آشنائی نہ کند

پیوستہ در آغوش کنارت گردو      ہرگز نہ تو یک گام جدائی نکند

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا

مَسْبُوقَتْ رَحْمَتِي عَلَى غَضَبِي

عمر یکہ شد ست مرت در لہو لب      بے پرسش اگر عفو کند بت عجب

کے زشتی افعال در آرد بظلم      آزا کہ کرم بود و فزون تر ز غضب

از معصیت ہمیش بود فضل ترا      ہر خطہ بخود حساب دارم ہمہ جا

ہر چہ کہ ستر با قدم عصیانم      از بخشش تو نیست فزون جرم

الایمان بین الرجاء والخوف

ہر چند کہ از جرم فزون احسان آست      دل در غم و اندیشہ این حیران آست

اما چہ بود مال کارے کہ نشد      در خوف و رجا دیدہ نگران آست

ہر چند کہ عصیان مرا می داند      بر خوانِ کرم ہر نفسی می خواند

در خوف و رجا بے تامل کردم      بیش از ہمہ مائل بکرم می ماند

اَلْهَمُّوْا لِنَفْسِكُمْ | دوسروں کے نہیں بلکہ اپنے عیب و منہر بیشِ نظر رکھنا چاہئے،

ہر گاہ بہ بینی ز کسے عیب و منہر      عیب و منہر خویش در آرد بہ نظر

این ست ہنر بہتر ازین نیست گر      خود را بنگر عیب مردم منسگر

اِنَاعِنْدَ الْعِکْسِ رَآءُ قُلُوْبِهِمْ | میں خستہ دلوں کے پاس ہوں، (حدیث قدسی)

ہر چند کہ کم لطف و دل آزار توئی      بیش از ہمہ غمخوار و فادار توئی

در عالم امتحان چو گشتم دیدم      ہر جا کہ بود خستہ دے یار توئی

دنیا کی بے ثباتی | دنیا کی بے ثباتی، ناپائیداری، اور اس کے آرام و آسائش کی بے بقاعدگی اور یہ کہ انسان کو

دنیا سے کتنا تعلق رکھنا چاہئے، اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے میں کیسا نقصانات ہیں، ان تمام چیزوں کو

سرمدا نے نہایت ہی موثر انداز میں بیان کیا ہے،

دنبہ بگی اگر بہ کام تو بود      دین سکے ہر وہ منہ نام تو بود

آخ ز جہان بے بقا بایدرفت      گر قیصر و فخر و غلام تو بود

بر دے زمین اگر بانی دوسرے      میناے فلک گر دہت ساغر جم

ز نہار کن قبول دل خوش ببری      بسا رخسار دار دین نشہ کم

پابند مشو بہ رنج و نب گفتم      و شا دکن بکوہ و صحر گفتم

عالم ہمہ پابند سراسبت بہن      اے جوشِ حباب و موج دریا گفتم

باید نہ کشتی ز خلق منت، گفتم  
گر صاحبِ فطرتی و بہت گفتم

این ست خیال خام ہرگز نہ کشتی  
بر پردہٴ عنکبوت صورت گفتم

دنیا بہ کسے روسے فراغت نمود  
سود است چنین خیال ہیو وہ چہ سود

امروز چنین ہست سوسے دامن تو  
تما بود چنین بود چنین خواہر بود

سرمد دنیا کے تعلقات و وابستگی، اور اس کی محبت سے اسی وقت منع کرتا ہے، جب دنیا کی محبت  
دین پر غالب آجائے، اور مخلوق کو خالق سے غافل کر دے، مگر اعتدال کے ساتھ تعلقی کی وہ اجازت  
دیتا ہے، اور شرع کا منشا بھی یہی ہے،

ہر کس بخمالِ دوست حاشِ خوب است  
ہم ادل کار و ہم تاشِ خوب است

بسیار مبذول دنیا، گفتم  
ہر چہ کہ بہت اعتدالِ خوب است

اس کے نزدیک اگر صرف دنیا ہی کی زندگی پیشِ نظر ہو، اور مالِ کار کی کوئی فکر نہ ہو، تو اس

اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے،

فارغ ز ہوا و حرص یکدم نشدی  
از فکر مالِ کار و از غم نشدی

ہر گاہِ حرص کہ بہت در فکر و جوہر  
کتر تو ز سگ شدی و آدم نشدی

اہل دنیا کا حال | اہل دنیا کی حالت اور ان کے عیوب پر ایک عام خطاب میں اس طرح توجہ دلائی ہے،

چندان دلِ نادان نعمِ سیم و زرت  
کو وقتِ نماز ہم بفکر و گرفت

در وہم خیالِ ابنِ دآن میشیز است  
از فکر مالِ کار خود بے خبر است

این مردم دنیا کہ گرفتار غم اند  
دیوانہ بے دیدم دہشتار کم اند

از ہر دور و ز غم از شامت نفس  
از حرص دہوا اسیر و بد خواہم اند

مال کی محبت اور پس کی مشغولیت اور بے مروتی،

ابناے زمانہ یکدگر دل تنگ اند بیوستہ بخود چو مختلف آہنگ اند

قانون وفا و مہربداشتہ اند دائم بمقام آشتی در جنگ اند

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند ہر شام و صبح در طلب بیم و در اند

از پیلوے ہم دگر جگریش تر اند ہر چند کہ چون باد صبا در گزند  
برون کی کثرت اور نیکون کی قلت،

این مردم دنیا ہمہ بد خواہم اند یارانِ نیکو کار چہ بسیار کم اند

خوش وقتی دل بہ ہوا ہوس بسیار است آنکہ عزیز اند گرفتار غم اند

انسان عالم صغیر ہے، وہ عالم کی ہر چیز کا آئینہ ہے اسے چاہئے کہ اپنے دریا سے دل کی خواہی کرے

دریاست دولت گرتوشا در بشوی غواص محیط ہفت کشور بشوی

در بحر وجودت موجود ہمہ طوفان کہنی و خواہ لنگر بشوی

ریاکا زادہ دن کی پردہ درمی | کھلے ہوئے عیوب اور برائیوں پر سب کی نظر پڑتی ہے، لیکن وقتی مخفی اُ

سمرتہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی، کھلی ہوئی برائیوں کے شکار زیادہ تر عوام ہوتے ہیں مگر

پیشہ و زراہ دون اور واعظوں کی برائیاں زیادہ تر مخفی ہوتی ہیں، ان برائیوں کی شناخت کے لئے فطرت

کی نکتہ شناسی ضروری ہے،

علامہ ابنِ ام غزالی نے اور شعرا میں خیام و حافظ نے ایسے رباعیوں کی پوری پوری پردہ درمی کی ہے

سرمہ نے بھی اس گروہ کے اسرار و رون پردہ فاش کئے ہیں، اور اگلون کی طرح اسے بھی اس کے

بدترین بہت کچھ سنا پڑا ہے، بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کے قتل کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا،

پیشہ و زراہ دون اور واعظین کا ایک بڑا عیب یہاں ہے، سرمہ کہتا ہے،

زادہ توجہ لذت زریا یا نشہ صد خدائے پشیمینہ بہم تافتہ

از رشتہ تبسج کہ باریک ز دوست محکم رہے برائے خود بافتہ

مطلب یہ ہے کہ زاہد جو تو نے یہ ریائی فرقہ میں رکھا ہے، اور باریک رشتہ کی تبسج لے کر جو سب گردانی میں مصروف ہے، اس میں تجھے کیا لذت مل رہی ہے، یہ پشیمینہ پوشی دینی احساس اور سب گردانی احتیاط کی وجہ سے ہوتی تو یقیناً لذت کی بات ہے، مگر تو نے تو اسے لوگوں کے پھنسانے کا ایک غیر مرنی جال بنایا ہے، ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے،

در کوے مفان موسم گل منزل کن خود راہ در خون بزن غافل کن

این خرقہ پشیمینہ کہ بارت و بال از دوش بنہ فراغتے حاصل کن

این خرقہ پشیمینہ کہ ز تار در دست مکرست دریا، فتنہ، بسیار در دست

بردوش کش دست بکش تانہ نشی این بارندامت کہ صدا زار در دست

اس کو ریا کار زاہد کی ہر بات بُری معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کی نصیحت کا بھی اس پر اثر نہیں ہوتا، اور وہ ان سے کہتا ہے کہ یہ نصیحتیں اس شخص کو کر دو جو تمہارے ریا سے واقف نہ ہو،

آن کیست؟ کہ از ہڈیا نشناسد در مکر و غاضا چو مان شناسد

گفتی مخور بادہ چو من زاہد شو این را بہ کسے گو کہ ترا نشناسد

اکثر علم و ذہد کے مسند نشینوں میں عوام کی عقیدت مندی کی وجہ سے عجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے، وہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے،

سے زاہد خود فروش ہرگز مغرور باید نشوی کہ تا نگردی بنجور

گویند ترا زاہد و ہستی فاسق برعکس نهند نام زنگی کا فور

وہ زاہد ریا کار کو کبھی سمجھاتا ہے، کہ میں جس حال میں ہوں، اس حالت کی تجھے خبر نہیں، اگر تیری نظر میں کوئی بات ٹھنکتی ہے، تو مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے، میں تجھ سے ان السرار کو نہیں کہہ سکتا کہ وہ تجھے



مردہ دل غافل خدا سے کہنے کے نہیں ہیں۔

افت بہ غم یا گرفت است دلم      بردوش گرا نبار گرفت است دلم  
زادہ بہ نصیحت تو بسیار مکوش      در پیش دگر کار گرفت است دلم  
اسرار سے و جام کس و تن نیست      این را زہر مرده دے گفتن نیست

**اخلاق** | سرمد کی رباعیوں میں اخلاقی تعلیمات کا حصہ بھی کافی ہے، مگر زیادہ تر شخصی اخلاق کی تعلیم ہے، اجتماعی اخلاق پر شکل سے دوچار باعیاں مین گئی، اور اس میں سرمد کا کوئی تصور نہیں، شخصی حکومت میں اجتماعی اخلاق و نصائح کی اہمیت ہمیشہ کم رہی ہے، ہندوستان میں حالی داکبر سے پہلے اجتماعی اخلاق کی تعلیم شکل ہی سے کسی شاعر کے کلام میں ملے گی، پھر سرمد ایک صوفی شاعر تھا، اور صوفیہ شخصی اخلاق اور اس کی اصلاح کو اجتماعی اخلاق کے مقابل میں زیادہ ضروری سمجھتے اور اسی پر زور دیتے ہیں، گو اسی شخصی حکومت کے دور میں بھی بعض مجددین ملت، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ، سید احمد بریلویؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایسے گذری ہیں جن کے پس نظر شخصی اخلاق کی اصلاح کے ساتھ اجتماعی اخلاق کی اصلاح بھی رہی ہے، موجودہ دور میں مولانا ابی اسحاق صاحب رحمہ اللہ کی تحریک کا مقصد بھی یہی ہے، مگر یہ رنگ اس صدی سے پہلے اتنا عام نہیں تھا،

بہر حال سرمد کے کلام میں جو اخلاقی رباعیات ملتی ہیں، ان کی جلی سرخیان

حب ذیل ہیں :-

خود بندگی کی	فارغ نہ شدی ز خود پسندی ہرگز	آگ نہ شدی ز سو و مندی ہرگز
برائی	خواہی دو جہان بیک طرف راغب	غیر از طرفے طرت نہ بندی ہرگز
آسودہ دہے خود پسندی مطلب	زین ہمت پست خود بندگی مطلب	
سوداے جہان سودن دار و چندان	نقصان پذیر سود مندی مطلب	
مکبر و تواضع	از دیدہ دل حسن و دو عالم دیدم	میزان شدم و نیک بدش بخیدم

ہر سر کہ گراں بار بود سنگ لست	ہر خستہ سرے بک بود فہیدم
ہر چند غرور دست گاہت اینجا	بر خو و پچیدین غرور جاہت اینجا
در ساز شکستگی حضور دگرست	از سرمہ شدن سنگ نگاہت اینجا
از مال و منال خویش مغرور مشو	در اندیشہ این شراب سرور مشو
در آمد و رفت این تفاوت نبود	دل شاد ازین مباحث در بخور مشو
افسوس کہ غافل تو ز ہستی ہستی	پیوستہ ز صہبہ رعونت ہستی
ہر چند شوی بلند چون شعلہ خسی	از شامت سرکشی در آخر ہستی

### قناعت و استغناء

تا چند در اندیشہ دنیا باشی	آوارہ کویہ و دشت و صحرا باشی
دایمان قناعت است بسیار وسیع	از دست مدہ درین جہاں تا باشی
خواہی کہ رسی بکام تلخی نہ چشی	آسودہ شوی یا ز لذت نہ کنشی
باصبر بہار با قناعت خو کن	از دست ہوا و حرص و کشمکش
اے نفس تنگوار سراپا حسرت	جز شکر ترا نیست ہزاران نعمت
قناعت نہ شد ہی گماہ گشتی خورند	دنیا نہ بود بقدر طول اہملت

### حرص و اذ کی مذمت

آرزو کہ ہوس بیش بود نامکام است	مرغ کہ پئے دانہ رود و دام است
این مال پر از ملال بسیار زبال	ہر چند کم و بیش دور و آرام است
ہر جا کہ گرفتار ہوا و ہوس است	گر سلطنتش دہی نگوید بس است
سر رفتہ زندگی بے کوتاہ است	از طول اہل حذر کہ دام و قفس است

انسان کہ شکم سیری از یک زمان است  
از حرص و ہوا شام و سحر لالان است  
در بحر و جودش بنگر طوفان است  
آخر چو جاب یک نفس همان است

بادام ہوا و حرص تا ہم نفسی  
پابند خودی شام و سحر و نفسی  
آزاد چو سرمد باش در گلشن دہر  
گر سنبل و نستہ بینی تو در خار و خنی

عیب پوشی | ہر گاہ بہ بینی نکے عیب و ہنر  
این است ہنر بہتر ازین نیت و گہ  
عیب و ہنر خویش در آور بنظر  
خود بانگد عیب مردم مہنگہ

عزت نفس | سرمد تو ہیچ خلق یار ہی مطلب  
عزت ذقاعت است و خاری رطل  
از شاخ بر ہنہ سایہ اری مطلب  
باعزت خویش باش خوار ہی مطلب

خود غرضی کی مذمت

ہر کس پیے نام نہ بجان دوست بود  
یک دوست ندیدیم بجان دوست بود  
چون سنگ ز پیے لقمہ بہر در بد نہ  
این ست نشان کہ نام شان دوست بود

حُب جاہ کی مذمت

از بہر چہ حُب جاہ باید کردن  
عمر خود را تباہ باید کردن  
مانند نگین چہ لازم است از پیے نام  
جان کندن و روسیہ باید کردن

اختلاف حال | سرمد کے کلام میں اکثر تناقض نظر آتا ہے، مثلاً کبھی وہ کہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہمارے طرف

نظر کر م نہیں کرتا،

آن شوخ بن نظر دارد چہ کنم  
آہ دل من اثر نہ دارد چہ کنم  
بانگہ ہمیشہ در دلم می ماند  
از حال و لم خبر نہ دارد چہ کنم  
کبھی وہ کہتا ہے کہ

صد شکر کہ دلدارِ زمین خوشنود است  
ہر دم بکرم و ہر نفس در جود است

یارِ بکرم و لطف کشود می بین  
صد رنگ و دم شگفت و شد رنگ چین

لیکن حقیقت میں یہ تناقض نہیں، اختلافِ احوال ہے جس طرح عام انسانوں پر مختلف اوقات میں مختلف بلکہ بعض اوقات متضاد حالتیں طاری ہوتی ہیں، اسی طرح سالک پر بھی قبض و بسط، سک و صحو، خوف و رجاء، وغیرہ کی مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اور ہر حالت میں جو کچھ پیش آتا ہے، اس کی ذبا سے ادا ہو جاتا ہے،

سرد بھی جن جن مقامات سے گزرا ہے، اس کو اس نے ادا کر دیا ہے، اس اختلافِ حال کی نسبت مجازاً زمانہ کی طرف کر کے کہتا ہے،

گمہ منقہ کس گمہ پیرِ مخان  
احوالِ جہان گاہ نہ دیدم کیان

چون نخل گے سبز گے عریا غم  
بے موسم گل، بہار ہنگامِ خزان

اختلافِ حال کی چند رباعیان درج ذیل ہیں،

سرد اگرش و خاست خودی آید  
گر آمدنش رواست خودی آید

بیوہ چہ ادر پے اومی گردی  
بنشین گرا و خد است خودی آید

سرد غم عشق بوالوس را نہ ہند  
سوزِ دل پرواز کس را نہ و ہند

عمرے باید کیا را آید بکس ر  
این دولت سرد ہمہ کس را نہ دہند

شاہ شاہ نیم ز اہد چون تو نیستیم  
شوق و ذوق شور شوم لیکن پریشان نیستیم

بت پرستم کافر م اناہل ایمان نیستیم  
سوے مسجد میروم از اہل ایمان نیستیم

ترد تو حدیث کتبہ و دیر کمن  
در دادی شک چو گر بان بکمن

ہاں شیوہ بندگی ز شیطان آموز  
یک قبہ گزین مسجد و بزم کمن

چیزے کہ گئے بکار نایہ مائیم      آن نخل کزد بار نیا بد مائیم

کر دیم حساب پیش خود سنجیدیم      آن ذرہ ز دشمار نایہ مائیم

اے دوست مرا بعلوم و فطرت ننگ      در ہر دونا دور محبت بنگ

من صاحب معینم و صوت تعظیم      در من چو کتاب ہر دو صورت ننگ

سرد کی شاعری | اگر سرد کی غزلوں کا کوئی مجموعہ مل جاتا، تو اس کی شاعری کے متعلق کچھ تفصیل سے لکھا جاسکتا، مگر جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ چند غزلوں کے سوا نہیں، رباعیوں کا رنگ عموماً فلسفیانہ حکیمانہ اور اخلاقی ہے، ایسے خشک مضامین ہیں گل و بلبل، سرد قمری اور فصاحت و بلاغت، تشبیہ و استعارہ، صنائع و بدائع کی گنجائش بہت کم ہے، تاہم سرد نے اس خشک مین میں بھی کچھ اپنی شاعری کے جوہر دکھائے ہیں،

جہت اسلوب | سرد کی رباعیان یوں تو بہت ہیں، مگر وہ سب چند مضامین میں محدود ہیں، مثلاً دنیا کی بے ثباتی، ہمہ اوست، مسئلہ جبر و قدر، رجا، وخوت، جام و شراب، فضل الہی کی امید، رضا بالقضا، ذکر الہی وغیرہ کے مضامین کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا ہے، لیکن اس کا کہاں یہ ہے کہ خیالات کی اس تکرار، اور مضامین کی خشکی کے باوجود اسلوب بیان کی دلآویزی تمام رباعیوں میں موجود ہے، اور ہر رباعی کے انداز بیان میں ایک ندرت و جدت نظر آتی ہے، مثلاً اس ضمنوں کو کہ عشق الہی شخص کو نہیں ملتا، اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی رضا و رغبت کو رضاے الہی میں فنا کر دے، سرد نے مختلف طریقوں سے ادا کیا ہے،

تردغم عشق بوالوس ماند بند      سوز دل پروانہ گس ماند بند

عمرے باید کہ یار آید بکنر      این دولت سرد ہم کس اند بند

دوسری جگہ کہتا ہے :-

در مسلخ عشق جز نکورانه کشند      لا غصقان درشت خوراکشند  
تو عاشق صادق ز کشتن مگریز      مروا بود ہر آنکہ اورا نکشند  
ایک اور باغی مین اسی مخون کو اس طرح ادا کرتا ہے،

تا نیست نگرودی رو بہت نہ دہند      این مرتبہ باہمت پست نہ ہند  
چون شمع قرار سوختن تا نہ ہی      سر رشتہ این روشنی بدست نہ چند  
غیاث الہی اور محبت الہی مین کامیابی کے تخیل کی نیرنگیان ملاحظہ ہوں،

صد شکر کہ دلدار ز من خوشنودہست      ہر دم بکرم و ہر نفس در جودست  
نقصان بن از ہر و محبت نہ رسید      سودا کہ دلم کو تمام دش سودا  
صد شکر کہ اذیا تر حسم دیدم      احسان و کرم بجال خود نمیدم  
نخلہ کن شاہ شرمی بخشد      آخر گلے از باغ محبت چیدم

یار بکرم و لطف کشودی بر من      صد رنگ دلم شگفت و شد رنگ چمن  
یک فضل تو از ہزار ناید بہ بیان      ہر چند زبان شوم بشکرت ہمہ تن

جہت تشبیہ | سرمد نے بعض نئی تشبیہیں بھی ایسی دی ہیں، ذیل کی رباعیوں سے اس کا اندازہ ہوگا  
اہل دنیا آپس مین جو بغض و حسد کینہ و کدورت رکھتے ہیں، اور دولت کے لئے لڑتے رہتے ہیں  
اس کو ایک نئی مثال کے ذریعہ کس موثر اور دلنشین انداز سے سمجھایا ہے،

اے بے خبروئے کہ از خدا بجزری      آشفہ و دیوانہ سی و زری  
بیش و کم دنیا بہ کف جو خداست      درخشش حق بید گر کیسہ وری  
این قوم کہ در دوستی سیم و زرا نہ      غافل ز خدا و دشمن یکدیگر اند  
ہر چند نصیب ہمہ پیوستہ جدات      درخشش حق بیکہ کہ کینہ و راند

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دولت و شہمت کا مدار خدا کے جود و کرم پر ہے، وہ اپنی مرضی کے مطابق ہر شخص کو جو چاہتا ہے، اور جتنا چاہتا ہے، عطا کرتا ہے، یہ کتنی احمقانہ بات ہے، کہ اللہ کی بخشش و جود جو انسان کے اعتبار میں نہیں ہے، اس کے لئے وہ آپس میں نبضِ حُدا و کینہ و عداوت رکھتے ہیں،

اسی مضمون کو ذیل کی رباعی میں ایک دوسرے انداز اور ایک نئی تشبیہ سے ادا کیا ہے،

ابنِ مردم دنیا ز خدا بے خبر اند      ہر شام و سحر در طلبِ بیم درزند  
از پہلوئے ہمدگر جب گزشت تر اند      ہر چہ کہ چوں باوصہا در گزشت اند

یعنی جس طرح باوصہا تیزی سے گزر رہی ہے، انسان بھی دنیا سے اسی طرح بہ سرعت گزر رہا ہے  
پھر ایسی سرسری گزراہ گاہیں دولت و شہمت کے لئے سرگردان رہنا اور آپس میں نبض و حسد کرنا کتنی  
بڑی ناخوشی سہی ہے،

قرآن کریم نے منافقوں کے بارے میں کہا ہے،

مُحْسِبُهُمْ جَبَّانٌ وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى      ان کو تم مجتہد سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل

آپس میں ملے ہوئے نہیں ہیں،

اس مضمون کو سرمد نے عام خطاب کے ذریعہ ایسی انوکھی تشبیہ اور اچھوتے پیرائے بیان سے ادا کیا

کہ نئی بات معلوم ہوتی ہے

یادِ ان چہ قدر راہِ دورنگی دارند      مصحف بہ نبضِ دینِ فرنگی دارند  
پیوستہ بہم چو ہر ہاے شطرنج      در دل ہمد فکر خانہ جنگی دارند

توبہ و استغفار اور طلبِ رحمت ایک پامال اور فرسودہ مضمون ہے، مگر جب سرمد اسے کہتا ہے تو  
معلوم ہوتا ہے، کہ رحمت کے سارے دروازے ابھی کھل جائیں گے،

شد بدتن من غرق گنہ ہر سر مو      از من ہمد زشتی است و نیکی است تو

تا چند کم گناہ افضل کند  
شرمندہ جرم خودم و رحمت تو  
وہ کہتا ہے کہ اسے خدا! میں جس قدر گناہ کرتا ہوں تو اپنا فضل و کرم اتنا ہی زیادہ کرتا ہے اب  
مجھے اپنے اعمالِ سیاہ اور تیری رحمت سے شرم آنے لگی ہے، دیکھئے! ع  
شرمندہ جرم خودم و رحمت تو  
کم کم کس اچھوٹے انداز سے رحمتِ الہی کی طلب کی ہے،

عصیان من احسان تو ناید بشمار  
بجد و حساب کے بیاید بشمار  
گر پیش خود این حساب سالِ کم  
تے فضل تو نے جرم من آید بشمار  
یارب ذکر کم از گردابِ برار  
از بحر گناہ کشتیم گیر کنار  
جرم من و احسانِ توبے صدوحّا  
این طریفہ حساب است کنایہ بشمار  
اپنے گناہ کی زیادتی اور رحمت کی بے پایانی کا ذکر کر کے کس طرح مزید رحمت کی درخواست کی ہے  
اور دونوں رباعیوں میں اسلوب نیا اختیار کیا ہے،

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے،

جرم من و فضل با افزون ز شمار  
این ہجو حسابیت کہ من دانم دیار  
چشمِ کرشم عاشقِ حق گنہ گشت  
ز شمار ذکر دار بداندیشہ مدار  
در ہر گنہ فرو بخنایش وجود  
شرمندہ این قسم نہ کرواد نمود  
خضرہ من گناہ شد آخر کار  
این فضل و کرم چہ بود این جرم چہ بؤ  
کہتا ہے گناہ ہی میرا خضرہ ہے اگر تین گناہ نہ کرتا، تو فضلِ الہی کی طرف مجھے راہ نہیں ملتی، اس  
طلبِ رحمت کے مضمون کو ختام و نفا می نے بھی ادا کیا ہے،  
آنم کہ پدید گشتم از قدرت تو  
صد سالہ شدم نیاز و نعمت تو



صد سال بہ امتحان گزہ خواہم کرد  
تا جرم من است بیش یا رحمت تو  
نظامی کہتے ہیں،

گنہ من از نادے در شمار  
تو انام کے بودے آمر ز گار

مگر سرمد نے جس حسن و خوبی سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، خیاَم و نظامی کے یہاں وہ بات نہیں، اس کے علاوہ خیاَم و نظامی کے کلام میں شوخی و مبالغہ کی ہے، جو طلبِ رحمت کے خلاف ہے لیکن سرمد اسی طرح مانگتا ہے، جو طلبِ رحمت کا اقتضا ہے،

ردمرہ اور کلام کی اصل ترتیب | سرمد کی رباعیوں کی ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ ان میں عموماً ردمرہ اور عام بول چال کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی نہایت ہی سادہ اور سہل اسلوب میں بیان کرتا ہے،

شعری یہ بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، کہ اگر اس کو نشر کرنا چاہیں، تو الفاظ کی ترتیب میں فرق نہ پڑے جو ترتیبِ نظم کی صورت میں تھی، وہ شعر کی صورت میں بھی باقی رہے، سرمد کے کلام میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود اور یہ خصوصیت صرف دو چار رباعیوں میں نہیں، بلکہ اس کے کلام کے اکثر و بیشتر حصہ میں ہے، ذیل کی رباعیوں اور غزل سے اس کا اندازہ ہوگا،

سوخت بے دہم تاشارا، بہین	کشت بے جرم میسما بہین
زندہ کش جان نباشد دیدہ	گر ندیدستی بیا مارا، بہین
اے کہ از دیدار یوسف غافل	دارغ یعقوب وز یخارا، بہین
اے کہ از روز بدم و رحیرتی	یکزمان این رو سے زیبارا، بہین
شاہ و درویش و قلندر دیدہ	سرمد سرمدت رسوا را، بہین

سرمد تو زینچ خلق یار می مطلب	از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع	باعزت خویش باش خواری مطلب
اسرار سنے و جام بہ کس دشمنیت	این راز بہر مردہ دے گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بجزیری	سر رشتہ این بدست ہر کزن نیست
نابود شدم بودنی دائم چسیت	انگڑ شدہ ام دود دنی دائم چسیت
دل دادم و جان دادم ایمان دادم	سودا ست مگر سودنی دائم چسیت
سرمد اگرش وفا ست خود می آید	گر آدش روا ست خود می آید
بیوہ چرا در پے او میگردی	بنشین گرا خدا ست خود می آید
سرمد غم عشق بوالوس راند ہند	سوز دل پر دانہ گس راند ہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار	این دولت سرمد ہمکس راند ہند
یاران چہ قدر راہ دور رگی دارند	مصحف پنبل دین فرنگی دارند
پیوستہ ہم چو ہر ہاے شطرنج	در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند
سرمد گد اخقار می باید کرد	یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن برضاے دوست نی باید داد	یا جان بہش نشاری باید کرد
دل را بخیال یار خوشنود بہار	سر رشتہ این دولت سرمد کف آہ
گنج است کہ رنجش نبود آخر کار	سودا ست کہ سودش بود افزون تھا
چون معنی لفظ ماؤ اور اسبنگر	چون چشم و نگہ جدا و یکجا بنگر
یکدم ذکے جدا نیابی ہرگز	مانند گل و بوست بہ ہر جا بنگر
سرمد روین عجیب کستی کردی	ایمان بفاے چشم مستی کردی

باعجز و نیاز جملہ نقد خود را      رفتی و نثار بیت پرستی کردی  
 گم سر دگے سنبل و گے یا سمنی      گم کوہ و بیابانی و گما ہے چمنی  
 گم نور چراغی و گے بوسے لگی      گم در چینی و گماہ در انجمنی  
 آن شوخ بن نظر نہ دارد چه کنم      آہ دل من اثر نہ دارد چه کنم  
 با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند      از حال دلم خبر نہ دارد چه کنم  
 ممکن نہ بود کہ یا را آید بکنار      خود را ز خیال خام و اندیشہ برآرد  
 ہر چیز کہ غیر دوست در سینه است      بسیار حجابے است میان تو و یار  
 اعتبار و وعدہ ہاے مردم دنیا غلط      ہاں غلط آری غلط انشب غلط فردا غلط  
 نسخہ بنیائی دیوان عمر ما پیرس      خط غلط معنی غلط انشاء غلط املا غلط  
 از نقش حجاب ہر چه گفتم گفتم      داز گوش حجاب ہر چه گفتم گفتم  
 این عالم پیری و ز باغم خاموش      ایام شباب ہر چه گفتم گفتم

## شعربم حصہ اول

فارسی شاعری کی تاریخ جس میں شاعری کی ابتدا اعمد بعد کی ترقی اور ان کے خصوصیات و  
 اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے  
 تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے۔

قیمت :- ۶۰

”میں بھر“

# صحت

از

ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی ایچ، ڈی استاد جامعہ عثمانیہ

تجدید ایمان کی وجہ سے میرے جسم کی تجدید عمل میں آرہی ہے، میرے جسم کا ہر ذرہ بدل رہا ہے مجھے نئی ہستی، نیا وجود مل رہا ہے، ضعف کی جگہ قوت، مرض کی بجائے صحت، توانائی اور حیات حاصل ہو رہی ہے، میں نے اپنا رخ مبدل نور کی طرف کر لیا ہے!

اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي بَدْنِي، اللَّهُمَّ

عَافِنِي فِي سَمْعِي، اللَّهُمَّ عَافِنِي فِي

بَصَرِي، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ يَا

(تین مرتبہ) میرا کوئی مجبور و رب نہیں!

میں جانتا ہوں کہ میرا حقیقی نفس (جس کو میں روح سے تعبیر کرتا ہوں) بجا رہنیں ہو سکتا!

میری روح نور تقید ہے، قطرہ نور ہے، سراپا سرور ہے، صحت و قوت کا مبدل ہے،

قطرہ نوری سراپا نور باش

بگڑا زخم دایماً مسرور باش (روحی)

لے ان مراقبات کو صبح کے وقت اور رات میں سونے سے پیشتر آہستہ آہستہ پڑھا جائے اور دن میں بھی جب فرصت ہو

ان کی تکرار کی جائے حصولِ صحت کا یہ ایک نفسیاتی اور روحانی طریقہ ہے، ادھر مجرب ہوا اور دوا اثر!

ہر دن ہر گھڑی میری زندگی تازہ و توانا ہوتی جا رہی ہے، میرے جسم کے ہر ذرہ سے توانا ہون کا چشمہ اُبل رہا ہے، ہر روز میں جاہم صحت نوش کر رہا ہوں، اور حق تعالیٰ کا حکم و کرم مجھے عافیت عطا فرما رہا ہے،

یا حلیتم یا کر سیر اشفیٰ، اے حلیم و کریم خدا مجھے شفا عطا کیجئے،

میرے قلب میں جذباتِ ایمانی زندہ ہیں، حق تعالیٰ کی محبت سے میرا سینہ معمور ہے، اسی محبت کے نور نے میرے قلب و بدن کو نورانی کر دیا ہے، میرے وجود کا ہر ذرہ نورانی ہو گیا ہے، نور ہو گیا، یہ نتیجہ ہے میری اس دعا کا،

اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِيْ نَفْسِيْ نُورًا دَا  
اجْعَلْ فِيْ نُورًا، اے اللہ میرے نفس کو نورانی کر دیجئے،  
اور مجھے نور کر دیجئے،

اس نور نے میرے قلب کو سکون، میرے نفس کو اطمینان، میرے بدن کو راحت عطا کی ہے میں اب سراپا نور ہوں، دائماً مسرور ہوں، قلب و نفس و بدن کی اس راحت و سرور کا نتیجہ صحت و عافیت ہے، سلامتی و نجات ہے، بیماری سے، آزار سے ضعف اور کمزوری سے،

کلاباس اذهب الباس، رب  
الاس اشف انت الشافی کا  
شفاء لا شفاء لك فاشفی شفاء  
کایُفا درُ سُتْمًا، کچھ خوف نہیں اے خلق کے پالنہا  
صحت عطا کر تو ہی صحت دینے والا ہے،  
صحت میری ہی دی ہوئی ہے تو مجھ کو  
ایسی صحت دے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے،

اب خلق کی طرف سے میرے قلب میں نہ غیظ و غضب، نہ خزن و غم، ایمان کی آنکھ نے دیکھ لیا، کہ وہ مانع ہیں نہ ضار، نفع و ضرر، سود و زیان، منع و عطا حق کی جانب سے، خلق کی طرف سے ہرگز نہیں، بلا و آزار کے وقت خلق و اسباب کو حق تعالیٰ طرف سے وہ مایہ ناز تصور کرتا ہوں، جو طلب و توقع کے لئے

مجھ کو لگایا جاتا ہے تاکہ میں خوابِ غفلت سے جاگ جاؤں،

اللہمَّ اغفر لی ذنبی واذھب

اے اللہ میرے گنہ بخش دے اور میرے دل

غیظ قلبی واجر فی من مضلات

سے غصہ نکال دے، اور اگر اہ کرنے والے

الفتن ما احتینی ، فتوزل سے بچا دے،

اذیت و بلا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، مبتلا کرنے والے حق تعالیٰ ہیں، میں ان لوگوں میں سے

نہیں کہ دردِ بلا کے وقت سُست ہو جاؤں اور حق سے روگردان اور حق تعالیٰ کی اس تہدیک کا نشانہ بنوں

وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اَلْقَلْبَ عَلٰی وَجْهِهِ ثُمَّ اَلْخَسْرَ اَلْاٰخِرَةَ کَاَمْسِدَاقِ بْنِ جَاوْنٍ

دنیا اور آخرت دونوں کو کھو بیٹھوں، اور کھلے نقصان میں رہوں،

ناخوش تو خوش بود بہر جان من

دل فدائے یارِ دل و جان من! (دروچی)

اور جب مجھے نعمت و عطا حاصل ہوتی ہے، تو میں خلق و اسباب و بنوی کو ایک ہاتھ تصور کرتا ہوں جو منہ

میں تھمڑا لٹا ہے، ظاہر ہے کہ ہاتھ ایک آلہِ جزا و آلہ میں بذاتِ خود تاثر لکھتا ہے،

لے پوری آیت یہ ہے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی

یعنی بعض آدمی، اللہ کی عبادت کرتے ہیں کنارہ

حَرْصٍ فَاِنْ اَصَابَهُ خَيْرٌ مِّنْ اٰلَمَانِ

پر، پھر اگر اوس کو کوئی نقصان پہنچتا

بِدَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ اَلْقَلْبَ عَلٰی

ہے، تو اس کی وجہ سے قرار پایا، اور

وَجْهِهِ ثُمَّ اَلْخَسْرَ اَلْاٰخِرَةَ

اگر اس پر کوئی آزمائش ہو گئی، تو منہ

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ

اٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونوں کو

کھو بیٹھا، یہی کھلا نقصان ہے،

(ب، ۹۷)

تھارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

نہ کوئی مددگار،

وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

منعم و معطیٰ حق تعالیٰ ہی ہیں،

حق فاعل و ہرچہ جز حق آلات بود تاثیر ز آلّت از محالات بود

ہستی کہ موثر حقیقی ست یکست باقی ہمہ ادہام و خیالات بود (جانی)

اس یقین کے بعد کہ سود و زیان حق تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور میرے دشمن کی طرف سے نہیں،

دشمنیت کے ہے، افسوس کے ہاتھ میں، یا گیند کی طرح ہے، چوگان کے تصرف میں، میرا قلب عداوت کے غم سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے، اور میں اپنے عدا کو قطعاً معاف کر دیتا ہوں،

لَمَّا عَفَوْتُ وَلَمَّا أَحَقَّدْتُ عَلَىٰ أَحَدٍ ارجعت نفسی من هَمِّ الْعداوۃ

جب میں نے معاف کر دیا، اور کسی کے متعلق اپنے دل میں دشمنی نہیں رکھی تو میرے

نفس نے غم عداوت سے راحت پائی،

اور بھجواے

وَتَبَيَّنَ إِلَيْهِ تَبَيُّنًا، اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف

(فرزل - ۱۷۷) متوجہ رہو،

میں خلق سے کٹ کر حق تعالیٰ کی قدموں پر اپنا سر رکھ دیتا ہوں، انہیں راضی کرتے دیکھتی لگتی ہے،

وہ رؤف و رحیم ہیں، غفور و کریم ہیں، ذو الفضل العظیم ہیں، ان ہی کا تو یہ قول ہے ان کے ایک عاشق کے الفاظ میں :

در حضرت بادوستی یکدہ کن ہر چیز کہ غیر ماست آزا یلہ کن

یک صبح باخلاص بیا بردر من گر کار تو بر نیاید آنکہ گلہ کن (ابوسعید منہ)

انکار نے میری صحت برباد کر رکھی تھی، ایمان کی روشنی نے افکار کی ظلمت کو دور کر دیا، اب صحت کی تجلیات میرے جسم کے ہر گزوریشہ سے ہر ہی ہن، راحت و سرور کا دھڑ ہے، جان و تن آرام سے ہیں  
فللہ الحمد،

دور بھر تو بوجہ اندوہ و آزارم      از وصل تو رفت ہستی دہندارم  
شادی آمد و نصیب جانم شد      اکنون جان و تن خویش برات دارم (لا علم)

(۲)

”میرے اندر ایک قوت الہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے۔“  
طمانیت و سکون کے ساتھ میں مذکورہ بالا صداقت کو ذہن نشین کرتا ہوں، فکر و درد و غم و حزن،  
ہم و ہراس کو اپنے قلب سے دور کرتا ہوں اور ان تمام خیالات کو بھی اپنے دماغ سے دفع کرتا ہوں، جو  
ایجابی نہیں، جو ربانی نہیں، میری آنکھوں کی ٹھنڈک حق تعالیٰ کی محبت اور ان پر ایمان ہے، اسی لذت  
و حلاوت سے میرا قلب کیف اندوز ہے، آہستہ اور طمانیت کے ساتھ میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں :-  
”میرے اندر ایک قوت الہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے“ (خوشی)

پرسکون و طمانیت کے ساتھ میں ان الفاظ کی تکرار کرتا ہوں :-

”میرے اندر ایک قوت الہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے“ (خوشی)

پھر سکون و بر دلہی کے ساتھ میں ان الفاظ کی تکرار کرتا ہوں :-

”میرے اندر ایک قوت الہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے،“ (خوشی)

ان پر سکون و چین کے ساتھ میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں،

”میرے اندر ایک قوت الہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے،“ (خوشی)

پھر میں انہی الفاظ کی تکرار کرتا ہوں، (خوشی)



اسی صداقت پر میرا یقین ہے، ایمان ہے یہی میرے قلب پر چھائی ہوئی ہے، اسی مراقبہ کے دوران میں قوتِ الہیہ جو ہم توان اور قادر مطلق ہے، اور جو میرے اندر موجود ہے، میری صحت کی کیل کر رہی ہے، مجھے کامل شفا عطا کر رہی ہے، کیونکہ میرے جسم کا ہر ذرہ اس قوتِ الہیہ کی طرف متوجہ ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے،

اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ      مین خداے بزرگ و برتر سے جو عرشِ عظیم  
الْعَظِيْمَاتِ لِشَفَائِي      کے رب میں، عرض کرتا ہوں کہ مجھے شفا بخشے

(یہ حدیث کے الفاظ ہیں)

جون جو اس صداقت پر غور کرتا جاتا ہوں، میری عقل سے غفلت نہ ہونی جاتی ہے، اور اس حقیقت کا انکشاف ہوتا جاتا ہے، جو مجھے حیرت نامہ عطا کرتی ہے، بہر صورت میں اپنے آپ کو اچھا نہیں کر سکتا، شفا دینا حق تعالیٰ کا کام ہے، اسی لئے ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا تھا،  
وَإِذَا هَرَسْتُ فَمَوْلِيْشَيْفِيْنَ      جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے

(پ ۱۹ ع ۹)      شفا بخشنے ہیں،

جب میں اس قوتِ الہیہ کو جو میرے اندر موجود ہے، جو مجھ پر محیط ہے، وجدانا اپنے اندر پاتا ہوں تو مجھے شفا عطا ہوتی ہے، عاجلاً و کمالاً میں اپنے آپ کو کمزور نہ ہوں اور مجھے معلوم تک نہیں ہونے پاتا، کہ یہ معجزہ کس طرح وقوع پذیر ہوا،

آن کہ شدہ نشش بشاہ فردوخیش

یافت در مان ہاے جلد درو خویش

(روحی)

ذاتی کوششوں پر سے جب بھر دسا اٹھ جاتا ہے اور قوتِ الہیہ کے سوا اور کوئی آسرا نہیں رہتا اور حق تعالیٰ کے رحیم و حلیم ہونے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے، تو شفا کی کبھی کو نہ دیتی ہے، اور ساری بیاریوں کو جدا کر خاکستر کر دیتی ہے، پھر اپنے عاشقِ رنجور کو صبر کا ثمرہ عطا ہوتا ہے،

اَصَابُوْنِی الصَّابِرُوْنَ اَجْرُهُمْ لَیْسَ  
صبر کرنے والوں کو ان کا صدقہ ہے ثناء

حِسَابِ، اسی لئے گا،

اسی لئے ہر عاشقِ رنجور کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہیں،

عاشقِ برہنچ خویش و درِ خویش بہرِ خشنودی شاہِ فرد خویش

(روحی علیہ الرحمہ)

جو بادشاہ ایک جان کے معاوضہ میں سو جان عطا کرتا ہے، ایک پھول لے کر سارا گلستان بخش دیتا ہے، اس کے دئے ہوئے آزار پر اس کی لگائی ہوئی ضرب پر کون خوش نہ ہوگا، کون اپنی جان فدا نہ کرے گا کس کی زبان سے فرط مسرت سے یہ الفاظ نہ نکلیں گے،

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکت نیست  
سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کس کی آرزو نہ ہوگی،

نخل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے  
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے،

شفا بخشی کا روحانی عمل نتیجہ ہے حبِ الہی کا، رضا باعطا کا توافق بالقننا، کا حفظ حال کا، اعراض عن الاعتراض کا اپنی حق تعالیٰ کے فعل سے راضی ہو جانے کا، کیونکہ جب ہم اُن سے راضی ہو جاتے ہیں، تو وہ ہم سے راضی ہو جاتے ہیں، اور ہم سے راضی ہو کر ہمیں وہ سب کچھ عطا کرتے ہیں جو ہمارے مطالبات یا مطلوبات ہیں،

رضی اللہ عنہم ورضوانہ  
اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی،

## دیارِ مغرب سے ایک مسلمان مجاہد کا خط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِكَ الْكَرِیْمِ

مکرمی معظمی جناب سید ندوی صاحب سلمہ ودام لطفہ،

السَّلَامُ عَلَیْکُمْ،

بعد تحیات واضح رہے مبارک باد کہ راقم سطور آپ کے قدیم خاکِ ردونین سے ہے، مولانا

مرحوم مغفور محمد علی دربار مرحوم شوکت علی صاحب میرے ہم سبق ہم نفس اور ہم عصر تھے، یعنی *Comrade*

اور سہرورد اخبارین ہم شریک کار تھے، اس کے بعد وطن عزیز چھوڑنا پڑا اور آج تک دنیا کے ہر حصے اور

گوشے کی خاک چھانی، مرحوم مولانا بركات اللہ صاحب جو کالیفورنیا امریکہ میں مدفون ہیں، وہ بھی اس

دیوانے کے یارانِ حقیقت میں سے تھے، قصہ کو تاہ ۱۹۲۳ء سے اخباری دنیا کے خارتان میں قدم رکھا،

اسی زمانہ میں آپ کو یاد ہوگا، ترک غازیوں نے یونانیوں اور ان کے سرپرست وحامی لائیڈ جارج

اور متکبر و فرعون مزاج لارڈ کرزن سابق دایرہ ہند اور اس وقت کے برطانی ذریعہ خارجہ کی سخت

گوشمالی کی تھی، بمصادق

نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد

میرا مجلہ "سلم اسٹڈیٹ" اس جبار عنید کی زوین آگیا، زبانِ بدیورپ کے مختلف مقامات سے مسلم گرائیڈ

ام کا پرچہ نکلتا رہا جب علی برادران اور گاندھی جی کو یہودی واسرے ریڈنگ نے نظر بند کیا تو اس

عاجز نے اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے اس مستبد کی غلامانہ حرکت پرسل مضامین شائع کئے، جس کا نتیجہ معلوم ہوا اس کے اس وقت کے ہمعصر فاروق (Farooq) نام اخبار نے میرے پرچے کی منطی کے متعلق مقالہ لکھا تھا، بعدہ آغاز جنگِ دویم تک اہلال (Crescent) کے عنوان سے پرچہ جاری رہا، اب چونکہ قتل عام ختم ہو چکا ہے، اس لئے پھر اس عاجز نے پرچے کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ تمہی مختصر کیفیت جو آپ کی خدمتِ مبارک میں تقدیم ہے، ایک اور حق شفع آپ پر ہے، وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم مغفور میرے سرپرست، مربی اور استاد خاص تھے، مرحوم محمد علی صاحب سے بارہا آپ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا لیکن افسوس آپ سے کبھی نیاز حاصل نہ ہوا،

### ع حسابِ دوستان در دل

اب اس نیاز نامہ کے ذریعہ آپ سے خط و کتابت کا شرف حاصل کرتا ہوں، آپ نے غالباً تازہ نشانیہ انسائیکلو پیڈیا، برطانیکا (Encyclopedia Britannica) میں وہ حواشی فقرے ملاحظہ فرمائے ہونگے، جو ان کے پادریوں اور پادریوں نے اپنی کوششی، کورولی اور مجنونانہ تعصب کی وجہ سے حضور پر نور کی ذاتِ مبارک کے متعلق سراسر غلط اور خلافِ حقیقت تراشے ہیں، ان دل کے اندھے اور اندھیوں نے سرکارِ دو جہان کو (Despot of Yathrib) کے گستاخانہ لقب سے دنیا میں پیش کیا ہے، خاکسار نے انگریزی اخبار کی نقلیں جس میں یہ اقتباس شائع ہوا تھا، یہاں کل ارکانِ حکومت شیخ الاسلام، اور رئیس دیوانِ ملک کو بھیج دیا تھا، لیکن بعد انتظار مدید و شدید اس المناک حقیقت کا پتہ چلا کہ یہ سب کے سب سیاسیات اور آپس کی تو تومین مین ایسے محو و گرفتار ہیں کہ انھیں باوجود عرب کھلانے کے رسولِ عربی کی قدر و قیمت اور درجہ کا احاطہ نہیں، یہ سطور نہایت رنج و الم سے لکھ رہا ہوں، انھیں اپنے تک ہی رہنے دیجئے،

بہر حال عین اضطراب و قلق کی حالت میں خاکسار نے ایک مقالہ اذہر شریف کے مجلہ میں لکھ کر

اپنی ناجیز عقیدہ مندی کا ثبوت دیا ہے، جو اسی ڈاک سے علیحدہ پیکٹ کی صورت میں آپ کی خدمت میں ارسال ہے، امید ہے کہ اسے آپ غور و غوض سے مطالعہ فرما کر اپنی قیمتی رائے کا اظہار اپنے بیش قیمت رسالہ معارف میں شائع فرمائیں گے بعض علماء کرام اور مدیر فاضل ازہر نے خاکسار کی قدر دانی فرما کر بہت افزائی کی ہے، باقی آپ اگر مناسب سمجھیں تو جمعیت علماء ہند کی خدمت مبارک میں بھی اسے پیش کر دیں اگرچہ میں خائف ہوں کہ ان کی بھی مصروفیت کی طرح سیاسی مصروفیت مانع کا رخیہ نہ ہوں،

غرض یہ ہے کہ لطفاً معارف و دیگر اسماعی رسالجات و کتب وغیرہ سے اس عاجز کو یاد فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں، باقی دعا،

مخلص و دعا گوے قدیم محمد ولی خان "دقاہرہ"

، ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ فروری ۱۹۴۶ء

## تابعین رضی اللہ عنہم

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہو، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دارالمنصفین نے ایک مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمرؓ ابن عبد العزیزؓ حضرت حسن بصریؓ حضرت اویس قرنیؓ حضرت امام زین العابدینؓ حضرت امام باقرؓ حضرت امام جعفر صادقؓ حضرت محمد بن حنفیہؓ حضرت سعید بن مسیبؓ حضرت سعید بن جبیرؓ حضرت محمد بن سیرینؓ حضرت ابن شہاب زہریؓ امام ربیعہ رائیؓ امام کچل شامیؓ قاضی شریح وغیرہ چھپاؤسے اکابر تابعین کے سوانح، ان کے علمی مذہبی کارناموں کی تفصیل ہے، قیمت للحد

"مینجر"

## مطبوعات جدیدہ

قائد ملت مولفہ جناب غلام محمد صاحب بی اے عثمانیہ تقطیع اوسطا ضخامت ۴۴ صفحے کا  
کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۔ ۱۴ سکہ اور ۲ سکہ عثمانیہ، پتہ نفیس اکیڈمی عابد  
روڈ حیدر آباد دکن،

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم ان فقید المثل ہستیوں میں تھے جن کی مثالیں کسین نہ توں  
میں پیدا ہوتی ہیں، ان کی زندگی کیا عجائباتی اوصاف و خصوصیات اور کیا بہ کاظ قومی و ملی خدمات  
ہر حیثیت سے مسلمانوں کے لئے نمونہ تھی، وہ ایک سچے مومن تھے، ان کے دل میں دین و ملت کی فلاح کی توجہ  
تھی، ان کی ساری زندگی اسی کی جدوجہد میں گزری، اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاص و عمل کے ساتھ خطابت  
کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی کہ اپنی سحر بیانی سے دونوں کو مسحور کر لیتے، اور بڑے بڑے مخالف مجموعوں کا رنگ  
پلٹ دیتے تھے، ان کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع تھا، مسلمانوں کی جملہ دینی اور سیاسی ضروریات میں  
ان کی سرگرمی کیساں تھی، وہ دکنی تھے، اس لئے قدرۃً ان کی ذات سے وہاں کے مسلمانوں کو زیادہ  
فائدہ پہنچا، وہ ریاست و رعایا، دونوں کے ہوا خواہ تھے، ایک طرف انھوں نے ریاست حیدرآباد کو فلاحین  
کی سازشوں سے بچایا، دوسری طرف حیدرآباد کے باشندوں میں ایک روح پھونکی، لیکن ان کے فیض  
سے ہندوستان کا کوئی خطہ محروم نہ تھا، اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک ایک جانناز مجاہد کی طرح قوم و ملت  
کی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن افسوس کل چالیس سال کی عمر میں اپنے رب سے جا ملے، ان کی ذات

سے ملک و ملت کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں تاہم انھوں نے اس مختصر عمر میں جو قومی زندگی کے لئے قربانی کی عمر ہے، جو کارنامے انجام دیئے وہ بہتوں سے طویل عمر میں بھی انجام نہ پاسکے، ان کی پوری زندگی مسلمانوں کے لئے اسوہ عمل تھی، لائق موصوف نے اس کتاب میں اس کی تفصیل قلمبند کی ہے، اور صاحب سوانح کے ذاتی اوصاف اور قومی و ملی کارناموں کو اس طرح پیش کیا جو جس سے ان کی زندگی کا ہر رخ سامنے آجاتا ہو، زبان صاف ایسلیس اور انداز بیان دلکش و موثر ہے،

علامہ راشد انجیری مرتبہ جناب وقار عظیم بی اے، قیطن اوسط ضخامت ۲۰۸ صفحے،

کانڈ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد پیر، پتہ:۔۔ خاتون کتاب گھر اردو بازار دہلی،

مولانا راشد انجیری مرحوم نے اردو زبان کی جو گونا گونا گونہ خدمات انجام دیں وہ محتاج بیان نہیں ان کی وفات کے بعد ان کی ادبی خدمات پر بہت سے مضامین لکھے، لیکن کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں ان کی تحریری خصوصیات کی تفصیل ہوتی، یہ کتاب اسی مقصد کے ماتحت مرتب کی گئی ہے، اس میں مختلف اصحاب قلم نے مرحوم کی تحریروں، انشاء کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کیا ہے، ڈاکٹر اعظم کریم سی نے انشاء پر پرنٹ بر جوہن و تاریہ کیفی نے ناول نگاری سید محمود مورخ نے تاریخی ناولوں، ڈاکٹر نصیر الدین احمد نے ٹریجڈی نصیر الدین صاحب ہاشمی نے سفر ناموں، ڈاکٹر عابد حسین نے تصنیفی خصوصیات، ڈاکٹر شائستہ اختر سرودیہ نے ان کے ادب کی مشرقیت، اشاد احمد صاحب نے شاعری عابد علی خان، اڈیٹر ہمایوں نے انشاء پر دمازی اور پروفیسر وقار عظیم نے ادبی ظرافت پر تبصرہ کیا ہے، جس سے مولانا مرحوم کی انشاء کے مختلف پہلوؤں اور ان کی ادبی جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، امید ہے کہ یہ کتاب ادبی حلقوں میں پسند کی جائے گی،

بصائر قرآنی مرتبہ جناب ایم عید الرحمن خان صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۵ صفحے، کانڈ

کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عاری پتہ ایم شنار، اشاد خان پبلشرز یک سیلر ریلوے روڈ لاہور،

اردو میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں کلام مجید کے اردو مولانا ہی اور دوسری تعلیمات کی

آیتوں کو موضوع کے اعتبار سے تقسیم کر کے الگ الگ عنوانوں کے ماتحت مع ترجمہ کے جمع کر دیا گیا ہے، اس قرآنی احکام کا خلاصہ اور ہر موضوع سے متعلق آیات ایک جگہ مل جاتی ہیں، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی قسم کی ہے لیکن اس میں موضوع و معنی کے اعتبار سے تقسیم کے بجائے آیات کو ان کے الفاظ کے لحاظ سے بہ ترتیب مرتبہ تجبی جمع کیا گیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدہ بانگیا ہے، اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مختلف آیتیں ایک جگہ ملتی ہیں لیکن اکثر مقامات پر ان میں باہم کوئی معنوی ربط نہیں تاہم کتاب فائدہ سے خالی نہیں ہے۔

مجموعہ نشری تقاریر مولوی عبدالرحمن خان صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ تقطیع اوسطا ضخامت

۱۵۴ صفحہ، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ روپے، کلدراہ، اسکہ عثمانیہ، پتہ ادارہ نشریات

اردو حیدرآباد دکن،

مصنف کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ تک کے علمی حلقوں میں متعارف ہے، وہ وہاں کی متعدد علمی و تحقیقاتی مجالس کے رکن ہیں، مسلمانوں کی قدیم علمی تحقیقات کو یورپ میں ان کی اشاعت اور جدید سائنس و ہیئت پر ان کی نظر بہت وسیع ہے، ان علوم میں انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں ان کی تصانیف شائع ہو چکی ہیں، وہ جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل بھی تھے، اس لئے ان کو تعلیم کا بھی تجربہ ہی مذکورہ بالا کتاب ان کی ان علمی تعلیمی تقریروں کا مجموعہ ہے، جو حیدرآباد دکن میں ۱۹۰۶ء میں، اس میں حسب ذیل تقریریں ہیں، سیاروں پر زندگی کے امکانات زمین کا کرہ ہوائی، طبیعیات پر ایک طائرانہ نظر، دکن کی سرزمین و مدار ستارے، اسلامی معاشیات، اردو میں سائنس کی تعلیم، سائنس اور مذہب و زندگی، میرے کلیاتی تجربے مارون کی ہستی، بچپن کے بعد، دولت، مائتھنسا اور حیدرآباد، نوجوان سائنس کی تحقیقات کے طریقے، جنگ اور سائنس کی ترقی، پر اسرار روشنی، یہ تمام تقریریں اپنے موضوع سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہیں،

عہد آصفی کی قدیم تعلیم از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی تقطیع اوسطا ضخامت ۱۵۶ صفحہ، کاغذ

کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ روپے، غیر مجلد، پتہ حیدرآباد، دکن، حیدرآباد دکن،



حیدرآباد کی قدیم علی ادینی تاریخ مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس موضوع پر ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے دولتِ اصفیہ کی قدیم علی تاریخ لکھی ہے، اس میں ہمیں اور قطب شاہی سلاطین کے دور کے مختصر تعلیمی حالات اور اصفیہ عہد کی تعلیم کی بڑے مفصل تاریخ مسلمانوں میں علم و تعلیم کی خدمت و اشاعت کا ذخیرہ اور حصولِ اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، اس نے ہر زمانہ میں سلاطین اور حکمرانوں کے علاوہ مجرما و علماء و قیام مدارس میں مسابقت کرتے تھے، ان کے علاوہ ہر طبقہ عالم کا آستانہِ بجاے خود ایک متصل درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا، یہ خصوصیت اصفیہ عہد میں بھی قائم تھی، اور دکن میں حکومت کے مدارس کے علاوہ امراء و علماء کے بکثرت مدارس تھے، اس کتاب میں علیحدہ علیحدہ ان تمام مدارس کے حالات لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ ہندوؤں کی تعلیم اور تعلیمِ نسوان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس طرح اس کتاب میں عہدِ اصفیہ کے آغاز سے جدید تعلیم کے ابتدائی دور تک حیدرآباد کی تعلیمی سرگزشت آگئی ہے اور دو کے ہندو شعراء (از جناب عبدالسلام خورشید نقطن بڑی ضخامت و ۹ صفحے) کا ہندو

کتابت و طباعت معمولی قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- مرکزی دفتر تحریکِ رفاقت پنجاب،

ٹھنڈی سڑک لاہور،

جب تک ہندو مسلمانوں میں تقسیمِ زبان کا نعرہ بلند نہ ہوا تھا، دو دونوں قوموں کی مشترکہ زبان سمجھی جاتی تھی، اور اس کی تعمیر اور ترقی میں دونوں کی کوششیں برابر کی شریک تھیں، چنانچہ اردو کی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں ہے، جس میں مسلمان شعراء اور ادیبوں کے ساتھ ہندو ادباء اور شعراء کی خاصی تعداد موجود نہ رہی ہو، تذکرہ نگاروں کی یہ فروگزاشت ایک حد تک ماننا چاہئے گی، کہ انھوں نے تذکرہ نگاروں میں ہندو شعراء کو ان کے استحقاق سے کم جگہ دی، پھر بھی کوئی تذکرہ ہندو شعراء کے ذکر سے خالی نہیں ہے، مولف نے اس کتاب میں سترہویں صدی سے لے کر موجودہ دور تک کے ڈھائی سو سے اوپر اردو کے ہندو شعراء کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، معلوم نہیں انھوں نے موجودہ زمانہ کے صرف

ان شعرا کے تذکرہ پر کیوں اکتفا کی، جو وفات پا چکے ہیں، حالانکہ موجودہ شعرا میں اچھے اور ممتاز شعرا کی  
 کی بڑی تعداد ہے، مثلاً پنڈت و تاتریہ کیفی، پنڈت جگموہن ناتھ شوق رام پرشاد کھوسلہ، ناتھ دت، ملوک،  
 محروم، کرشن سما، وحشی، بنشیام موہن لال جگر، اندرجیت شرما، پنڈت میلادام دت، رگھوپتی سما  
 فریق، انند نرائن ملا، بشیشیر ناتھ منور، سورج نرائن، ہر اور سکندریو پرشاد، سیل وغیرہ امید ہے کہ  
 آئندہ انڈین میں اس فرد گزشت کی تلافی کر دی جائیگی،

باغ نشاط از دیوان پنڈت رادھ ناتھ کون قیطع بڑی نجات، ۱۰ صفحہ، کاغذ، کتابت

وطباعت، انیس، قیمت مرقوم نہیں، پتہ غالب انڈین پریس، الہ آباد سے ملے گی،

پنڈت رادھ ناتھ کول پرانی تہذیب کے ان بادنہ ہندوؤں میں جن کے نمونے اب  
 بہت کم باقی ہیں، وہ پنجاب کے ایک قدیم کشمیری برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جو علم و دولت  
 دونوں میں ممتاز رہا ہے، اب وہ الہ آباد میں متوطن ہو گئے ہیں اور دوشاعری کا ذوق ان کو بزرگوں سے  
 ترکہ میں ملا ہے، وہ ایک کمنہ مشق شاعر ہیں، باغ نشاط ان کے کلام کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ظاہری اور  
 معنوی دونوں محاسن سے آراستہ اور دو حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں غزلیں اور دوسرے میں قطعات  
 محسن، قصیدے تاریکین، اور دوسری اصناف شاعری ہیں کلام کا عام رنگ عارفانہ اور اخلاقی ہے،  
 غزلوں میں بھی یہ رنگ نمایاں ہے، اور دوسری اصناف کی نظمیں تمام تر اخلاقی، صوفیانہ، اور چمکانہ ہیں،  
 خیالات کی تنانت و سنجیدگی اور مشق کی پختگی کل نظموں میں مشترک ہے، اس اعتبار سے اس مجموعہ کو  
 شاعری کے بجائے اخلاق و تصوف کی کتاب کہنا زیادہ موزون ہے، کتاب میں ہندوستان کے متعدد  
 مشاہیر اور ادیبوں کے قلم سے شاعر کے حالات اور اس کے کلام پر نقد و تبصرے ہیں، امید ہے کہ یہ  
 مجموعہ اصحاب مذاق خصوصاً اردو کے بھی خواہوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا،

# جلد ۵ مہرِ رمضان المبارک ۱۳۷۵ھ مطابق ماگست ۱۹۴۶ء عدد ۲

## مقالات

- شذرات شاہ معین الدین احمد ندوی ۸۴-۸۲
- مرزا سید لکھنوی کیا عظیم آبادی نہ تھے؟ سید سلمان ندوی ۹۵ ۱۸۵
- اسلامی نظریہ سیاست مولانا حیدر زمان صاحب صدیقی فاضل ۱۳۰-۹۶
- دیوبند پٹھان کوٹ دیوبند پٹھان کوٹ
- رنج خوف و حزن ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی ۱۲۹-۱۲۱
- استاذ جامعہ عثمانیہ
- ثنوی گلزار نسیم کے مآخذ جناب سید ظہور حسن صاحب رام پوری ۱۳۵، ۱۳۱
- سیام کے مسلمان جناب طاہر دلاور حسین صاحب ناظم ۱۴۲، ۱۴۰
- جمعیۃ الاسلام ہنگوگ، سیام

## ادبیات

- سین تھنیل جناب شفق جواپوری ۱۴۳
- گلاباگ سرخوشی جناب سید انور کرمانی ۱۴۴
- خضر خدبات جناب ثناء کاپوری "

## باب التقریظ والانتقاد

- مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب ۱۴۵-۱۴۴
- دارالعلوم ندوہ
- مجمع نواد الاولی للغة العربیہ

## مشکل

فلسطین سے انگریزوں کے اتنے مختلف اغراض وابستہ ہیں، اور اس سے متعلق ان کے سامنے اتنے پیچیدہ مسائل ہیں کہ اس کا حل ان کے لئے دشوار ہو گیا ہے، وہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بھی فلسطین کو نہیں چھوڑ سکتے، اور یہودیوں کی دولت و ثروت، ان کے غیر محدود وسائل ان کی قوت اور سپہ زوری اور امریکہ کے وہاں سے بھی ان کی حمایت پر مجبور ہیں، لیکن جابہ عربوں کا وہاں بھی آسان نہیں ہے، انھیں نظر انداز کر دینے سے نہ صرف فلسطین میں امن و سکون قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ سارے عرب ممالک میں انگریزوں کے خلاف سخت برہمی پھیل جائے گی، اور عربوں کی مخالفت سے مشرق وسطیٰ میں دوسری اثرات کا خطرہ جو پہلے سے موجود ہے، زیادہ نازک صورت اختیار کر لے گا، اس کے انداد کے لئے مصر و سوڈان سے انگریزی فوجوں کے ہٹنے کے بعد فلسطین ہی میں مورچہ قائم کیا جاسکتا ہے، مشرق اردن کی آزاد حکومت کو آزادی کی سند بھی اسی غرض کے لئے دی گئی ہے۔

— ۱۰۰ (۱۰) ۱۰۰ —

ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے برطانوی اور امریکی ماہرین کی کمیٹی نے سفارش کی ہے، کہ فلسطین کو عرب اور یہودی صوبوں میں تقسیم کر کے ان کا دفاع قائم کیا جائے، اور مرکز میں انگریزوں کی زیر نگرانی ان کی اور عرب دیہیوں کی مشترک حکومت ہو، گو ابھی یہ صرف سفارش ہے، لیکن یقین ہے کہ رسمی کارروائیوں کے بعد انہی بنیادوں پر فلسطین کا مسئلہ حل کیا جائے گا۔

— — — — —

اس سے قطع نظر کہ فلسطین جیسے چھوٹے علاقہ کی تقسیم جو مشکل سے ہندوستان کے ایک ضلع کی برابر ہے، اور وہاں وفاقی حکومت کا قیام کمان تک مناسب ہے، یہ تجویز عربوں کے مفاد کے منافی ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ فلسطین میں امریکہ اور برطانیہ کو انگریزوں کی پیروی

ریاست کی بنیاد قائم کر کے عربوں کی قوت کمزور کر دی جائے، چنانچہ مجوزہ دستور میں اصل اخلاقی مسئلہ یعنی فلسطین میں یہودیوں کے داخلہ کو مستقل کر دیا گیا ہے، اس بارہ میں وفاقی حکومت کے اختیارات حسب ذیل ہون گئے :-

”مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی مرضی کے خلاف یہودیوں کے داخلہ کے معاملات میں دخل نہ دے گی، اور اتنے ہی یہودیوں کے داخلہ کی اجازت دے گی، یعنی کہ صوبائی حکومت خواہش کرے گی، عرب صوبہ کو اختیار ہو گا کہ وہ اپنے صوبہ میں یہودیوں کو داخلہ دے، لیکن یہودی صوبہ کو عام حالات میں اختیار ہو گا، کہ وہ اپنے یہودیوں کو چاہے اپنے صوبہ میں داخلہ کی اجازت دیدے۔“

ہاؤس آف کامنز کے لیڈر اور موجودہ قائم مقام وزیر اعظم ہربرٹ مارش نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ

”صوبائی خود مختاری کی اس تجویز کے ذریعہ فلسطین میں یہودی مہاجرین کا داخلہ بہت سنا ہو جائے گا، گو داخلہ کی نگرانی مرکزی حکومت کرے گی، لیکن اس نگرانی کی بنیاد صوبائی حکومت کی سفارش پر ہوگی، اور جہاں تک صوبہ کے معاشی حالات ان کی اجازت دین کو وہاں تک مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی سفارش پر عمل کرے گی۔“

— ۱۰۰۰۰ —

گویا اس مجوزہ دستور میں یہودیوں کے داخلہ کو باضابطہ قانونی شکل دیدی گئی ہے، اس لئے کہ یہودیوں کو اپنے صوبہ میں اپنے ہم جنسوں کو آباد کرنے کا پورا اختیار ہو گا، مرکزی حکومت کو بظاہر عرب یہود اور انگریزوں میں مشترک ہوگی، لیکن درحقیقت انگریزوں کی نگرانی میں ہوگی، یہودیوں کی دولت اور ثروت کے سامنے معاشی مشکلات کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا، اس لئے اس دستور کی رو سے یہودیوں کے لئے فلسطین کا دروازہ بالکل کھل جائے گا، اور اس وقت جو تھوڑی بہت رکاوٹ ہے وہ بھی جاتی رہیگی۔

— ۱۰۰۰۰ —

اسی کے ساتھ عربوں کے پھانسنے کے لئے زرین دام الگ بچھایا جا رہا ہے، چنانچہ ایٹنگھام امریکی کانفرنس نے عرب ممالک کی ترنی کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے کے دلفریب نام سے امریکہ کی حکومت سے

تیس لاکھ ڈالر کی سفارش کی ہے، جس میں سے پچیس لاکھ عربی ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے بطور قرض دیئے جائیں گے، اور پانچ لاکھ کا عطیہ خالص فلسطین کے عربوں کی تلاح و بہبود پر صرف کیا جائے گا، یہ گویا فلسطین کی قیمت ہے، لیکن عرب اس قسم کی امداد و اعانت کے نتائج بہت بھگت چکے ہیں، اب وہ اس قریب میں نہیں آسکتے،

— >>> —

فلسطین کے مسئلہ کے حل کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں ہے، کہ اسے عربوں کا وطن مان کر یونین کا داخلہ باطل بنادیا جائے، اب دنیا کے حالات ایسے ہیں، کہ برطانوی شہنشاہیت کو نہ قریب سیات بچا سکتا ہے، نہ امریکہ کی امداد و اعانت اور نہ یہودیوں کا سرمایہ، اگر کسی شکل میں برطانوی حکومت کا وجود باقی رہ سکتا ہے، تو صرف سچائی اور اخلاص کے ساتھ دوسری قوموں اور ملکوں کے اعتماد کے ذریعہ،

— >>> —

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شائع کردہ ایک پمفلٹ سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اس کی زیرنگرانی ادارہ تحقیقات علوم اسلامیہ کا قیام عمل میں آگیا، اس کی مجلس انتظامیہ بھی بن گئی، کانفرنس نے نوادہ کے کاموں کی ابتدا کے لئے اس سال کے بجٹ میں دس ہزار کی رقم منظور کی ہے، سات ہزار کتابوں کا ایک کتب خانہ اور نادرقلمی کتابوں کا مقصد یہ ذخیرہ بھی فراہم ہو گیا ہے، لیکن ادارہ کے پیش نظر جو عظیم الشان کام ہیں، ان کے لئے یہ رقم کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اس لئے اس کے محترم صدر ذاب صدر یا جنگ بھادرمو لانا حبیب الرحمن خان شرانی نے قوم سے پانچ لاکھ کی اپیل کی ہے،

— >>> —

ادارہ مذکور بشرطیکہ اپنی مجوزہ نقشہ کے مطابق قائم ہو جائے مسلم یونیورسٹی ڈبھیل کا سچ سے کم اہم نہیں ہے، جس قوم نے اس کے بے دو سال کے اندر پچاس لاکھ کی رقم مہیا کر دی کیا وہ پانچ لاکھ کی رقم ادارہ کے لئے فراہم نہیں کر سکتی، اگر اس کے لئے بھی پوری جدوجہد کی جائے، تو یہ رقم آسانی کے ساتھ چند دنوں میں جمع ہو سکتی ہے، لیکن صرت اپیل سے کام نہیں چل سکتا، یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ جو ارادہ کان انتظامی کی طویل فہرست میں علوم اسلامیہ کے ماہرین کے صرت دو چار ہی نام ہیں اور اگر دینی علوم کو بھی علوم اسلامیہ میں شامل بھیجا جائے، تو یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے،

— >>> —

## مقالہ

### مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟

مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۲ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۱۳۳ھ میں دلی میں وفات پائی، ان کو طاہر نصر آبادی نے اپنے تذکرہ میں جس کو اس نے ۱۰۵۳ھ میں بیدل کی زندگی میں ایران میں بیٹے کر تزیب لاجپوری لکھا ہے،

بندہ ابن خوشگو جس نے بیدل سے ان کی آخر زندگی میں دلی میں بارہا ملاقاتیں کی ہیں، ان کو لکھا کہ  
 الوطن لکھا ہے، میر غلام علی آزاد نے جو بیدل کی وفات کے وقت، ابرس کے تھے، اور جن کے سامنے  
 خوشگو کا بیان موجود تھا، اپنے تینوں تذکروں، یہ بقیہ، سردار زادہ، خزائنہ عامرہ میں ان کی جاے پریش  
 تصریح کے ساتھ پٹنہ عظیم آباد لکھی ہے، سب سے عجیب بیان مجموعہ نغز کے مصنف میر قدرت اللہ قاسم کا ہے  
 جس نے اپنا تذکرہ ۱۲۲۱ھ میں ختم کیا ہے، اس نے بیدل کو بخاری المولد بتایا ہے، اعلیٰ قلی درایت نے جس کا  
 تذکرہ ریاض العارفین ۱۲۶۱ھ میں ترتیب پایا ہے، ان کو دہلوی لکھا ہے،

ان بیانات پر نظر ڈالنے سے بیدل کے مولد و منشا کی تعین میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے، لیکن حقیقت  
 یہ ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے مختلف حصوں میں مختلف شہروں میں اقامت پذیر رہے، اس لئے ہر ایک نے  
 ایک مقام کی طرف اہمیت منسوب کر دیا، بخاری المولد کہنا البتہ صحیح نہیں ہے، اگر وہ ان کے آباد محلہ  
 علیہ الذیل لا یربر ہی پٹنہ میں سینہ خوشگو کا جو نسخہ ہے وہ آزاد بلکالی کی ملک میں رہ چکا ہو، اس پر ان کے دستخط ہیں،

کا مولد ہو تو جو اگر ان کا تو قطعاً سنیں، نصر آبادی کے اس بیان کی کہ بیدل لاہوری تھے، خوش گونے اپنے سفینہ میں اسی زمانہ میں تردید کر دی تھی لیکن خود خوشگو کا یہ بیان کہ بیدل اکبر آبادی الاصل تھے، اس تصریح سے خالی ہے کہ اکبر آبادان کی جاسے پیدائش بھی تھی، ہو سکتا ہے کہ ان کے بزرگوں نے ترکستان چھوڑنے کے بعد اکبر آباد کو وطن بنایا ہو، لیکن بیدل کی پیدائش وہاں نہیں ہوئی کیونکہ ہرموطن کا مولد ہونا ضروری نہیں، ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بیدل کا مولد و منشا رصوبہ بہار تھا جس کا دارالحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، اور ہے اس دعویٰ کی شہادت میں اولاً میر غلام علی آزاد جیسے محقق کا بیان ہے جس نے تین تین جگہ اس کی تصریح کی ہے، ثانیاً خود بیدل کے اشارات میں جن سے قیاس میں یہی آتا ہے، کہ ان کا مولد و منشا راکم از کم ان کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گذرا ہے، چنانچہ میر غلام علی آزاد مدینہ بیان لکھتے ہیں :-

”اصلش از قوم ارلاں در بلدہ پٹنہ متولد شد و ہندوستان نشو و نما یافت“

سر آزاد میں ہے :-

”از نژاد قوم ارلاں است، در بلدہ عظیم آباد پٹنہ از زمان خانہ عدم شہرتان وجود

خواہد در ہندوستان نشو و نما یافت“

خزانہ عامرہ کی عبارت یہ ہے :-

”اصلش از گروہ ارلاں در بلدہ عظیم آباد پٹنہ از شہرتان عدم بوجہ کدہ ہستی در سید و در بلاور

ہندوستان نشو و نما یافت، دور جنگ لمبیرتہ بسر کی کرد“

عبدالوہاب افشار نے بھی اپنے تذکرہ بے نظیر میں اپنے استاد آزاد کی تقلید میں ان کو

عظیم آبادی کہا ہے،

بیدل کی کچھ جوانی کا اور بڑھاپے کا بڑا حصہ دہلی میں گذرا، اور وہیں وفات بھی پائی، اس لئے

۱۔ ایک ترک قبیلہ،



اگر کسی نے انھیں دہلوی کہا تو اعتراض کا موقع نہیں ہے، تبدیل بطریق سیاحت لاہور بھی جاتے رہے ہوں،  
جیسا کہ بابا حسن ابدال ان کا جانا خود چار عشرین ہے جس کے راستہ میں لاہور پڑتا ہے، لاہور کا آخری سفر  
اپنی وفات سے دو سال پہلے کیا تھا، ۱۳۱۳ھ میں جب سادات بارہم نے فرخ سیر کے ساتھ زیادتی کی تو  
بیدل نے اس کی تاریخ سادات بونے ٹکرائی کر دیکھی، اور اس کی شہرت ہوئی، تو بیدل نے دہلی سے جھانگ  
لاہور عبداللہ خان ناظم لاہور کے یہاں پناہ لی، اور سال دو سال بعد سادات کے فتنہ کے فرو ہونے کے بعد  
پھر دہلی لوٹ آئے، اور وہیں ۱۳۳۳ھ میں وفات پا کر اپنے گھر کے صحن میں مدفون ہوئے، اس بنا پر اگر لڑیا  
میں ان کے قیام لاہور کی خبر پہنچی، اور وہاں کسی نے ان کو لاہوری لکھ دیا، تو مخالطہ ہو سکتا تھا،

اصل اختلاف بیان خوشگوا اور میر غلام علی آزاد کے درمیان ہے، اور دونوں مصنفوں کا زمانہ بھی  
قریب ہی، یعنی بیدل کی وفات کے وقت خوشگوا دیہڑ ہوں گے، تو آزاد نوخیز، اس لئے ان دونوں کے  
بیانات میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ خوشگوا کے بیان کے مطابق بیدل اکبر آبادی الوطن  
اور آزاد کے بیان کے مطابق عظیم آبادی المولد تھے،

یہ بات کہ چٹنے اُن کی جا سے پیدائش تھی یا نہ تھی، خواہ مشتبہ ہی ہو، لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں  
کہ انھوں نے اپنا ایک اچھا خاصا زمانہ پورب کے شہروں اور قصبوں میں گزرا، چنانچہ معتبر راوی خوشگوا  
اپنے سفینہ میں رقم طراز ہے :-

”پس آنحضرت بطریق سیاحی رو بہ مشرق نہاد، عزیمت فرمودہ مدت درحد و ممالک بنگالہ

و بہار و اڑیسہ باز آگئی دیے یعنی بسر بردہ دشت و بیابان پیمودہ عجائب قدرت الٰہی تماشا نمودہ

اکثر اذ خصو صیات آن بھگم در جہاں غضر کجا نشسته قلم راست رقم اوست و ہم در آن ایام بسیار

نعمت درویشی نیز نصیب او گردید، از آنجا بیکلک پیہر کاٹھا رہا ہندوستان رسید و چند روزی بنگالہ

اکبر آباد اقامت وزیر، و باز دارا سخاۃ شاہ بھان آباد رسیدہ کج عزلت گزید

خوش گوئی اس عبارت سے ظاہر ہے، کہ بیدل ایک مدت تک پورب میں رہے، اس لئے اُن کا عظیم آبادی شہر ہونا بے اصل نہیں ہے، اب ہم ان کی کتاب چار عشرہ سے ان شہروں کا پتہ لگانے ہیں، جہاں جان ان کا قیام رہا یا ان کی آمد و رفت رہی، اور اس سلسلہ میں خود ان کے کچھ ذاتی حالات بھی زیرِ قلم آئیں گے،

بیدل صوفی منش اور مشائخ اور بزرگوں کی ملاقات کے مشاق رہتے تھے، ان کی تصنیفات میں چار عشرہ ان کے صوفیانہ ذوق و شوق اور نکتہ شناسی اور بزرگوں کی ملاقاتوں اور باتوں کے تذکرہ سے معمور ہے، بیدل کے والد قادری الشرب تھے، اور حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت سے فیضیاب تھے، اور عجیب نہیں کہ انھوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر اسی مناسبت سے رکھا ہو، بیدل لکھتے ہیں،

”تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بواسطت آن

ذات قدس آیات بود (ص ۳۰۱)

بیدل کے چچا مرزا قلندر بھی اسی خیمہ سے فیضیاب تھے،

”مرزا قلندر رحمہ من از نسبت ہم حریکیش کھلاہ میاہات، بر عرش عزت می سودا آوازہ سلسلہ  
قادریہ از رسائی قدرش شہر گردون کندے پایہ مدارج سلوک با شقامت ہمتش منفرد

سر بلند می (ص ۳۰۱)

بیدل کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا، باپ کا انتقال تو ان کے بچپن میں ہو چکا تھا، مگر چچا کا سایہ مدت

تک اُن کے سر پر رہا، اور انہی کی تربیت میں یہ پل کر جان ہوئے اس لئے سپاہیانہ اور صوفیانہ ذوق ترکہ

۱۵ کتاب مذکورہ لکھنؤ میں بھی ہے،

مین پایا، بیدل نے اپنے چچا کی شہزوری اور پرغوری ص ۳۳۳، اور اپنی شہسوار ص ۳۲۲ کے اور خوشگونی اپنے سفینہ مین بیدل کی پرغوری کے واقعات لکھے مین جوانی مین اپنے صوفیانہ درس و تلقوی کی پردہ داری کے لئے سپاہیانہ ملازمت کا پیشہ اختیار کیا۔

"ماچار تتبع سنت اکابر گردید و طریقہ سپاہ گزید، تا طبیعت بیچ خرسند از اخلاص تعین درع

چند در سایہ تیغ امان داشتہ باشد، در جم غرور تقوی بسر داری، این وضع دامن ناموس بے تعینی

نخواست (ص ۳۰۰)

بیدل کو بچپن سے تنوید و عملیات کا شوق تھا، اور اسی راہ سے وہ تصوف کے کوچہ سے آشنا ہوئے اور گو وہ موروثی طور سے قادری تھے، مگر اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے ان پر نقشبندیہ اور مجددیت کے اثرات غالب معلوم ہوتے ہیں، وہ اپنی نثر و نظم میں جو نئے بیان اور جن حقیقتوں کو ظاہر کرتے ہیں، وہ تمام تر وحدت شہود و ظہور، اسرار و صفات تعین، بے تعینی، فنا، تجرد، استغناء کے مضامین ہیں جو ان کے اشعار و کلمات میں بجا آتے رہتے ہیں،

بہر حال سپاہیانہ طور سے مختلف صوبوں میں ملازمت کے خیال سے یا تجرد کے عالم میں بزرگوں

سے ملاقات کے شوق میں وہ مختلف شہروں میں پھرتے رہے ہیں، ان کی مسافرت کا مغربی سلسلہ چار عشر کے نفیس سے بابا حسن ابدال کے قصبہ پر جو پشاور کے قریب واقع ہے ختم ہوتا ہے، یہاں ان کے فیض تعین سے ایک جوگی جو وحدت شہود کے مسلک میں ان کا ہم عقیدہ تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی نسبت کا قائل ہو کر اسلام لایا، اور ان کی سیاحت کا مشرقی لفظ اڈیہ کا شہر کٹک ہی جہاں اوس زمانہ میں مولانا یعقوب چرخ کی پوتے خاندوران سید محمود صوبہ دار تھے (ص ۳۴۵)

بیدل کے سفر کے مقامات میں مغرب میں بابا حسن ابدال اور پورب میں اڈیہ کے علاوہ زیادہ تر

ہوٹی اور بہار کے شہر اور قصبے ہیں، پتھر اور بندرا بن میں کئی سال رہے ہیں، اکبر آباد آئے گئے ہیں، اور بہار

کے مختلف شہروں میں اُن کی آمد و رفت رہی ہے، مگر ان تمام مقامات پر اتنا قصار کی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچپن سے جوانی تک ان کا تعلق زیادہ تر بہار کو رہا اور جوانی سے بڑھاپے تک اور اخیر زمانہ درہی میں گذرا،

اوپر گزر چکا کہ ان کے والد اور چچا قادیان میں مشرب صوفی تھے، مگر یہ فیض ان کو بہاری میں ایک شیخ وقت سے حاصل ہوا، بیدل نے غفر اول میں اپنی ظاہری و باطنی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح بیان کیا کہ:-

”وہ بچہ ہی تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی، مان نے اپنے بچہ کو چھٹے سال چھٹے مہینے (رجب) میں پڑھانے کو بٹھایا، دسویں برس کی عمر میں قرآن پاک ختم کر کے فارسی نظم و نثر اور عربی صرف و نحو کی کتابیں تمام کیں، اسی میں ان کی رسمی تعلیم کی آخری حد ہے، اس کے بعد جو کچھ پایا وہ معلم نظر کی تعلیم کا نتیجہ ہے (ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱)“

اس ظاہری تعلیم کے اختتام کے بعد ہی وہ صوبہ بہار کے ایک بزرگ شاوکل قدس سترہ کی خدمت میں پہنچ گئے، جو ان کے والد اور چچا کے پیر تھے (ص ۳۰۱)۔

”اکون از کمال تعلیمی استاد مہنوی کہ بہ حال توجہ شان نسخہ آراء تفصیل حقائق است،  
سطرے چند فی لحار و ذکر صحبت فیض منقبت ایشان از منقبات توفیق بیان می شمارد،  
استفادہ صحبت عارفی گوہر دریائے یقین رونق انجمن شرع مبین، ہادی عالم فیض، توفیق خضر،  
مرحومہ دمر تھیں، آیہ حقائق مثال، مولانا شیخ کل کہ تلمیذین والد شریعت فیروز روح مقدس  
حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بواسطہ آن ذات تقدس آیات بود  
مرزا قلندر عجم من از نسبت ہم حریف کش کلاہ مہاباوت بر عرش عزت می سودا و آوازہ سلسلہ قادریہ  
اندوہانی تدریس مستتر گردون کندہی و پایہ مدارج سلوک با مقامات ہمیشہ معجز سر برندی،  
حقیقت اخلاقی انوار کینہ سیاسی چون نور آفتاب روشن و معنی عظمت و کبریا سر پرانی چون

رفت از اخلاق میرین، ہم در ادب قواعد شریعت نسق زمانہ و ہم در علوم ارشاد طریقت استاد گشت  
..... در مالک بہار برین نگاہ ہدایت پناہ جمع ازدادی ضلالت در گذشتند و موصول ستر مل

توفیق صلاح گشتند..... (ص ۳۰۳)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیدل کے والد بزرگوار جو بیدل کے بچپن ہی میں جب وہ چھ برس کے بھی نہ تھے، وفات پا چکے تھے، اور ان کے والد حضرت شاہ کمال بہاری کے صحبت پروردہ تھے، اور ان کے چچا مرزا قلندر بھی جو بعد کو اپنے یتیم بھتیجے کے دلی تھے، انہی بزرگ کے خوشہ چین تھے۔ یہ بزرگ کمان رہتے تھے، بیدل کے یہاں سے صاف نہیں معلوم ہوتا، مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرسہ بنارس بہار میں ایک مقام تھا، یہاں ان کا قیام تھا۔

سرسہ بنارس کہ موضع است از نواح مالک بہار (ص ۳۰۰)

سرسہ بنارس نام کا کوئی مقام مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا، آگے چل کر لکھتے ہیں۔۔۔

”مرزا قلندر ما چندے در قصبہ رانی ساگر کہ پین توطن مولانا شیخ کمال اتخار دینیۃ الاولیاء

داشت، اتفاقاً قامت بود..... از بنارس تا رانی ساگر فرسخ بیش بود (ص ۳۰۰)

یہاں چھپا ہوا بنارس ہے مگر غالباً صحیح سرسہ بنارس ہے، جس کا ذکر پہلے گذرا، مرزا قلندر

رانی ساگر جا کر شیخ کے پاس پہنچا تو یہاں مقیم رہتے تھے (ص ۳۰۴) رانی ساگر میں خوشنما تالاب تھا (ص ۳۰۳)

بیدل شیخ کمال کی صحبتوں سے آغا ز شباب ہی سے مانوس تھے، اور چچا کے ساتھ اس بارگاہ اقدس

میں پہنچے تھے، اور ان کے معارف و حقائق سے بہرہ مند ہوتے تھے، (ص ۳۱۵)

رانی ساگر صوبہ بہار میں آ رہا شاہ آباد سے اٹھارہ میل اور پٹنہ سے پچاس ساٹھ میل پچیم اب بھی آباد

اور تالاب بھی موجود ہے، یہی وہ مقام ہے، جان بیدل کے باپ اور چچا نے تلقین کا فیض پایا، اور بیدل

کے دل و دماغ نے وہاں سے آبیاری پائی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بیدل کا مولد اگر پٹنہ نہ بھی ہو تو ان کا منشا یعنی ان کی ابتدائی نشوونما کی جگہ بہار ہی کا کوئی مقام ہے۔

شاہ کمال صاحب قدس سرف سے ایک اور ملاقات کا ذکر بہار کے قصبہ آروہ میں جواب ضلع بنہ بیدل نے کیا ہے،

”دراستہ کہ قصبہ آروہ اتفاقیہ امر اتفاقاً بود، ادیم افروز زمین حسین قدس ماشا اللہ سعادت فی اندوخت (ص ۲۱۹)

دوسرے حلقہ رشونی کے ساتھ مرزا قلندر بھی شاہ صاحب کے ہم کاب تھے،  
”خصوص مرزا قلندر کہ درہرین موسے زبانی داشت، امر مون ستایش کماش اور ہر خیر پیش نفس  
بیانی مصروف تذکرہ احوال (ص ۳۱۹)

سنتہ میں جس سال شاہ شجاع نے شاہ جہان کی بیماری کے زمانہ میں بنگال اور بہار میں اپنی سلطنت کا علم کھڑا کیا، بیدل پٹنہ میں یا پٹنہ کے پاس ہی کہیں مقیم تھے، اس زمانہ میں اس ملک کی جو کیفیت تھی، اور اس پاس کے راجے اور زمیندار جس طرح ملک میں ہنگامہ برپا کر رہے تھے، اور اس سے ملک میں جو بد امنی پیدا ہو رہی تھی، اور راستے جیسے خطرناک ہو گئے تھے، اس کا بوجہ حال غصہ جہارم میں کئی صفوں میں لکھا ہے، اور صوبہ بہار و پٹنہ کا حال جس طریقہ سے لکھا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صورت سے پوری طرح آشنا تھے، اور یہاں کے زصرت شہروں بلکہ گاؤں سے بھی واقف تھے، بلکہ کہیں کہیں جا کر رہے بھی تھے، لکھتے ہیں۔

”سالے کہ شاہ شجاع بن شاہ جہان بیماری پر دراسکہ مضمون سلطنت اندیشہ از خطہ

بنگال تا سرحد مالک بہار..... درآغلہ تسخیر فواج تربت کہ شمالی حدود پٹنہ ملے است عظیم و

کہستانی شغل برجہین عقبات (ص ۵۵)

شاہ شجاع کی طرف سے بتیل کے چچا مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا عبداللطیف ترہت میں فوج کے افسر تھے، (ص ۵۵۱) بتیل بھی ترہت میں کہیں رہے اور دتھے، ایک مقام پر پہنچے، جس کا نام چاند چور بتایا جا رہا اور وہاں کے عجائبات خیالی کا ایک واقعہ حالہ قلم کیا ہے (ص ۵۵۲) اور آخر وہ کسی طرح،

”بسوا دامن آباد پٹنہ رسید“ (ص ۵۵۴)

ایک اور موقع پر پٹنہ کا ذکر کرتے ہیں،

در بندہ پٹنہ دفاتی معارف اتفاق مرزا ظریف (ص ۵۵۵)

پٹنہ سے پچاس ساٹھ کوس دریا سے گنگا کے اوس طرف منظر پورا اور موتیہاری کے بیچ میں مسمی نام ایک قصبہ تھا جواب بھی ہے، اس قصبہ میں بتیل کے چچا مرزا قلندر بھی سکونت پذیر تھے، اور بتیل ان کے ساتھ تھے،

(ص ۵۵۶) مسئلہ میں جب شاہ شجاع کا ہنگامہ سرور پڑ رہا تھا، مرزا قلندر نے اسی مسمی کے راہ

سے بنگال کا رخ کیا اور اپنا سامان داساب میں چھوڑ دیا، (ص ۵۶۶)

مسمی میں اس وقت کوئی بزرگ خواجه شاہ محمد تھے، ان کے تابعوں میں جان محمد تھے، انہی کے پڑپ

میں مرزا قلندر کی سکونت تھی، (ص ۵۶۶)

اسی بدامنی کے زمانہ میں بتیل کو اس قصبہ میں جانے کی ضرورت پیش آئی (ص ۵۶۶) جمعیت

کے بجائے تنہا ایک ملازم کو لیکر پیادہ چل پڑے، پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی، راہ میں بے حد تکلیف ہوئی، لنگا سے پارا توڑ تین کوس ہی گئے تھے، کہ تھک گئے، کسی طرح جنابہر تک پہنچے، پھر تین کوس اڑ

چلتے تھے، کہ باطل بے بس ہو کر پٹ گئے، اتنے میں دیکھا کہ ایک پیر مرد ایک گھڑی پر سوار سامنے آئے، تو ریا کہ

بڑی گرجوئی سے سلام کیا، اور اس تباہ حالی کے ساتھ سفر کا سبب دریافت کیا بتیل کے وہ پرانے

لئے داتے تھے، مگر بتیل ان کو پہچان نہ سکے انھوں نے کہا،

”مسحان محمد از تابان خواجه شاہ محمد کہ درسی با مرزا قلندر شن نسبت ہماگی دیوار

بدیوار است،، (ص ۵۶۶)

انھوں نے بڑے اصرار کے ساتھ بیدل کو اپنی گھوڑی پر سوار کیا، اور خود پیادہ ساتھ ہو کر اور

دونوں مسی کی طرف چلے،

”بہنگام نماز عظمیٰ تردد بسواہ امورہ مسی رسید، پیر زلف تجر بردر واہ خواجه شاہ محمد

ایشادہ بود“ (ص ۵۶۶)

لوگوں کو بیدل کی آمد کی خبر ہوئی، تو سب خوش ہوئے،

”فردائے آن کہ پسران خواجه برسم قدیم صحبت فقیر در یافتند“ (ص ۵۶۹)

ان لفظوں کو پھر پڑھئے کہ خواجہ صاحب کے لڑکوں نے رسم قدیم کے مطابق بیدل سے ملاقات کی، اور

صحبت رہی۔ رتعات بیدل کے آخرین ایک رقعہ بہار کے کسی بزرگ کے نام کا ہے جس کا آغاز ان

لفظوں سے ہوا ہے،

”نعم عیش صوبہ بہار مبارکباد و قبلہ آرزو سے بیدلان ہر جذبہ عبودیت قدیم پہنچ جائے از ادا

خدمات سر بر نمی آرد“

ان اقتباسات اور حالات سے ظاہر ہو گا کہ بیدل کو صوبہ بہار سے مورد فی تعلق تھا، اور اگر

اس کو عظیم آبادی کہنے میں تامل ہو تو بہاری کہنے میں تو مطلقاً تامل نہیں، اور اکثر تصباتی لوگ بہاری

کے بجائے عظیم آبادی ہی کہلاتے ہیں،

آخر میں عظیم آبادی کے شرفا کی زبان پر بیدل کے متوطن عظیم آباد ہونے کی جو کما فی سینہ سبب

نقل ہوتی چلی آئی ہے، ہم اس کو ذکر کرتے ہیں، شاہ عظیم آبادی اپنی تاریخ صوبہ بہار میں جس کو انھوں نے

منشاء میں لکھا ہے، لکھتے ہیں :-



”مرزا عبدالقادر تخلص بیدل خاص غلام بادشاہ کے متوطن تھے، مآثر وائی ابناء سے بعد کار کے  
سب سے وطن کو چھوڑ کر عہد دولت شاہجہان میں دہلی گئے، اور وہاں نہایت معزز و مکرم ہوئے،  
..... اگلے دو گون سے سنا ہے کہ مرزا علی بیٹن ٹیوی میں رہتے تھے لیکن  
کسی تاریخ میں نہیں دیکھا“ (ص ۲۲۰)

چہاں عصفریں میری تلاش میں دو دفنہ اکبر آباد کا ذکر آیا ہے،  
”دربندہ اکبر آباد منظور ابراہیم کا مگر کہ بدیل سعادت ازلی اوقات گرامی مصروف خدمت  
نقرا داشت، اور احترامیکہ لائی حال این طائفہ است..... بحکم حسن اعتقاد فقیرانیز  
ازین فرقتہ تصور فرمودہ (ص ۴۹۲)  
دوسرا موقع :-

”تا بتانے در گوشہ از رویاے اکبر آباد گرمی ہاے صحبت تنہا یم، بساط عافیتہ  
پر داختہ بود“ (ص ۵۴۹)

مگر ان کے ان فقر و فاقہ میں سے کسی سے بھی بوسے وطن نہیں آتی،

## کلیا شہلی ارد

مولانا شہلی کی تمام ارد و نظون کا مجموعہ جس میں متنوی صبح امید تصاد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے  
اور وہ تمام اخلاقی سیاسی، مذہبی، ادبی تاریخی نظمیں جو کان پور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی  
وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، انہیں درحقیقت مسلمانوں کی چل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے۔

قیمت :- ۵۰

”نینجر“



اسلام کا تصور اجتماع

نفس جذبہ اجتماعیت انسان کی اصل سرشت میں داخل ہے، اس لئے یہ کہنا کچھ مشکل نہیں کہ جذبہ اجتماع کسی جدید داعیہ انسانی کی پیداوار نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک جزو لازم الفک ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مختلف انسانی وحدتیں حرکات اجتماع ذاتی دے اعتبار سے متضاد نظریہ رکھتی ہیں، ہر وحدت کا نظریہ اجتماع دوسروں سے مختلف ہے، اور ہر نظریے میں ہر لمحہ تدریجی یا فوری تبدیلی کا امکان ہے۔ کیونکہ جب سے انسان نے انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم اٹھایا، تدریجی طور پر اس کے تصور اجتماع و اشتراک میں تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی، اجتماعیت کا ہر نیا دور پہلے دور کی نسبت وسیع تر ہوتا چلا گیا، انسانی عقل و شعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ حیات اجتماعی کے دائرے بھی بدلتے رہے، تاریخ کے ابتدائی دور میں اجتماع ذاتی دے تصور نہایت تنگ دائرہ میں محدود تھا، یعنی چند افراد کا ایک کنبہ یا بے خود ایک متقل وحدت شمار ہوتا تھا، دوسرے دور میں جب کہ علاقائی میں نسبتاً توسیع پیدا ہو گئی، کنبہ سے آگے خاندان کا تصور پیدا ہو گیا، جو پہلے دور کی نسبت اک گونہ وسعت رکھتا ہے، اسی طرز پر قبیلوی، علاقائی اور وطنی تعلق کی بنا پر افراد انسانی کے تصور اجتماع و امتیاز میں پہلے کی نسبت توسیع ہوتی چلی گئی، نظریہ اجتماع کی یہ وسعت درحقیقت انسان کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور اس کے فکر و نظر کے تدریجی ارتقاء کا قدرتی رد عمل (درمی انکشن) ہے، اگر اس کی تشخیص اور حد بندی میں انسان کے ذاتی عوامل طبع حب النفس اور غرض پرستی کے کردہ جذبات کو بہت بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جذبہ اجتماع اپنے اثر و نتیجہ کے اعتبار سے دنیاوی انسانیت کے لئے ہمیشہ رنج و ثواب ہوا ہے، اگر اس کے فتنہ کی تحدید قانون قدرت کے ماتحت ہوتی، تو عالم انسانی ان نامساعد واقعات و حوادث سے یقیناً محفوظ ہوتا،

قدرت الہی کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ اجتماعیت کے اس مقدس جذبہ کو رنگ و نسل کے امتیاز، خاندانی اور قبیلوی عصبیت، لسانی اور ثقافتی اختلافات، وطنیت و قومیت کی تحدید اور امارت و غربت کی طبقاتی تقسیم کے لئے وقف کر دیا جائے، اور انہی بنیادوں پر افراد انسانی کی مہیت اجتماعی کی تشکیل ہو

اور پھر ان غیر فطری محرکات و داعی کی بنا پر عالم انسانی کو ہزار ہا طبقوں میں تقسیم کر دیا جائے، یہاں تک کہ ان خود ساختہ امتیازی خطوط کے نام پر جنگ و قتل کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے، غرض انسان نے اجتماعیت کے مقدس جذبہ کو قدرت کی حذو و اقدار کے ماتحت استعمال نہیں کیا، بلکہ اس کو جو اپنے نفس کے خبث سے ملوث کر دیا،

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ فیاضی، شجاعت، اور تمام ایسی صفات انسان کے لئے مایہ عز و شرف ہیں مگر ان کے غلط اور بے محل استعمال اور حد اعتدال سے متجاوز ہونے کی صورت میں یہی اعلیٰ صفات انسانی سوتلی کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں، سرمایہ و دولت فی ذاتہ بری چیز نہیں لیکن اس کے ناجائز مصرف میں ہزار ہا ہلاکت آفرینیاں پوشیدہ ہیں، اسی طرح اجتماعیت کا داعیہ انسانی فطرت کا قدرتی نتیجہ ہے، مگر اس کے منشا کے تعین و تحدید میں انسانی عقل نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے،

خانی ارض و سما نے جہاں انسان کو پیدا کیا، وہاں اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ارسالِ رحل اور انزالِ کتب کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ خدا سے قدوس کا علم انسانی فطرت کے تضرع و داعیات کو محیط ہے، اور اسی کا بھیجا ہوا ضابطہ حیات انسان کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے، خود انسان کی کم مائیگی اور بے بسی کا تو یہ حال ہے کہ وہ خود اپنے ہی نفع و نقصان اور سود و زیان سے آگاہ و نہیں، چہ جائیکہ وہ عالم انسانی کی اصلاح و بہبود کے لئے کوئی جامع دستور حیات مرتب کر سکے،

ماہرہ ہونٹ و تخمین تو زبون کا راجات

گذشتہ جنگ و فساد اسی عقلیت محضہ کا نتیجہ ہے جس نے عالم انسانی کو اضطراب و ہرجائی کے جہنم میں ڈھکیس دیا،

فالعقل عندی ان تزول عقول

و بالعقل تنعم العوم علی العشا

اسلام جو ایک خدا کی مضبوط حیات ہے، درحقیقت انسان کی طبیعت کی حرکت کے نشوونما مضبوط فطرت کے اندر اور حیات انسانی کے متعنا و قوی میں توازن اور نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے ایک قانون طبیعت اور جمیع دستور حیات ہے اور اس کے اصول و نظریات اٹل ناقابلِ تنسیخ اور غیر متبدل ہیں جب خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا، تو اس کو زندگی بسر کرنے کے لئے ہدایت و رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی اور وقت انسان اول کو ان الفاظ میں یقین دلایا گیا،

امایا تبتیکم مئی ھدیٰ فمن تبع ھدیٰ فلا خوف علیہ ولا ھو یخونون

اس آیت میں ھدیٰ کا لفظ اسی نظریہ حیات کے لئے استعمال ہوا ہے، جو اسلام کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور یہی سب سے پہلا اور آخری خدا کی لائحہ عمل ہے،

مگر انسان کچھ ایسا جدت طراز اور غرض پرست واقع ہوا ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے ذاتی مفاد کی سنگین سے دیکھنا چاہتا ہے کسی بات کے ذاتی من و تنج پر غور کرنے سے پہلے ہوائے نفس کی بارگاہ سے اجازت طلب کرنا ضروری خیال کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جذبہ نفسانیت کسی ایسے امر کو پسند نہیں کرتا جس میں اس کے کُڑ کوئی سامانِ راحت و تعیش موجود نہ ہو، اور نہ کسی پابندی کو برداشت کر سکتا ہے تاہم تنقید اپنے لئے فراہم کوئی راستہ متعین نہ کرے، یا اس کو اپنے منشاء کے مطابق نہ بنائے ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب کہ انسانوں میں ہوائے نفس کے جذبات زدیدہ ترتیب پا کر انتہا تک پہنچ جاتے ہیں یہاں تک کہ خدا کے مقدس دین میں بھی، رد و بدل کر کے اس کو ہوائے نفس کے قالب میں ڈھال دیتے ہیں

خلف من بعد ھو خلف : ان کے بعد ایسے لوگ کتاب اللہ کے

در ثوا الکتب یا خذون : وارث بنے جو متاع دنیا پر ٹٹنے لگے،

عرض ھذا لا دینی ویقولون : اور دعویٰ یہ کہ ہمیں مزد و بخش

دیا جائے گا،

سیغفر لنا (اعراف - ۲۱)

ان کے بعد ایسے مابہل و ماضف پیدا ہوئے جنہوں

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا

نے ذرینہ نماز چھوڑ دیا، اور خواہشات کی

الصلوة و اتبعوا الشهوات

پیروی کرنے لگے،

(مریم - ۶)

ہر نبی کی آمد و حقیقت دین کے اخلاص اور تجدید و اصلاح کی غرض سے ہوتی ہے، اور دین میں

غیر دین کی آمیزش سے جس قدر تحریف ہو جاتی ہے، نبی کا کام یہ ہے، کہ وہ اس کو ان آمیزشوں سے منقطع

اور صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کرے، اور اس کو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اتار دے،

يُرَكِّبُهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْحَكِيمَ

ان کو پاک کرتا، اور ان کو کتابت سکھاتا ہے،

یعنی تزکیہ قلوب اور کتاب و حکمت کی تعلیم انبیا علیہم السلام کا فرضیہ حیات ہے،

نبی کی عظیم الشان اور مقدس شخصیت نظری اور عملی دونوں قوتوں کی حامل ہوتی ہوئی انسانوں میں

فکری اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے اس کی پراسرار صلاحیتیں مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنادیتی ہیں

اپنی دعوت حق سے دلوں کی قدیم کو حیرت انگیز طریقوں پر فتح کر سکتا ہے،

تیسے کہ آسمان نش ازینیں خود و ہر آب

تنہا جان بگیرد، بے منت سپاہی

یہاں تک کہ بہت تھوڑے عرصہ میں وہ اپنے ساتھ ایک زبردست فعال اور سراپا عمل جماعت پیدا

کر لیتا ہے، اس جماعت کے افراد میں مابہ الاشتراک وہ نظریہ حیات ہوتا ہے، جو نبی کے توسط سے اس کو

ملتا ہے، یہی وہ وصف خاص ہے، جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے، اور اسی کو طبعی یا فطری داعیہ

اتحاد کا نام دیا جاسکتا ہے،

سید الماولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث کیا گیا جب کہ تمام عالم انسانی پر جہالت

و غایت کے گھٹا لوپ بادل چھا رہے تھے، ہر قوم اور قوم کا ہر فرد دین الہی سے کلیتہً سبکا نہ ہو رہا تھا،

اور اس ساری کائنات میں خاص دین کا کین نام و نشان ہمکین ملتا تھا، خدائی فلسفہ اجتماع و سیاست اور صحیح طریق عبادت پر خود غرضی، جاہ پسندی اور ضلالت و گمراہی کے تہ در تہ پردے پڑے ہوئے تھے، حریت و آزادی، دہم جوہریت و مساوات کے نام سے بھی کوئی روشناس نہ تھا، ملوکیت و شہنشاہیت کا ہر طرف سکھ روان تھا، غریب طبقہ ملوکیت کے سفاک ہاتھوں سے پامال ہو چکے تھے، اُس زمانہ کی کیفیت خود افصح العرب و اجماع المسلمین کی زبان مبارک سے سنئے،

وَاتَّ اللهُ نَظْرًا اِى اَهْلِ الْاَرْضِ	خدائے عزوجل نے اہل زمین پر نگاہ ڈالی
فَمَقَّهْ عَرَبِيَّهً وَّعَجَمِيَّهً اَلَا	تو اہل کتاب کے چند افراد کے سوا عرب و عجم
بَقَا يَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ وَّقَالَ	سب کو (ان کی بد اعمالی کی وجہ سے) نگاہ
اَلنَّاسُ بَعَثْتُكَ لَا يَتْلِيكَ وَاَبْتَلٰ	عقابے دیکھا فرمایا، میں نے آپ کو اس لئے
بَلَدًا وَاَنْزَلْتُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَا يُفْضِلُهُ اِلَّا	مبعوث کیا ہے، کہ آپ کے صبر کا امتحان
رَاخِرُجْهٖ مَسْلُوْعًا عَنِ عِيَاظِ بْنِ	کروں، اور آپ کے ذریعہ دوسرے لوگوں
حَمَارٍ الْمَجَاشِعِي	کا بھی اور میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل
	کی ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا

الابقیاء من اهل الكتاب سے یہود و نصاریٰ کے وہ چند افراد مراد ہیں، جو اس زمانہ میں بھی کتاب اللہ کی ہدایت پر قائم تھے، ورنہ اکثر اہل کتاب ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے، اس کے لئے قرآن کریم کی شہادت کافی ہوگی،

وَلَمَّا اتَّبَعْتَ اَهْوَاۡئَهُمْ	اے نبی اگر آپ یہود و نصاریٰ کی قمت
بَعْدَ الَّذِیْ جَاءَکَ مِنَ الْعِلْمِ	رجس کو قرآن کریم (ہم سے تعبیر کرتا ہے)
مَالِکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ ذٰلِیْ وَلَا تُضِیْرُ	کا اتباع کریں گے، تو خدا کے متا بلہ میں

اے نبی اگر آپ یہود و نصاریٰ کی قمت

آنحضرت ﷺ نے نہایت قلیل عرصہ میں انسانی فکر و عمل میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، اور ایمانداروں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی، جو ایمان و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے نوری انسان کے لئے بہترین نمونہ بنی جس نے اطرافِ عالم میں پھیل کر عظیم الشان فکری انقلاب پیدا کیا، اس طرح پر اسلام عرب سے اٹھا، اور کائناتِ انسانی کے دل و دماغ پر چھا گیا، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیادوں پر ایک نئی جماعتِ عالم وجود میں آگئی، جس میں بلائی ظالمک و نسب ہر خاندان ہر قبیلہ اور ہر ملک کے انسان شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ یہ نئے طرز کی جماعت دنیا کی عظیم الشان قوم بن گئی، جو نظریۂ اجتماع و سیاست، اتھقا و معیشت، تمدن و ثقافت اور مخصوص فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتی ہے،

ملکہ ابیکہ ابراہیم و ہوسہماکو      تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ  
المسلمین، (الایہ)      تمہارا نام مسلمان رکھا،

اسلام میں اجتماع و اتحاد کا تصور فلسفہ مابعد الطبیعی ایک فکری اساس پر مبنی ہے، کسی جزائی قبیلوی اور نسلی بنیاد پر نہیں، اور اسلام کی انقلابی دعوت حیاتِ انسانی کے تمام فکری و ذہنی اور عملی قوی کو ایک مخصوص اور متعین شاہراہِ عمل پر چلانا چاہتی ہے، اور اس کا منشا یہ ہے کہ رنگ و نسل کی تفریق، انسانی و ثقافتی امتیازات و غربت کی طبقاتی تقسیم اور مزد و بوم کی جزائی حد بندیوں کے علی الرغم عالمِ انسانی کو ایک عالمگیر وحدت اور بین الاقوامی جماعت میں تبدیل کر کے انسانوں کے خود ساختہ غیر فطری معیارِ تفوق و امتیاز کو کلیۃً ختم کر دے، نسلی اور قبیلوی برادریاں ایک عظیم الشان برادری میں گم ہو جائیں، وطنیت کی تحدید زبانِ امم و ملک کا اختلاف اس اخوتِ عمومی کے راستہ میں مائل نہ ہو، اس عالمگیر برادری کا نام ہے وحدتِ اسلامی،

خاتم الرسلین ﷺ کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان کی



نبوتِ قوی اور کسی خاص خطہ ارضی یا کسی خاص قوم کے لئے تھی، اس بنا پر حضور اکرم ﷺ سے پہلے کوئی عالمگیر اور جاتِ نظریہ زندگی موجود نہ تھا، اور نہ کوئی بین الاقوامی حیثیت رکھنے والی جماعت یا قوم تھی، اس لئے قدرتی طور پر عالم انسانی کئی واحد و بن بن منقسم تھا، ہر واحدہ کی خصوصیاتِ قومی، اور شعائر ملی جدا گاتہ تھے، اور پھر ان میں سے ہر ایک کے خود ساختہ طنو و طریق اور رسم و رواج نے ایک متقل تفریق پیدا کر رکھی تھی، مگر آنحضرت ﷺ کی بعثت سے درحقیقت عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت میں تبدیل کرنے کی مہم کا آغاز ہوتا ہے،

هُوَ الَّذِي ارْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ،  
مسند احمد بن حنبل میں ہے،

عن المقداد اِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ	دوسے زمین پر کوئی ایسا گھر نہیں رہے گا
اللَّهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا يَبْقَى عَلَى	کہ اللہ تعالیٰ اس کو کلمہ اسلام سے مشرّف
اَظْهَلَ لَادْرُسَ بَيْتٍ مَدْرُودٍ لَا دُبُرَ	نہ کریں گے، باعزت طریقہ پر یا ذات کے
اَلَا اَدْخَلَهُ اللَّهُ حِكْمَةَ الْاِسْلَامِ	ساتھ، کسی کو عزت و کبر کلمہ اسلام کا
بَعْدَ عَزِيزٍ وَذُلٍ ذَلِيلٍ اَمَّا لِيُزْهِقَهُ اللَّهُ	اہلِ بناو دے گا، اور کسی کو ذلیل کر کے
فِيْجْعَلَهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يَزِيْجَهُمْ فَيَذَلُّوْهُ	اس کے آگے جھکا دے گا، راوی
لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ	نے عرض کیا تو دین کل خدا کے لئے
(اخو جہ احمد)	ہو جائے گا،

اسلام کی دعوتِ عمومی کا منہاسے نظریہ ہے، کہ تمام چھوٹی بڑی وحدتیں کلمہ اسلام کی اس پر ایک عالمگیر وحدت میں تبدیل ہو جائیں، اور کائنات ارضی بن کسی دوسری وحدت کا وجود تک نظر نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ احادیثِ نبوی میں تمام افراد انسانی کو ایک ہی اخوتِ بشری کے اعضاء و ارکان

کلکم من آدم و آدَم و من ثواب تم سب آدم کی اولاد ہو آدم مٹی سے

(مشکوٰۃ)

پیدا ہوئے،

عن زید ابن ارقم کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد

یہ دعا فرمایا کرتے، اے ہمارے اور ہر چیز

کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں، کہ تویی

رب ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب

میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور

رسول ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب

میں گواہی دیتا ہوں، کہ سارے انسان

کلہم اخوة (دراۃ احمد و ابوداؤد) بھائی بھائی ہیں،

اس حدیث میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ توحید و رسالت کی حوکہ شہادت کے بعد تیسرے درجے

میں اس عالمگیر اخوت انسانی کا تاکید اعلان کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کے تمام مابعد الطبعی

مسائل میں توحید و رسالت کے نظریے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان پر ہی اسلام کی پوری عمارت

تعمیر ہوئی ہے، یعنی اسلام کے تمام فکری اور علمی نظریے توحید و رسالت پر مبنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث

میں سب سے پہلے توحید و رسالت کا اقرار کیا گیا ہے، اور اس کے بعد اسلام کی اخوت عمومی کا اظہار کیا گیا ہے،

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وحدت انسانی کا نظریہ بھی اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے،

اس عالمگیر برادری میں وجہ اتحاد صرف رب تعالیٰ کی معبودیت کا اعتراف اور اس کی غیر مشروط

اطاعت ہے، اس کی ربوبیت عام پر یقین رکھنے ہوئے ارباب بائیں دُونِ اللہ سے علانیہ اظہارِ نیرائی کرتا ہے،

اور پھر خاتم المرسلین ﷺ پر کلاماً ایمان لانا ہے،

کو نوا عباد اللہ اخوانا (بھائی)

اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بھائی بھائی

قومیت و وطنیت کا تصور رنگ و نسل کے امتیازی خطوط اور خاندان و قبیلہ کی عصبيت کو اس اغتِ عمو میں کوئی دخل نہیں یہ مقدس برادری انسانوں کے بنائے ہوئے امتیازی تصورات سے بہت بلند ہے، مگر بد قسمتی سے انسان کی مصلحت کو شیون اور غرض پرستیوں نے ہمیشہ اس میں رخنہ اندازی کی ہے، اور اس کو اپنے اغراض و مصالح کے تہہ پر دون میں چھپا کر نوعِ انسانی میں غیر فطری حد بن دیا۔ ان قائم کر دین، خود غرض اور طماع انسانوں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا، کہ تمام انسانوں کو مساوی طور پر زندہ رہنے کا حق دیا جائے، بلکہ انھوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ ہزار ہا بھولے بھالے انسانوں کے ہجوم پر ناجائز تسلط قائم رکھیں، اور ان کے جائز حقوق کو بے دردی کے ساتھ پامال کرتے رہیں یہ طبقاتی نظام اجتماع ان درندہ صفت انسانوں کا پیدا کردہ ہے، جو اخلاق و انسانیت کے لئے باعثِ تنگ بین، اجنبی، حاکمانہ شان اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہزاروں ماکر وہ گناہانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، اور اربابا مین دون اللہ بن کر اپنی طرح کے انسانوں کو اپنے تختِ جلالت و جبروت کے سامنے جھکانے کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں، جو سب سے پہلے ہر اصلاحی دعوت کے مقابلہ میں غرور و تمرد کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس کو کچلنے کے لئے اپنی تمام مادی طاقتیں وقف کر دیتے ہیں، اسیم و زر کی تھیندیاں کھل جاتی ہیں، اور داعیانِ حق کو ڈرانے دھمکانے اور ایذا پہن دینے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا جاتا، قرآنِ کریم ان سفاک اور ناپاک انسانوں کو متر فین کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَوْمِيهِ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا

ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو

قَالَ مَتْرُوقًا ۖ هَٰذَا بَصَائِرُ سَلْمَتِ

وہاں کے خوشحال (دولت مند) لوگوں

بلکہ کافرون (الایہ) نے یہ کہہ دیا کہ تمہارے پیغام کو ہرگز تسلیم نہ کریں گے،

سرمایہ دارانہ نظام اجتماع | سرمایہ داری اگرچہ ایک جدید اصطلاح ہے، جو غریب اور دولت مند طبقوں اور اسلام کے باہم طبقاتی نزاع و تصادم نے پیدا کی ہے، مگر جہانگیر اس کے منشا و مصداق کا تعلق ہے، یہ ایک نہایت پرانی حقیقت ہے،

نسلِ آدم میں جب اجتماع و تمدن کا ابتدائی شعور پیدا ہوا تو اس کے ساتھ ہی مختلف الطبائع انسانوں میں نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے ریاست کا تصور بھی عالم وجود میں آگیا۔ اس کی ابتدا بھی ابتدائی اجتماعیت و مذہبیت کی طرح نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے ہوئی تھی مگر آہستہ آہستہ اسی معصوم تصور ریاست نے خود غرضانہ ملکیت، استبداد شخصی اور مطلق العنان آمرت کی شکل اختیار کر لی، اور اب یہ چند پرست فساد و فحشاء کے ذاتی خود غرضانہ وداعی اور ہوس اقدار کی تکمیل کے لئے ایک مذہب بن گئی، چند افراد جو فہشتہ زیادہ مکار و خود غرض اور سیاست کار تھے، انھوں نے دوسرے لوگوں پر حاکمانہ تسلط قائم کر لیا، اور اپنی اپنی قوت و طاقت کے زور سے غریب طبقوں کے ذرائع آمدنی پر بھی دست تجاوز بڑھانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ انھوں نے اپنے حاکمانہ وسائل کے بل بوتے پر زندگی کے ایسے ظالمانہ طرز و طریق ایجاد کرنے کہ پس منہ طبقوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا، دراصل یہی چیز نظام سرمایہ داری کا بنیادی پتھر ہے، اور اس نے جہانگیر انسانی کے مرتب اور مضبوط اجزاء میں بد نظمی اور بے ترتیبی پیدا کر دی ہے،

دراصل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد میں ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ان منتشر، غیر منظم اور غیر مضبوط اجزاء کی اندر نو شیرازہ بندی کریں، اور انسانوں کی پیدا کی ہوئی غیر نظری طبقاتی تقسیم کو مٹا کر انسانوں کو وحدت دینی میں شامل کر دیں، جس میں ملک و نسب اور غربت و امارت کا کوئی امتیاز نہ ہو، نظام سرمایہ داری کے پیدا کردہ رسم و رواج اور طرز و طریق کی جگہ اخوت و مساوات کے خدائی ضابطہ عدل کے اجراء و نفاذ کی جدوجہد کریں،

وَلَقَدْ ارْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ اَمْ نَجْعَلُ الْاَسْمَاءَ كَالْاَسْمَاءِ الْاُولٰٓئِكَ

اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اتاری

لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید)

تیزان کا لفظ ایک محسوس چیز (ترازو) پر اطلاق ہوتا ہے، مگر اس جگہ ایک غیر محسوس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی خدائی ضابطہ عدل، کیونکہ یہ ضابطہ بھی مختلف انسان کی طبقات اور حیات انسانی کے تفاوت اور غیر متوازن اجزاء میں توازن قائم کرنے والا ہے،

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد غیر مرتب اجزاء کی ترتیب اور نظم پیدا کرنا ہے، مگر جو لوگ مطلق النہی اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کے خوگر بن چکے ہیں وہ کسی ایسی پابندی کو انسانی کے ساتھ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جس میں ان کو اپنے حاکمانہ اقتدار اور سرمایہ پرستانہ اغراض سے دست بردار ہو کر ان احکام اللہ کی ابدی صداقت کے سامنے جھکنا پڑتا ہو، کیونکہ انسان کے لئے اور قسب کچھ آسان ہے، مگر حاکمانہ اقتدار اور جاہ و شہرت کو از خود چھوڑ دینا سب سے زیادہ مشکل ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا نقطہ آغاز ہی انسانی مراکز اقتدار و حکومت کو ختم کر کے قوت و اقتدار کے مرکز اعلیٰ یعنی خدا سے واحد کے سامنے تمام انسانوں کو جھکا دینا ہے، قبیلہ و نسب اور سرمایہ و دولت کے ناپاک بتوں کو توڑ کر صرف احکام الہامی کی معبودیت کا اعلان کرنا ہے، یعنی انبیاء کی تعلیمات کی اساس یہ ہے کہ کسی انسان کو انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں، اور کسی انسان کو یہ اختیار ہرگز نہیں دیا جاسکتا، کہ وہ دوسروں سے اپنے احکام کی تعمیل کرائے، یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے،

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ

سوا عینینا وبنیکر ان لا نعبد الا

اللہ ولا نشترک بہ شئاً ولا

اے اہل کتاب! آخر ایک ایسی بات کی

طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مساوی طور پر

مسلّم ہے، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت

تَتَّخِذُ بَعْضُنَا لِبَعْضٍ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ

بنائیں، اور بجز اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے

قرآن کریم میں ہر ایسی غیر مسئول شخصیت کو جس کے احکام میں انتقاد کی گنجائش نہ ہو رب

سے تعبیر کیا گیا ہے،

یہود نے اجار کو اور نصاریٰ نے رہبان اور پوپ کو یہی حیثیت دے رکھی تھی کہ ان کے احکام کو خواہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہی ہوتے، امام بانی کی طرح بغیر کسی نقد و جرح کے تسلیم کر لیا کرتے تھے۔  
اتَّخَذَ الْاَحْزَابُ دِهْمًا دُرَّهْمًا بَعْضُهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ (الایہ)

اسی طرح قدیم یونانی پادشاہت اور روم کی جاہلانہ ملوکیت عوام کے سامنے جوابدہ نہ تھی، اور ان کو بھی غیر مسئولانہ درجہ حاصل تھا، جاپان کا بادشاہ تہذیب و تمدن کے موجودہ دور میں بھی خدائی قوت کا حامل اور مافوق الفطرتہ شخصیت تصور کیا جاتا ہے، قرآن کریم ان تمام باطل طاقتوں کو ارباباً مِّنْ دُونِ اللّٰهِ سے تعبیر کرتا ہے، کیونکہ اسلام میں یہ منصب صرف احکم الحاکمین کو ہی حاصل ہے، اور پھر تعینت کے طریق پر اس کے برگزیدہ انبیاء کو جو خدائی احکام کے مبلغ ہیں، اور جن کی منصوبیت پر خود خدا سے قدوس نے ہر تصدیق ثبت کر دی ہے خدا اور رسول کے سوا پوری کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو غیر مسئولانہ مقام رکھتی ہو، اور اس کے احکام کی بغیر کسی خدائی سند کے پیروی کرنا ضروری ہو،

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانُ اَنْذَرُوْنَ سَبِّحْ بِهٖ كَمَا جَاءَتْ اِهٖ كَقَمِّ

اِذَا دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَقُولُوْا

سَمِعْنَا وَاطَعْنَا وَاُولَٰئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ (نور)

تیار رہیں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

غرض اس باطل تصور حاکمیت کو ختم کرنا انبیاء عظیم السلام کی دعوتِ حق کا نقطہ آغاز ہے اور یہی وہ بنیادی حقیقت ہے جو وقت کے برسرِ اقتدار عناصر کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، چنانچہ یہی اونچے طبقہ کے لوگ بنی کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور آخر دم تک تمام امکانی ذرائع و وسائل سے اس کی مخالفت کرتے ہیں، کبھی بنی کی پر تقدس شخصیت کو گون کی ہچکاہون سے گرانے کی سعی کی جاتی ہے،

فَقَالُوا اَنْزِلْنَا مِنْ لَدُنْهُمْ يَنْزِيلًا مِثْلًا وَتَوَهَّمَا  
لَنَا عَابِدُونَ (مومنون - ۳)

(مومنوں - ۳) غلام چلی آتی ہے،

کبھی بنی کو کاہن اور ساحر کلمہ لوگوں کو ان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور کبھی اقتدار و حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آ جاتی ہے، اور بنی کے قتل کی سازشیں ہونے لگتی ہیں، کبھی یہ لوگ بنی اور اس کی مقدس جماعت کو غربت و افلاس کا طعنہ دیتے ہیں، اور اپنی شانِ امارت کو صداقت کی سند قرار دیتے ہیں،

كُوْكَانَ خَيْرًا اَمَّا سَبَقُوْا نَا  
(الذیہ)

اگر دین اسلام بھی کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ گھٹیا درجہ کے لوگ ہم سے سبقت

نہ لے جاتے،

یعنی خدا نے جس طرح ہمیں ہر طرح کا سامانِ راحت و تیش دے رکھا ہے، اگر اسلام بھی کوئی اچھی چیز ہوتی، تو اس سے ہم کس طرح محروم رہ سکتے تھے؟ یہ بھی ہمارے ہی حصہ میں آتی، اور یہ نفس لوگ جس طرح ہر طرح کے اسبابِ عشرت سے محروم ہیں، اسی طرح اسلام سے بھی محروم ہوتے نال و دلت کی بہتات اور اولاد کی کثرت نے ان کو عذابِ الہی سے مطمئن کر دیا تھا،

مَنْ يُّكْفِرْ بِالْاَوْحَادِ لَا ذَلَالَةَ لَهَا فَخُذْ  
ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں اور

بمعدن، (الایله) ہم کو عذاب بھی نہ ہوگا،

غرض حق و باطل کی یہ کشمکش آج سے نہیں، بلکہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے، سرمایہ و دولت کے پرستاروں نے ہر زمانہ میں اپنے مخصوص مفاد کے تحفظ کے لیے اہل حق کا مقابلہ کیا، اخلاق اور انسانیت ہمیشہ ان کی وحشت ناک یون پر ماتم کرتی رہے گی، مگر اس قسم کے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے واقعات اگر ازمنہ غفلت تک ہی محدود رہتے، تو کوئی بات نہ تھی، مگر سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہو کہ عہد حاضر کی اقوام جو تہذیب و تمدن اور علم و حکمت کے اعتبار سے بہت آگے جا چکی ہیں، اسفا کی بربریت قبل و معارف، اور غصب و تنب میں اقوام سابقہ سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ موجودہ سائنس کے ہلاکت انگیز وسائل فنان پاک مٹھا کے نئے سرے طرح کی آسائیاں پیدا کر دی ہیں، جو گزشتہ زمانوں میں میسر نہ تھیں، مذہب و ایمان کی پابندیوں کے باوجود گزشتہ جنگ میں نسل انسانی جن ہولناک مصائب و آلام سے دوچار ہوتی رہی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، استعمار پرستی اور زرگری کے کتنے ہی محرکے اس زمین پر دیکھے جا چکے ہیں اگر وڑھا مسعود اور بے کس انسان غرور و تعالیٰ کے ان دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، انسانوں کی نسلیں تباہ و برباد ہو گئیں، سیکڑوں گھرا جڑ گئے، اور ملک کے ملک ویران ہو گئے، مگر امتدار پسندی، اور دولت پرستی کا مہیب دیوانہ بھی کوڑھا انسانوں کو گھٹنے کے لئے منتظر بیٹھا ہے، مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کو تو جانتا ہی کون ہے؟ لیکن ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین بھی ہیں، استعمار کی نذر ہو رہے ہیں، جمعیتہ الاقوام کے، یمن و ہرے کے دھڑے رہ گئے، بین الاقوامی معاہدات کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا، اور ملک گیر کی ہوس کو بوزار کرنے کے لئے بے شمار بے گنہ انسانوں کو خاک و خون میں تڑپا یا گیا، معلوم نہیں نسل انسانی کی یدِ نبی کے دن کب ختم ہو گئے، اور یہ کب تک ان وحشتناک اور زہرہ گداز مصائب کا شکار رہی رہے گی،

ان تیج منها تیج من ذی عظمتہ

والا فانی لا اخاللہ نا حییا



اسلام کا نظریہ سیاست اور فلسفہ اجتماع اس سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور آمرانہ طرز اجتماع و سیاست کے خلاف اعلان جنگ ہے، اس کی پہلی ضرب ملکیت و آمریت، نامانصفانہ تقسیمات، صنفا حریّت، سلب حقوق اور انسانی آئین سازی پر پڑتی ہے، دنیا کے آخری مادی رسول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایسے زمانہ میں ہوا، جب کہ سرطون جمالت و غواہیت کی تیرہ و تار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اس وقت کے خود غرض لوگوں نے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے لئے عجیب و غریب طرز و طریق ایجاد کر رکھے تھے، انسانی شرافت اور معاشی و اقتصادی تفوق کی بنا پر غریب اور مفلوک الحال انسانوں کو پٹا لمانہ تسلط جمارکھا تھا، کمزور اور ذمیغ انسانوں کے گھاڑے پسینہ کی کما کی مختلف ذرائع سے غصب کر لیتے اور پھر ارباباً بن دون اللہ بن کر ان سے اپنے تختِ غرور کی پرستش کراتے، غرض یہ دنیا غریب و بیکس انسانوں کے لئے جہنم سے کم نہ تھی، اگر وڈون انسانوں کی آبادی میں چند مکار اور عیاش اشخاص نے ساری آبادی کے عیش و آرام پر قبضہ جمارکھا تھا، خدا کی زمین ظلم و ستم بکشت و خون قبل و غارت اور غصب حقوق کے بے شمار مظہر دیکھ چکی تھی، آخر غریبوں کی آہیں آسمان کی جانب بڑھیں، بیکسوں کے مالے عرش کے کنگدوں سے جا ملے، اور رب العرش نے کائنات ارضی کے قلب (مکہ منظرہ) میں عالم انسانی کے سب سے بڑے محسن نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی ایک ضرب سے بتان باطل کے پرزے اڑا دیے، ان احکمو الا اللہ کے ایک ہی نعرہ سے دنیا کی مطلق العنانہ آمرتوں کو چیلنج کیا، اور شخصی نسلی، ملکی اور قومی تفاخر کے جاہلی تصورات کو مٹا کر مساوات عامہ کا اعلان کیا، گداؤں کو شاہوں کے ساتھ کھڑا کر دیا، اور غریب کو امیر کے پہلو میں بٹھا دیا،

امی بود کہ انداز حرکت (د) واقعہ ستر نہا نخانہ، تقدیر بنیدیم

اصل مایک شرر باخت رنگے بود آ یک نظر کرد کہ خورشید جہا نگیر شدیم

کپ سے پہلے ہزاروں نبی اور مصلح پیدا ہوئے، مگر دنیا کی غریب اور مفلوک الحال آبادی کے کٹھن و رحمت

کی فرید بن کر کس نے نظامِ عالم میں ایک نیا انقلاب پیدا کیا، ملکی قومی اور لسانی تفاخر کے بتوں کو کس نے پاش پاش کیا؟ امارت و غربت اور نسلی شرافت و ذمات کے امتیازی نشانات کو کس نے پاؤں تلے روندنا؟ اس کے جواب میں صرف ہادی عالم سرور کے کائنات ہی کا نام نامی لیا جائے گا،

طبقة احرار کو مخاطب کرتے ہوئے، غریبوں کی عظمتِ شان کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا،  
 هَلْ تَنْصُرُونَ وَتَنْزِدُونَ الْاَلَا  
 دولت مند واکرم اور غریب لوگوں کے  
 توسط سے تمہیں ہر قسم کا مدد اور خود اک میسر  
 بضعفاء کئے،  
 (رواہ البخاری عن سعد بن وقاص) آتی ہے،

ایک موقع پر آپؐ فرمایا کہ جن لوگوں کو تم غلام لکھ کر پھارتے ہو، وہ تمہارے بھائی ہیں ان کو ذلیل مت خیال کرو، جو دکھاؤ ان کو بھی کھلاؤ، جیسا لباس خود پہننا ان کو بھی پہناؤ،  
 ایک دفعہ حضورؐ کو بنی النعاص کے بیٹے نے اپنے قطعی غلام کو سخت پٹیا، استے میں سرور و دجوان صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا، آپؐ نے برہم کی لہجہ میں فرمایا،

مذکور تعبّد ثَمَرُ النَّاسِ وَ قَدْ  
 تم نے ان لوگوں کو کب سے غلام بنایا ہے؟  
 وَلَدَنَاهُمْ اَمْ هُمْ اَحْزَابُ  
 حاکم یہ پاؤں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے؟

آپؐ نے بھرے مجمع میں حضرت عمرؓ بن الخطابؓ کے صاحبزادے کو اسی غلام کے ہاتھوں چڑھایا، اہل عرب دورِ جاہلیت میں نسلی و قومی تفاخر اور خانہ دانی عصیت کے لئے ساری دنیا میں شہرت رکھتے تھے، ان کے زور سخن، نصاحت و بلاغت اور ادب و شاعری کا منتہا سے نظارہ و اجداد کے کارناموں پر فخر کرتا تھا، مگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہلی معقّدات کو نہایت قلیل عرصہ میں ختم کر دیا، عربوں کے اذکار میں عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گیا، ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا،  
 لیس منار من دعا الی عصبیۃ  
 وہ شخص ہماری جامعیت سے نہیں جو عصیت

وَلَيْسَ مَنَامَن قَاتِل عَصَبِيَّةٍ وَلَيْسَ  
کی طرف دعوت دیا عصبیت کے لئے جنگ

مَنَامَن مَاتَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ (صحاح ۲) کہے یا عصبیت پر مر جائے،

احادیث نبوی میں نہیں ملتا کہ تنہا یہی فقرہ آپ صرف ایسی حالت کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے،

جو کفر سے قریب تر اور جماعت مومنین کی یکنیت، دعضویت کے منافی ہوتی تھی اس کی بہت سی مثالیں

احادیث میں ملتی ہیں،

ایک موقع پر کسی شخص نے قومیت و نسب کا نعرہ لگایا، تو آپ نے فوراً اس کو تنبیہ فرمائی،

دَعُوهُ فَإِنَّهَا جَيْشِيَّةٌ (بخاری) اس نعرہ کو ترک کر دو کہ گت برا نعرہ ہو،

قبل اس کے کہ موجودہ نظام جمہوریت کے اجزاء ترکیبی اور اٹھ نکات کی بنا پر اس طرز جمہوریت

کے آٹھ بنیادی تقاضے کا تذکرہ کیا جائے، اور پھر ان نکات کے اعتبار سے اسلامی نظام سیاست کے

جزئیات پر بحث کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی طرز سیاست کی لاشعری حیثیت پر سرسری

تبصرہ کر دیا جائے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو سکے، کہ موجودہ دور جمہوریت و مساوات کی نظر فریب تابانی دراصل

اسی مرکزیت کی ٹہنی ہی جھلک ہے،

ایک چراغیت درین خانہ کے ازب تو آن ہر کجائی نگری انجمن ساختہ اند

اسلامی نظریہ سیاست کی نوعیت | خاتم النبیین ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا ملکیت کے سلاسل

میں جکڑی ہوئی تھی، زمین کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا، جو اس لعنت میں مبتلا نہ ہو اور اس ساری کائنات

میں کوئی ایک انسان جمہوریت کے نام سے آشنا نہ تھا، مگر ظہور اسلام کے ساتھ ہی اس کی سب سے پہلی

ضرب ملکیت کے باطل نظام پر پڑی، کلمہ توحید کی ایک ہی گونج نے مشرق و مغرب میں شہنشاہیت کی

گرفت کو ڈھیلہ کر دیا، اور چند دنوں میں خاص اسلامی نظریہ سیاست کی بنیادوں پر ایک معیاری حکومت

قائم کر کے دکھا دی، اس اسلامی نظریہ حکومت کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے لئے ہمیں دیگر سیاسی نظریات

کی طرف جانے کی ہرگز ضرورت نہیں، موجودہ دنیا میں تمھاری سامنے کوئی ایسا سیاسی نظام نہیں جو اسلام کے نظریہ سیاست کے لئے بطور مثال پیش کیا جاسکے، اور نہ کسی خاص نظریہ کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، اشتراکیت (کمونزم) جمہوریت (ڈیموکریسی)، آمرانہ طرز حکومت (ڈکٹیٹر شپ) یا کسی دوسرے انسانی نظریہ سیاست کو اسلام سے کوئی ادنیٰ مناسبت بھی نہیں، اسلام اپنی مثال آپ ہے، اور خود ہی اپنے مخصوص نظریہ سیاست و اجتماع کا شارح ہے، اسلام کی نسبت بس اتنا ہی کیا جاسکتا ہے،

”الاسلام ھدواک الاسلام“

یعنی اسلام جو کہ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے بالکل جداگانہ اور مستقل باذات وجود رکھتا ہے، اس لئے ہم اسلام کو صرف اسلام کی اصطلاح سے پہچان سکتے ہیں، مگر صرف اس بنا پر کہ اس کا طرز حکومت طوطی شوری پر مبنی ہے، اس لئے اس کے نظریہ سیاست کو جمہوریت سے قریب تر کہہ سکتے ہیں، اگر اسلام کی جمہوریت، موجودہ جمہوریت سے بالکل مختلف ہے، جمہوریت کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے، کہ قانون ساز خود جماعت ہوتی ہے، لیکن اسلام کا قانون الہی ہے، اس میں کسی بندے کو تفسیر و تبدیل کرنے کا اختیار نہیں، غیبت و دست صرف اسکا نافذ کرنے والا ہے، پھر اسلام کا طریق شوری اور طرز انتخاب بھی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، لہذا جمہوریت کے اطلاق سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے، کہ اسلام بھی موجودہ نظام جمہوریت (ڈیموکریسی) کی طرح کا کوئی نظام ہے،

آنحضرت ﷺ کی مقدس شخصیت جامع الشخصیات تھی، آپ کے قول و فعل میں خطا کا احتمال نہ تھا کیونکہ آپ مؤیدین اللہ تھے، مگر اس کے باوجود آپ کو واضح الفاظ میں حکم دیا گیا، کہ آپ حکومت کے کاروبار اور دیگر معاملات میں مومنین سے مشورہ کر لیا کریں،

”وَشَاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ (الانبیاء)

یزال ایمان کے اوصاف میں ایک بڑا وصف ارشاد فرمایا، کہ وہ امور خلافت اور دوسرے

معاملات کو باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں،

”وامرھو شورىٰ بینھم“

امر کا لفظ کتاب و سنت میں حکومت و خلافت کے دو اکثر استعمال ہوا ہے، چنانچہ دَاوِلِی الْاَمْرُ مَنَکُمْ

میں باتفاق مفسرین آدلاً وبالذات حکام سیاست مراد ہیں،

اَنَالَ ذَوِیْ هٰذَا اِلٰہِیْہِمْ سَآئِلَہٗ ہم اس شخص کو حاکم نہیں بنا سکتے، جو اس کا

خوابش مند ہو۔ (بخاری)

میں امر سے مراد منصب حکومت ہے،

بے شمار آیات و احادیث میں امر کا لفظ ان معنوں میں وارد ہوا ہے، لہذا آیات مذکورہ شاذ و دھو

فی الامر، اور امرھو شورىٰ بینھم میں یہی معنی مراد لئے جائیں گے، ان آیات سے قطعی طور پر ثابت

ہوتا ہے، کہ اسلام میں حکومت و خلافت کی بنیاد طریق شوریٰ پر ہے، اور اس میں نظام ملوکیت کی طرح اسبداً شخصی وراثت و ولیعهدی کا کوئی شائبہ موجود نہیں،

اس باب میں احادیث نبوی اور آثار صحابہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہمارے لئے بہت مشکل ہے؛

یہاں صرف چند احادیث و آثار پیش کئے جاتے ہیں جن میں طریق شوریٰ کو شواہد اسلامی قرار دیا گیا ہے،

عن ابی عبیدۃ ابن الجراح ومعاذ اسلام کی ابتدا انبوت اور رحمت سے ہوئی

ابن جبل عن النبی ﷺ ہے اس کے بعد خلافت علی نہماج النبوة

اِنَّہٗ بَدَءَ هٰذَا اَمْرٌ بِنُبُوۃٍ وَرَحْمَۃٍ اور رحمت کا دور آئے گا، پھر ظالمانہ طریق

تَمْرُکَ اَنَّ خِلَافَۃً وَرَحْمَۃً تَمْرُکَ اَنَّ حکومت، اور آخر میں خالص ظلم اور جبروت

مَلَکَ اَعْدَیْہُمْ تَمْرُکَ اَنَّ عُنُوۡا و کی حکومت ہوگی،

جَبُوۡیَۃَ الْحَالِیۡتِ (اخرجہ ابویعلیٰ)

شاہجی نے تو انہات میں اسی قسم کی ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں کچھ لفظی اختلاف کے علاوہ ایک پانچویں دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

انَّ اَوَّلَ دِينِكُمْ نُبُوَّةٌ وَحَمَّةٌ وَتَكُونُ	تھارے دین (اسلام) کا آغاز نبوت اور
فِيكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنْ تَكُونُ تَعْرِيفُهَا	رحمت سے ہے، اور جب تک خدا کو منظور
اللّٰهُ جَل جَلَّالَهُ تَعْرِفُ تَكُونُ خَلْفَةً	ہوگا، یہ تم میں رہے گی، پھر خدا اس کو اٹھائے گا
عَلَىٰ مِنْهَا جِ النَّبُوَّةُ مَا شَاءَ اللّٰهُ اِنْ	اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ہوگی
تَكُونُ تَعْرِيفُهَا اللّٰهُ جَل جَلَّالَهُ	اور یہ بھی جب تک خدا کو منظور ہوگا، رہے گی
تَعْرِفُ تَكُونُ مُلْكًا عَاقِبًا فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللّٰهُ	پھر خدا اس کو اٹھائے گا، پھر ظالمانہ ملکیت
اِنْ يَكُونُ تَعْرِيفُهَا اللّٰهُ جَل جَلَّالَهُ	کا دور آئے گا، اور جب تک خدا کی مرضی
تَعْرِفُ تَكُونُ مُلْكًا جَبَرِيَّةً فَيَكُونُ مَا شَاءَ اللّٰهُ	ہوگی، رہے گا، اور پھر اٹھایا جائے گا، پھر
اِنْ تَكُونُ تَعْرِيفُهَا اللّٰهُ جَل جَلَّالَهُ	خالص جبر و تہر کی حکومت ہوگی جو شہیت
تَعْرِفُ تَكُونُ خَلْفَةً عَلَىٰ مِنْهَا جِ النَّبُوَّةُ	ایزدی کے مطابق ایک عرصہ تک رہے گی
تَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ النَّبِيِّ يَلْقَىٰ	اور پھر اٹھ جائے گی، آخرین، ایک دفعہ پھر
اَلْاِسْلَامَ مَرِيحًا اِنَّهُ فِي الْاَرْضِ	خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا مقدس دور
يَرْضَىٰ عَنْهَا سَاكِنُ السَّمَاءِ وَسَاكِنُ	آئے گا، جس کے اعمال سنت کے طریق پر
اَلْاَرْضِ لَا تَدْعُ السَّمَاءَ مِنْ قَطْرِ الْاَکَا	ہونگے، اور اس دور میں اسلام کو زمین میں استحکام
صَبَّهَ مَدْرًا وَلَا تَدْعُ الْاَرْضُ	حاصل ہوگا آسمان والے اور زمین والے اس دور
مِنْ بَنَاتِهَا وَبَرَكَاتِهَا سُبْحًا اَلَا	سید سے خوش ہوں گے، آسمان رحمتِ خداوندی
اِخْوَجْتَبَهُ،	کی عرسلہ دعا بارش برسانے گا، اور زمین پختہ

وہاں سے سزا کی گئی

ان دونوں روایتوں میں خلافت اسلامی ملکیت جابرہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے، اور پھر دور نبوت اور دور خلافت کو یکساں طور پر رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دور ملکیت کو جبر و قہر اور ظلم و تشدد سے ملکیت کی حقیقت کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حکم ذاتی اور استبداد شخصی کا دوسرا نام ہے، لہذا اسلامی حکومت خلافت وہی ہو سکتی ہے، جو حکم ذاتی کی جگہ طریق شوری پر مبنی ہو،

حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے ایک ایک لفظ سے اسلام کے طرز سیاست و جمہوریت کا پتہ چلتا ہے،

ثُمَّ قَاوِ الْوَبِکْرَ خُطْبَ النَّاسِ وَاعْتِزْ  
خدا کی قسم میں نے کسی دن اور رات  
اَلْیَھِمْ وَاَقَالَ وَاللّٰہُ مَا کُنْتُ حَرِیصًا  
میں امارت کی ہوس نہیں کی، اور نہ مجھے اس  
عَلٰی اَلَا مَادَۃَ یَوْمًا وَاَلَا لِمِلَّةٍ تَطَّ  
کی کوئی خواہش ہو، میں نے کبھی نہائی میں  
وَاَلَا کُنْتُ رَاغِبًا فِیْہَا وَاَلَا مَالَہَا  
یا علانیہ طور پر خدا سے بھی امارت کے لئے سوال  
اَللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فِی سِرٍّ وَاَعْلَا نِیَّۃٍ  
نہیں کیا، لیکن اختلاف میں المسلمین سے ڈر کر  
وَلَکِنِّی اَشْفَقْتُ مِنَ الْفِتْنَةِ وَآلِی  
میں نے اسے قبول کر لیا ہے، امارت میں سیر  
فِیْ هٰذِلَا اَلَا مَادَۃَ مِنْ رَّاحَۃٍ  
لے کوئی راحت کا سامان نہیں، بلکہ مجھ پر  
وَلَکِنِّی کُلْتُ اَحْرَۃً عَظِیْمًا (اخراج علیؓ)

تو بہت بڑا بوجھ ڈال دیا گیا ہے،

انتخاب عام اور طریق شوری کا منشا اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب کہ امارت و خلافت اور نمایندگی کے لئے کوئی شخص خود اپنے آپ کو پیش نہ کرے، بلکہ جمہور اصحاب علم و عمل اور فکر و دانش خود کسی مسلمان کو اس کے اوصاف کے لحاظ سے منتخب کریں، اس طرح ان کو اطمینان خیال کی پوری آزادی مل سکتی ہے، اور حریت رکاعاً ہر قسم کے جبر واکراہ اور ترغیب و ترہیب سے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کے بغیر جب ایک یا چند اشخاص خود ہی امارت و نمایندگی کے لئے بطور ائمہ و ارکان پیش ہوئے تو اسے خاصہ جبر و قہر و تشدد سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، بلکہ اگر

ہر ایک امیدوار کا نیٹ (ٹ) ووٹ حاصل کرنے کے لئے ترغیب و ترہیکے امکانی وسائل استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، جس سے آئندہ دی رائے پر نہایت بُرا اثر پڑتا ہے، اسلامی جمہوریت کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے، جو موجودہ جمہوریت میں کئی طور پر ناپید تھا۔ اب بکر صدیق کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ خلیفہ بنے نہیں، بلکہ بنائے گئے، اور انھوں نے بادل ناخواستہ ملت کو انشراح و طوائف الملوکی سے بچانے کی خاطر یہ منصب قبول کیا،

حضرت عمر فاروقؓ نے وفات سے قبل جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں بھی اسی طریق شوری کا اظہار کیا گیا،

فان عجل بی امرنا خلافتہ شوری  
ان اخصا من سے کسی ایک کو انتخاب  
دَسْئُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم  
وَهُوَ عَنْهُمْ مَوْضِعٌ  
اس حال میں رخصت ہونے کے آپ اُن  
(اخرجه مسلوا بالعلی) سے راضی تھے،

اس کے بعد آپ نے چھ اصحاب کے نام لئے، الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان چھ حضرات کے لئے سفارش کی، کیونکہ یہ سبقت فی الاسلام اور خدمات ملی کے اعتبار سے متقی خلافت تھے، مگر آپ نے کسی کو نامزد نہیں کیا، بلکہ اس کا فیصلہ رائے عامہ کے سپرد کیا،  
حضرت عمرؓ کا یہ قول مشہور ہے :-

لَا خِلَافَةَ اَکَامِنَ مَشْهُودٍ (کنز العمال)

خلافت کا امر اللہ پر اور امت کے مشہود سے ہی طے ہو سکتا ہے،

حضرت علیؓ نے کہ جب حضرت امیر معاویہؓ نے ایک خط میں لکھا کہ آپ کو کس نے خلیفہ بنایا ہے تو



آپ نے نہایت جامع اور مدلل جواب دیا، جس سے اسلامی جمہوریت کے تمام اجزاء معلوم ہو جاتے ہیں، آپ کے اس جواب کے چند فقرے یہ ہیں:

وانتھا الشوریٰ للمہاجرین  
واکھلاضاد فان اجمعتوا علی رجل  
وموکل اما ما کان ذلک رضی  
فان خرج من امر هو خارج  
بطعن او بد علیہ رد ولا الی  
ما خرج منه فان ابی قاتلوا  
علی اتباعہ غیر سبیل المؤمنین  
(نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر)

حق رائے صرت مہاجرین اور انصار کو حاصل  
ہے، وہ جس شخص پر متفق ہو جائیں، اور اس  
کو اپنا امام تسلیم کر لیں، تو یہ جمہوریت کا  
ناطق فیصلہ متصور ہوگا، اگر کوئی شخص طعن  
یادعت کی بنا پر اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے  
تو اس کو اس کے لئے مجبور کرنا چاہئے، اور  
اگر وہ پھر بھی انکار کرے، تو اس سے جنگ  
کی جائے کیونکہ اس نے سبیل المؤمنین کو رکھ

حضرت علیؑ کے ان الفاظ سے عاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں رائے و ہندگی کا معیار  
علم و عمل ہے، اور علم و عمل کے اعتبار سے انصار و مہاجرین سب سے زیادہ ممتاز تھے، مگر موجودہ طرز  
جمہوریت میں علم و عمل اور اخلاق و سیرت کو کسی بعید سے بعید کرنے میں بھی جگہ حاصل نہیں، اس کی تھفیل  
انشاء اللہ آگے چل کر آئے گی،

سیلمان بن عبد الملک نے اپنے بعد محی السنہ حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کو اپنا جانشین بنایا تھا مگر  
حضرت عمر بن عبد العزیزؓ نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ میں غیر اسلامی طرز پر مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا ہوں  
اس لئے خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں،

ایھا الناس انی ابتلیت بهذا الامر  
من غیر رای منی ولا طلبۃ ولا شق

اے لوگو! مجھے میری رائے اور خواہش نیز  
مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر حاکم بنایا گیا ہے،

اس لئے میں اپنی بیعت سے تعین آزاد کرتا ہوں

من المسلمین وانی قد خلعت مانی

اب تم میرے سوا جس کو چاہو، اپنا میر

اعناقکم من بیعتی فاحسبوا

بنالوا

لا نفسکم عنی،

دنیا میں شاید کوئی ایسی مثال نہ مل سکے، کہ ایک عظیم انسان سلطنت کو صرف اس لئے ٹھکرا دیا

گیا، کہ یہ جائز طریق سے حاصل نہیں ہوئی تھی، حضرت عمرؓ ابن عبدالعزیزؓ ہی وہ بلند پایہ انسان ہیں، جنہوں نے شاہانہ وقار اور مسند حکومت کو اصول اسلامی کے لئے قربان کر دیا،

آپ شاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے، اور ناز و نعم میں زندگی گزاری تھی، ان کے والد مصر کے گورنر تھے نیز ان کی اپنی جائیداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تھی عیش و عشرت کے وسائل کی ہر طرح فراوانی تھی، اور اس پر سلیمان بن عبدالملک ایسے باجبروت بادشاہ کی مسند حکومت اور شہمت و دولت بھی ان کے حصہ میں آئی، مگر خدا سے تدوین کو اپنی سے کچھ اور ہی کام لینا تھا چنانچہ اس مردِ خدا نے اپنی زندگی کے قلیل عرصہ میں تجدید دین کا فریضہ مکمل کیا،

آپ نے بالکل طریق سنت اور منہاج نبوت پر خلافت کا نظام چلایا، بنو امیہ کے ردایتی ٹھٹھ کو ترک کر کے فقیرانہ زندگی بسر کی، یہاں تک کہ خلیفہ بننے کے بعد ان کی ذاتی آمدنی پچاس ہزار کے بجائے صرف دو سو اشرفی سالانہ ہو گئی،

تا ابد بوسہ محبت و مشائش نہ رسد

ہر کہ خاکِ درمیخانہ بر خسارِ نرفت

بہر حال خلیفہ عمرؓ ابن عبدالعزیزؓ نے اپنے طرزِ عمل سے یہ دکھا دیا، کہ اسلام کا نظام سیاست درت

نہ جانی کے ملو کہ نہ تصور سے بالکل الگ ہے، اسلام اس جاہلی تصور کو کسی حال میں برداشت نہیں کرتا،

# رفعِ خوف و حزن

از

ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ)

(۱)

حق تعالیٰ میرے مولیٰ و نصیر ہیں، میرے محسن و مکرّم ہیں، میری قوت بازو اور میری پناہ گاہ ہیں!  
ان ہی پر مجھے بھروسہ ہے! میری زندگی کی قوت و حرکت حق تعالیٰ ہی ہیں، ان ہی پر مجھے اعتماد ہے، ہی میرا  
سہارا ہیں!

حَسْبِيَ اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ نِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ!

اللَّهُمَّ ارْنِي اسْمَكَ يَا اللَّهُ يَا حَكِيمُ	اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، اے اللہ
يَا رَحِيمُ يَا جَادِ الْمُسْتَجِيرِينَ يَا أَمَّا	اے رحیم، اے رحیم، اے پناہ مانگنے والوں
الْخَائِفِينَ يَا عِمَادَ مَنْ لَا عِمَادَ لَهُ يَا	کی پناہ، اے ڈرنے والوں کو امان دینے والے،
سَيِّدَ مَنْ لَا سَيِّدَ لَهُ يَا ذُخْرَ مَنْ	سہارا اس کا جس کا کوئی سہارا نہیں، بلکہ اس
لَا ذُخْرَ لَهُ يَا حَرَزَ الضَّعْفَاءِ يَا	کا جس کا کوئی پکیبند نہیں، اے بختیش اس
يَا كَنَزَ الْفُقَرَاءِ يَا عَظِيمَ الرَّجَاءِ	کی جس کی کوئی بختیش نہیں، اے ضعیفوں
يَا مُنْقِذَ الْهَلَكَةِ يَا مَنِّى الْغَوْفَى	کے بچانے والے، اے فقیروں کا خزانہ
يَا مُحْسِنُ يَا مُكْرِمُ يَا مُنْعِمُ يَا مُفْضِلُ	اے بڑی امید، اے ہلاک ہونے والوں کو

یا جبارُ یا مُنیرُ انت الذی سجد  
لکَ سواد اللیل وضو النهار  
شعاع الشمس ونور القمر و  
وخصیق الشجر وروی الماء یا اللہ  
انت اللہ لا شریک لک اسئلک  
ان تصلى علی محمد عبدک ورسولک  
وعلی آل محمد!

بچانے والے، اے ڈوبنے والوں کو نجات  
دینے والے، اے محسن، اے کرم کرنے والے  
اے انعام والے، اے فضل والے آقا،  
اے جبار اے روشن کرنے والے، تیری  
وہ ذات ہے کہ سجدہ کیا تجھ کو رات کی  
سیاحی نے اور دن کی روشنی نے آفتاب  
کی شعاع نے اور چاند کے نور نے، درخت  
کے جاندار اور پانی کے حیوانوں نے، یا اللہ  
تیرا کوئی شریک نہیں، تجھ سے چاہتا ہوں  
کہ رحمت بھیجے تو اپنے بندے اور رسول

محمدؐ پر، اور آل محمدؐ پر،

خون کا تسلسل میرے قلب پر کیسے ہو سکتا ہے جب میرے مولیٰ میرے قریب ہیں، میرے ساتھ  
ہیں مجھ پر محیط ہیں! کسی قسم کی پریشانیوں سے مجھے کیا غم، جب ان کی قوت میرے اندر موجود اور سرگرم  
عمل ہے!؟

”اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی“

”اِنَّ اَدْرَیْ قَرِیْبٌ بِحِیْبٍ، (ہود ع ۵)

سخنِ اُقرب از کتاب حق بخوان      نسبت خود را بحق نیکو بدان  
ہست حق از ما ہما نزدیک تر      مازو درسی گشتہ جو بیان دہد

قرب حق کے اس احساس کو قلب میں لئے ہوئے بن اپنے روزمرہ زندگی کے فرائض کو بے فکری اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرتا رہوں گا، سکون و طمانیت میرے ہر فعل و حرکت سے ظاہر!

”لَا تَخْزَنْ رَأَيْتَ اللّٰهَ مَعَنَا“

سوے نو میدی مرد کا مید ہاست

سوے تار کی مرد خورشید ہاست (ردی)

مجھ پر کون غالب آسکتا ہے، حق تعالیٰ میری قوت بازو ہیں، میرے مولیٰ، اویزا حقیقی!

وما النصر الا من عند اللّٰه! اللّٰهُمَّ انت عَصْدِي وناصري،

دامن او گیر اے یا روبرو! کو منتظرہ باشد اند بالا وزیر! (ردی)

مجھ پر کوئی غالب نہیں آسکتا، کیونکہ میرے قلب سے ہر آن محبت اور خیر خواہی کی ششامیں نکل

رہی ہیں، اُن کے مقابلہ میں غیظ و غضب، طغی و تعریض سب فنا ہو جاتے ہیں، وجود ہی میں نہیں آسکتے!

دشنام خلق راند ہم جزو عجاوب

ابرم کہ تلخ گیرم و شیرین عوض دم! (صائب)

اب میں ہر خوف ہر شہ اور دوساں ہر فکر و غم سے ماور ہوں، اکوئی سہی خیال، کوئی باطل

ظہر، میرے قلب میں جگہ نہیں پاسکتا، میں قطرہ نور ہوں، سراپا نور ہوں، حزن و غم سے دور

ہوں، دُعا مسرور ہوں!

واکشیم لذت و غم را بردن کروم ز دل

چون تھی از مغز گردید استخوان اند ختم (ناصر علی)

خوف کا تسلط اب میرے قلب پر ممکن نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے ساتھ ہیں، ا فکر و درد کا بار

میرے سینہ پر نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے تمام کاروبار کے وکیل و کام ساز ہیں!

قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ وَالْيَمِّ مَتَّابٌ ۚ

(پ ۱۰ ع ۱۳)

پر بھروسہ کر لیا اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے

اسے نافذ از مصلحت مابشوی دست

ما با خداے خویش بکشتی نشسته ایم! (صاب)

میرا دل قوی ہے، خوش ہے، میں خوف سے بالکل آزاد ہوں، کیونکہ میں نے اپنا سارا بوجھ

حق تعالیٰ کے کندھوں پر رکھ دیا ہے، اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے!

فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ

پس اللہ بہترین محافظ ہے وہ ارحم الراحمین

بِسْمِ اللَّهِ افْتَتَحْ وَبِهِ آخِذْ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اسی

اللہ اللہ! کے نام پر ختم کرتا ہوں، اللہ اللہ اللہ

این ہمہ غمها که اندر سینهاست

از غبار و گرد و پاود و دماست

این غمان بخ کن چون داس است

این چنین آن چنان و سواس است (ردی)

ڈرون کس چیز سے جب حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر و موجود ہیں، وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ حَافِظًا!

نعم و حزن سے مجھے کیا سروکار جب حق تعالیٰ میری رہبری فرما رہے ہیں، اور سر روز میرے معاملات

کو اپنی خاص توجہ سے درست فرما رہے ہیں؟ کیا وہ میرے لئے کافی نہیں؟ ان کے ہوتے ہوئے

مجھے کسی کا کیا ڈر؟

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدًا

کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں!

يَخُونُكَ بِالدِّينِ مِنْ دُونِهِ

کیا تجھ کو یہ لوگ اُن سے ڈراتے ہیں، جو خدا

کے ماسوا میں: (درست)

(پ ۲۴ ع ۱)

سینہ انلاک سے اٹھتی ہے اور سوزناک

مرد حق جوتا ہے جب مرعوب سلطانِ امیر (اقبال)

حق تعالیٰ میری راہ کو آسان بنا رہے ہیں، ان کے لئے ہر چیز آسان ہے! مومن کی تائید انھوں نے اپنا حق قرار دے لیا ہے!

كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ

اب مجھے ٹھوکر کا کوئی اندیشہ نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے راستہ کا نور ہیں!

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمُ

اللہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان

مَنْ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ!

لائے، اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر

(پ ۲۷)

یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے،

یارب زکرم امید بے بیم دہ

اے کہ رضا سے ترست تعلیم دہ!

تاریکی عقل در کشاکش دارد

از شمع رضا فروغ تسلیم دہ!

ابین زندگی کے ہر واقعہ کو بلا خوف و ہراس خوش آمدید کہوں گا، اور مظاہر و آثار سے قطعاً

مترود نہ ہو گا، ان میں تو ہر آن تغیر ہے، کوئی دو آن یہ قائم نہیں ہتے اور میں نے ذاتِ ازل و ابدی کو اپنا

مقام بنالیا ہے، ایمان کی مضبوط چٹان پر کھڑا ہوں اور کوئی چیز میرے سکون و وقار کو متزلزل

نہیں کر سکتی!

”كَنتُمْ وَتَكُونُونَ وَأَنْتَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ تَنَادُّ الْعَيْنُونَ وَتَسْكُورُ الْجُجُودُ وَأَنْتَ حَيٌّ

يَوْمَ لَا تَأْخُذُكَ سُنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ“

اے حضرت موسیٰ جب فرعون کے مقابلہ کو چلے اور حضرت رسول اکرم ﷺ علیہ السلام جن کی روانی کے ٹوٹنے کی وجہ سے دبا چھٹے تھے

اور ہر نصیب زدہ کو یہ دبا چڑھنی چاہئے،

ہاشا کہ دلم از توبہ نخواہد شد      یا کبس دیگر آشنا خواہد شد

از نر تو بگسلد کردار و دوست      دزد کوے تو بگذرد کجی خواہد شد

بین حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جو میرے مولانا صبرین جنہوں نے میرے قلب کو ہر غم و حزن  
خون و فکر سے آزاد فرما دیا ہے، اور اس کو سکون و اطمینان سے معمور فرما دیا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ  
حَمْدًا کَثِیْرًا طَیْبًا مُبَارَکًا نَدِیْہِ،

(۲)

ہم پر کوئی حادثہ یا مصیبت نہیں نازل ہو سکتی، مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمائی  
ہی وہ ہمارے مولیٰ ہیں، آقا ہیں، ہمیں اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئیں، ان ہی پر بھروسہ  
کرنا چاہئے، ان ہی کا اسرار و صفا چاہئے، مجھے ان کے در کے سوا کہاں پناہ مل سکتی ہے؟ اور کو  
مجھے پناہ دے سکتا ہے؟!

قُلْ لَنْ يَصِيبَنَا الْاَلَا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ،

(پارہ ۱۰۷ ج ۱۲)

شاو و خدان پیش تیش سرینہ!

ہچو سلیس پیش سرینہ! (رومی)

میرا یہ بچہ ایمان ہے، کہ ہر غم و مصیبت کا بھید و دوقی تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادت

سے ہوتا ہے،

کوئی مصیبت بہون خدا کے حکم کے

ما اصاب من مصیبة الا

نہیں آتی،

بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ ۲۸ ج ۱۵)



جب ہر نصیب کا درد حق تعالیٰ ہی کے حکم و ارادہ سے ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ مجھ پر بعد ایمان<sup>۱</sup> رحیم بن جیسا کہ ان کا ارشاد ہے، کان بالمؤمنین رحیمًا، تو اب جو کچھ بھی ان کی طرف سے پیش آئے گا، اس میں رحمت بھی ہوگی اور حکمت بھی!

جامی از یار پسندیدہ مہریدہ حاشا

کان پسندیدہ ہجیر کا پسندے نکند (ردوی)

حراس کی آنکھ مظاہر و حقائق میں فرق نہیں کر سکتی، خود و بود کے امتیاز سے قاصر ہوتی ہے۔ اسی لئے ناکید فرما دی گئی ہے۔

عسیٰ ان تکرهوا شیئاً و یحیل شاید تم کسی چیز کو بُرا جانو اور حق تعالیٰ اپنے

اللہ فیہ خیراً کثیراً (پ ۱۲۷) اس میں خیر کثیر رکھا ہو،

میری عقل بھی امروز و دوش کی زنجیروں میں پابستہ ہے، تامل نفس ہے حقیقی اقدار سے غافل،

حقیقت سے جاہل ہے، اسے منزل کی خبر نہیں، اس کو حقائق حیات کا علم نہیں!

زین خرد جاہل ہی باید شدن دست و دیوانگی باید زون

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد این عس را دید و در خانہ نشد (ردوی)

ماقل و تابع تو ہی مرو ہے، جو ہوئی دھوس سے آزاد ہے، علم اللہ کا تابع ہے، اس کے

سوا اب ہی بچے ہیں ابادان اور بے عقل!

خلق اطفال اند جرمست خدا

نیست بالغ جز سیدہ از ہوئی (ردوی)

بچہ ہی تو دودھ چھوٹے وقت پریشان ہوتا ہے، سخت تکلیف محسوس کرتا ہے، اس کو ایک

۱۔ بہ صورت بچے اپنے ایمان کی حفاظت ہے،

مصیبت خیال کرتا ہے، لیکن وہی کچھ عرصہ بعد اپنی مان کو دعا بھی دیتا ہے، کہ

ع جزاک اللہ خیرم باز کر دی !

اگر تو میرا درد نہ چھڑاتی، تو میں آج یہ لذیذ اور نفس غذائیں کیونکر کھاتا !

بچہ ہی تو خستہ کو ایک مصیبت غلطی خیال کرتا ہے، اس سے پناہ مانگتا ہے، لیکن اس کی مہربان

مان اس کو نصیبت نہیں سمجھتی !

طفل می لرز در زینش احجام

مادر مشفق از ان غم شاد کام ! (ردی)

مجھ پر جو مصیبت آئی ہے، وہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے آئی ہے، اور حق تعالیٰ میرے آقا اور مولیٰ ہیں، اور مجھ پر رحیم و حلیم ہیں، ان کی طرف سے جو بات بھی آتی ہے، اس میں خیر ہی ہوتا ہے، وہ رحمت سے معمور ہوتی ہے، ہرگز حکمت سے خالی نہیں ہوتی، اس لئے میں اپنی امداد حق تعالیٰ کی ارادت اور مرضی کے تحت کر دیتا ہوں، ان کے فعل سے راضی ہو جاتا ہوں، ان کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہوں، لیکن ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھامے رکھتا ہوں، ادب وہ جس تاریکی میں بھی مجھے لے چلنا چاہے، ذوق و شوق کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوں یقیناً وہ مجھے ہلاک سرسبز و شاداب وادی ہی میں پہنچا دیں گے، وہ میرے مولیٰ ہیں، میرے مالک ہیں، ستر ماؤں سے زیا

مجھ پر رحیم ہیں ! بے ضرورت وہ مجھے آزار ہی کیوں مبتلا کریں گے !

آن کے راکہ چنین شاہے کشد سوے بخت و بہترین جائے کشد

نیم جان بستاند و صد جان و دہ آخرد و رحمت نیاید آن دہا (ردی)

ایسے کریم کا در چھوڑ کر کہا جاؤں، کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں، کس کے قدم

پکڑاؤں ؟

تو کریم مطلق دین گدا چہ کنی جز انیکہ نخواستیم !  
 در دیگرے بنام کہ من بکجا روم چو برانیم !  
 نہ بتقش بستہ مشو شتم نہ بحرف ساختہ سرخو شتم !  
 نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم !  
 ہمہ عمر ہرزہ و دیدہ ام نخلم کنون کہ خیدہ ام !

من اگر بجلتہ تنیدہ ام تو بروں درنشانیم (بدل)

اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَانِيكَ لِلشُّكْرِ يَا اللَّهُ تَبَرَّعْ لِي بِتَعْرِيفِهِ أَوْ تَجْعَلْ  
 وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ وَانْتَ الْمُسْتَعَاذُ لَا تُقْ بِي شَكَايَتِي، أَوْ تَجْعَلْ لِي فَرِيادِي  
 وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، أَوْ تَوْحِي مَسْأَلَتِي، أَوْ تَجْعَلْ لِي سَوَاءً

## تَالِيعِينَ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ  
 تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد انہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونہ عمل ہے، اس لئے  
 سیر السحابہ کی تکمیل کے بعد دارالمنین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ مازہ مرنے مرتب کیا جو  
 اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت حسن بصری، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدین،  
 حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت  
 سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابی شہاب زہری، امام ربیعہ رانی، امام کحل شامی، قاضی شافعی  
 وغیرہ چھپانوسے اکابر تابعین کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کامیابیوں کی  
 تفصیل ہے، صفحات ۶۰۵ صفحہ قیمت: درلہ

”نمبر“

# ثنوی گلزار نسیم کے ماخذ

از

جناب سید نھور حسن صاحب دہلوی

بعض اوقات ردی میں ایسے غیر مطبوعہ پرانے قلمی نسخے ملتے ہیں جن سے عجیب و غریب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، ہمارے پاس دو مثنویان قلمی ہیں جنہیں ہر طرح ثنوی گلزار نسیم کی اصل کہا جاسکتا ہے، ان میں کی ایک ثنوی اردو میں ہے جس کا تاریخی نام باغ بہار ہے، یہ ریحان الدین لکھنوی تخلص ریحانی لکھی ہوئی ہے۔ دوسری ثنوی فارسی میں ہے، یہ رفعت لکھنوی کی تصنیف ہے، افسوس باوجود کوشش بسیار مکمل نہیں مل سکی، لیکن جگہ جگہ تخلص کے آنے سے اس کے مصنف کا پتہ چلتا ہے،

ان تینوں مثنویوں کا ایک ہی قصہ سے تعلق ہے، ایک ہی بحر ہے اور نام اور مقام بھی ایک ہی ہیں، اس کے علاوہ اکثر مصرعون اور شعرون کا لفظ بلفظ ثنوی گلزار نسیم میں موجود ہونا خود اس خیال کا بڑا مؤید ہے، اگر نسیم کی نظر سے پہلے یا دوسری یا دونوں مثنویان ضرور گزری ہیں لیکن حیرت یہ ہے کہ خود نسیم نے اس کا اثر از نہیں کیا، بلکہ اپنی ثنوی کی اصل ایک نثری قصے کو بتایا ہے،

وہ نثر ہے، دا و نظم دون میں

اس سے کو دو آتشہ کروں میں

ثنوی گلزار نسیم کا سنہ تصنیف ۱۲۵۷ھ خود نسیم ہی کے مصرع

توینے قبل روز نشی باد

سے نکلتا ہے، اور باغ بہار کا سال تالیف ۱۳۱۱ء ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گلزارِ نسیم، باغ بہار سے ۴۴ سال بعد وجود میں آئی، ۴۴ سال میں زبان میں جتنی صنائی آسکتی ہے، وہ گلزارِ نسیم اور باغ بہار کے مقابلہ سے ظاہر بھی ہے، اگر اردو زبان نصف صدی گزر جانے پر بھی اسی نقطہ پر موجود رہتی جہاں نصف صدی پہلے تھی، تو یہ ایک مردہ زبان کے جانے کی مستحق تھی، لیکن ہر زندہ زبان ترقی کرتی ہے، اردو زبان کی کوئی زندہ زبان اگر کچھ قبل کی زبان سے مقابلہ کر کے دیکھی جائے گی، تو یہی صورت پیش آئے گی جو یہاں نظر آ رہی ہے،

وقت لکھنؤی نے اپنی فارسی شنوی میں اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ فناء انھیں نثر میں ملا،

یعنی جو کمن بشد زمانہ کم قدر شدہ است این فناء

خواہم کہ بگویشم و گر بار یارب بکشا بم بگفتار

اگرچہ اس شنوی کا صحیح سنہ تصنیف نہیں ملا، لیکن اس کے بعض بعض مصرعون اور شعرون کا ہجو

ترجہ شنوی گلزارِ نسیم میں پایا جاتا ہے، اس سے آٹا پتہ ضرور چلتا ہے کہ رفعت لکھنؤی فارسی کے شاعر نسیم سے پہلے گزرے ہیں،

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نسیم کو کسی طرح یہ قلمی فنویان مل گئی تھیں، اور انھوں نے

ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، ہم اس وقت ان فنویوں کے بعض بعض مقامات نقل کرتے ہیں جن کا

طرز بیان وغیرہ گلزارِ نسیم سے ملتا ہے، ناظرین کی آسانی کے خیال سے ہم نے گلزارِ نسیم کے ہم مضمون اشعار

بھی نقل کر دیے ہیں،

پہلے رفعت کی فارسی شنوی اور گلزارِ نسیم کا مقابل مطالعہ فرمائیے،

نسیم

رفعت

چون مرد کش نکاح وارید بتی سانگہ رکھ کے پالا

رفت

نسیم

شہزادے، مونس چارون تیار

دھت کئے شہ نے چارناچار

سلطان زمین الملوک شہ زور

دیدار پر سے ہو گیا کور

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ ہی کو

بھر دیکھ نہ سکے گا وہ کسی کو

میدان میں خاک اڑا رہا تھا

مٹھی میں ہوا کا تھا منا کیا

ہے چشم پر ہی میں جاؤم دم

شمشا و روان ہوا چن میں

فرخ ترے واسطے ہوئی میں

سب تجھ سے سنی تری زبانی

اے شاہ ارم کی دخت گلفام

فرخ لقب و بکا دی نام

آیا پھر آب رفتہ جو میں

تو بہ کا سا در کھلا ہوا تھا

پھولانہ وہ جامہ میں سما یا

۲۔ غازیہ بہ سفر شد نہ ہر چادر

زیشان بہ برید شاہ ناچار

۳۔ گفتند کہ چشم شاہ شہ کور

ناچید نہ عارض پر نور

بارے چورخش تراہ باید

بینائی چشم تو رہا یہ

۴۔ ہی گشت چو گردہ بدشتے

۵۔ درشت تو بادور پیسما

۶۔ درویدہ کھنچم دمک جا

۷۔ چون سر وہ ہر طرف حلمان

۸۔ از بہر تو اسے بت پر ہی رخ

مشہور شد م بہ نام فرخ

۹۔ حالت بزبان تو شنیدم

۱۰۔ اے شاہ ارم بت گل اندام

فرخ لقب و بکا دی نام

۱۱۔ باز آمدہ آب رفتہ دل جو

۱۲۔ بچون در توبہ در کشادہ

۱۳۔ در جامہ خوشین گنجید

اس مقابلہ سے انمازہ ہو جاتا جو کہ نسیمِ نبوت کا کس درجہ زیر بار احسان ہے، اس کے بعد باغِ بہار آ

گلزارِ نسیم کے اشعار پیش ہیں ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ جہان تک لطفِ زبانِ صفائی ناسدگی،  
روانی خوشنگی کا تعلق ہو باغِ بہارِ نسیم کی ثنوی سے بہت بلند ہے، اس میں وہ مصنوعی صنعت گری بالکل  
نہیں پائی جاتی جس کو گلزارِ نسیم کے مصنف نے کام لے کر اپنے آپ کو ریحان سے آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے

### ریحان

### نسیم

۱۔ یورپ میں ایک تھاشندہ:	تھا زین الملوک نام جس کا
سلطان زین الملوک ذیجاہ	دورانِ فلک غلام جس کا
لشکر کش و تاجدار تھا وہ	یون کہتے ہیں راویانِ آگاہ
دشمنِ گُشنِ شہریار تھا وہ	تھا شرق کی سرزمین میں کوئی

### ریحان تاج الملوک کی پیدائش نسیم

اللقہ غنایتِ خداست	امید کے غمخس نے دیا بار
بٹیا جاسس پر سی لقائے	خورشیدِ حمل ہوا نمودار
بٹیا کمون یا کہ ماہ پارا	وہ نور کہ مدتے ہمارا نور
یا ٹوٹ پڑا فلک سے تارا	وہ رخ کہ نہ ٹھہرے آگے جس پر

### تاج الملوک کا جوان ہونا

طفلی گئی آئی فوجانی	جب نام خدا جوان ہوا وہ
غنجہ لگا کرنے گستاخی	مانندِ نظمِ روان ہوا وہ

### باپ بیٹے کی مڈبھیرٹا اور زین الملوک کا ناجینا ہونا

تقدیر سے شاہزادہ و شاہ	آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
------------------------	-------------------------

## دیکان

## نسیم

باہم ہوے دو بد سیر راہ	فطارہ کیا پسر کا ناگاہ
جب شاہ نے اس پسر کو دیکھا	صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
آنکھوں تلے آگیا اندھیرا	بنیائی کے چہرے پر نقشہ کی
گویا کہ تھی اس جواں کی نقو	مُرب شہ ہوئی خوشی
اس پسر کی آنکھوں کے لئے تیر	کی نور بصر سے چشم پوشی

## علاج کے لئے دوڑا دھوپ

۵۔ سو طرح کی ہو چکی تلافی	تقدیر سے چل نہ سکا نہ کچھ زور
پہنچا نہ اسے علاج کافی	میانہ ہوا وہ دیدہ کوہ
عاجز ہوئے سارے تجربہ کار	
حاصل نہ ہوئی شفا سے بیمار	
۶۔ تھا اک طبیب سن رسیدہ	تھا ایک کھال پیر دیرین
دانا سے جہاں زمانہ دیدہ	عیسیٰ کی تھیں اُس نے نگین
آیا جوئے علاج سلطان	وہ مرد خدا بہت کراہا
کہنے لگا یوں کہ شاہِ حران	سلطان سے ملا کہا کہ شاہا
ہے ایک دوا بہت مجرب	ہے باغِ بکاؤنی میں اک گل
بے سعی مگر لے ہے وہ کب	پلکوں سے اسی پہ مار چنگل
اسے سرورِ قد تجتس	
کہتے ہیں اُسے بکاؤنی گل	



ریحان

نسیم

کر دیتی ہے کور کو وہ بنیا  
یون کھ گیا بو علی سینا

دو ہاتھ میں چاروں اسٹوٹے  
پنجے میں پھنسنے تو بھگتے چھوٹے  
ملتی تھی کھلاڑوں کے کی چوٹ  
نقارہ چوب میں جلی چوٹ

۴۔ اقمقہ وہ چاروں ہی بد اختر  
مدتے ہوئے بیوا کے گھر پر  
وان آیا جو بیوا کا سر کو ب  
نقارہ پہ نور سے جڑی چوب  
معمول تھا یہ کوئی جو آتا  
چوب ایک نقارہ پر لگاتا  
تھا یہ تو بڑا گھمنڈ والا  
نقارہ کو دھر کے پیٹ ڈالا  
ایسا کہ جو کاتب اٹھی حویلی  
اور چوبک پڑھی وہ بیوا بھی  
اندر سے نقارہ کی سن آواز  
کرنے لگی اپنے جی میں انداز  
معلوم نہیں یہ کون آیا  
معمول سے کیوں سوا بجایا

وہ چشم و چراغ بیوا کے  
کرنے لگے تاک بھانک آکے

۵۔ چٹ پٹ لگی چمکیاں بجانے  
چوبے کو اشاروں میں بلانے

## دیوان

## نسیم

یوں لادو کہ مار آیتیں تھا  
چٹکی کے بجاتے ہی وہیں تھا  
بتی تو چراغِ پا تھی خاموش  
بن ہو گئی موش کو فراموش  
لوٹ ہی ہوں نہیں مدلِ مجھکو  
خدمت میں کرو قبولِ مجھکو  
یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ دو جان  
جاتے ہیں کہا خدا نگہبان  
.....

.....

کہنے لگا کیا مرا ہے دستِ واہ  
اسے آدمی زاد واہ واد واہ  
پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد  
رکھیو اسے جس طرح مری یاد  
سو چاکہ یہ زلفِ کف میں لپی  
ہے سانپ کے منہ میں نگہِ دینی  
یہ پھول انہی اڑو ہوں کا ہون  
یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن

شہ کی جو تھا آیتیں مینِ راسو  
چٹکی کی کی صدا جو پہونچی اسکو  
غزایا وہ آیتیں کے اندر  
چوہا وہیں دب گیا جو ڈر کر  
۹۔ اک دن بزبانِ خود ہو گیا  
کی شاہ سے عقد کی تنہا  
۱۰۔ جانا ہی اگر ہے تم کو انا  
تو بہرِ خدا شتاب آنا  
حقِ حافظِ حال ہے سدھارو  
دل سو نیا تھیں، تبھیں خدا کو  
۱۱۔ اور کہنے لگا کہ واہ جی واہ  
یہ تو کوئی اور شے ہے واٹھ  
۱۲۔ ہمیشہ یہ میری ہے امانت  
رکھنا تو اسے بہرِ شفقت  
۱۳۔ جب تاج نے دیکھا وہ سراپا  
سو دل سے ہوا پری پہ شیدا  
پس کھو دیا صبر و طاقت و تاب  
تھا جس پہ ہنوز فتنہ درخواب

## ریحان

## نسیم

چاہے تھا کہ جی سے ہاتھ دھو کر  
جاگر پڑے بے تحاشا اس پر

گل پھین کر ہستی نمونے بالکل  
خندہ نہ ہو برق حاصل گل  
پھر پھین گئے ہے جو زندگانی  
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی  
انگیزی اپنی اس سحر بدلی  
نہر خط عاشقی سند لی  
گل ہاتھ میں شل دست بیضا  
اُس نقب کی آیتیں سے نکلا

یاد آئی اسے پردہ کی حالت  
پھر آگنی دل میں استقامت  
کنے لگا کچھ نہیں ہے یہ کام  
میسوب ہے اس جگہ پہ اقدام  
تجھ پاس ہے ایک کی امانت  
مردوں سے بعید ہے خیانت  
گر تو نے یہ اس جگہ کیا کام  
تو باپ کو ہو چکا بس آرام  
بس لے کے انگوٹھی اس پر ہی کی  
پہنا دیا جھٹ انگوٹھی اپنی  
بے ہاتھ میں گل و نگینہ حال  
نکلا تو سہی پہ رہ گیا دل

جس وقت سیاہ دزد شہ کا  
شخص سے سہر گئی کے د بکا

گلچین نے وہ بھول جب اڑایا  
اور غنچہ صبح کھل کھلایا

## دیجان

روشن ہوئی شرق سے سحرگاہ  
 نکلا شہرِ خاوری کا خسہ گہ  
 اٹھ بیٹھی بکاؤ لی پلنگ پر  
 ہنسہ طلوع مسرِ خاور  
 جس جا کہ نہ ہو صبا کرجات  
 یجاسے چراکے گل کو نگہ  
 مقدور سنیں کہ کوئی بیل  
 اس باغ میں ہوفے عاشق گل  
 یان اور کہ ہو گزریہ معلوم  
 ہو گل سے جان نسیم محروم  
 بے آدمی کیا بسا ط کیا مال  
 جلتے ہین یہاں فرشتہ کے بال  
 جب ہاتھ ملایا ہو گکا ہیہات  
 باقی رہی ہوگی کوئی بات  
 اسے کاش اسے پکڑنے پاتی  
 کیا کیا مرے چوری کے پکھاتی

## نسیم

وہ سبزہ باغِ خواب آرام  
 یعنی وہ بکاؤ لی گل اندام  
 جاگی مرغِ سحر کے گل سے  
 اٹھی نہکت سی فرش گل سے  
 اپنوں میں سے پھول لے گیا کون  
 بے گانہ تھا سبزہ کے سوا کون  
 شبنم کے سوا چراغے والا  
 اوپر کا خاکون آنے والا  
 ہاتھوں کو ملا کما کہ ہیہات  
 خاتم بھی بدل گیا ہے ہذات  
 جس نے مجھے ہاتھ ہے لگا یا  
 وہ ہاتھ لگے کین خدایا

کتنی تھی پری کر اڑ کے جاتی  
 مچھین کا کین پتہ لگا تی

(۱۵) فی انور چلی تلاش کرنے  
 دل پھول کے چور کو پکڑنے

## ریحان

ہر جا اسے ڈھونڈتی پئی وہ  
کوچہ کوچہ گلی گلی وہ  
وہ ڈھونڈ رہی چلی جہان سارا  
سارے عالم کو چھان مارا  
دوڑی گئی بے تحاشا جو کر  
جاگر پڑی تاج کے قدم پر  
محمودہ کو دیکھ وہ پری رو  
کنے لگی شہسب معطر ہو  
یہ کون ہیں کیا ہے ان کی تشریف  
کچھ کیجئے بیان وصف توصیف  
اس نے کہا اسے نکھار دجو  
کچھ پونچھ مت آپ کی ہفت کو  
ہے ان کی صفت بیان و فانیج  
اوصاف مری زبان سے غانیج  
اس ملک میں ان کی ہی برکت  
مری رہی زندگی سلامت  
گر ان کی نہ ہوتی درمیان ذات  
ہرگز نہ براتے میرے حاجات

## نسیم

ہر باغ میں پھولتی پھری وہ  
ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ  
جس تختہ میں شل باد جاتی  
اُس رنگ کے گل کی بوند پاتی  
چار انکھیں ہوئیں تو تھی شناسا  
قدموں پہ گری وہ سایہ سا  
مدتے ہو کر کہا خوش آئے  
جس گل کی ہوا لگی تھی لائے  
ہمراہ یہ کون دو سری ہے  
سایہ ہے کہ ہم قدم پر پا ہے  
بولا شہزادہ شکر ہے ہان  
پڑ ہے گل آرزو سے دامن  
محمودہ نام ہیں جو یہ ساتھ  
پھول ان کے سبب اگیا ہاتھ

(باقی)

# سیام کے مسلمان

از

جناب طاہر دلاور حسین صاحب ناظم جمعیت الاسلام بنگلہ سیام  
 السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سیام میں مدت سے ہندوستانی مسلمان تاجرانہ حیثیت سے مقیم ہیں، یہی 'گجرات'، 'برودہ'، پنجاب، یوپی، سرحد، مدراس، وغیرہ صوبوں کے مسلمان ہیں، اچانک مسلمان تو بہرہ داری کا پیشہ کرتے ہیں، ان میں تاجر بہت کم ہیں، مگر عزت سے زندگی گزار رہے ہیں، ہندی مسلمانوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تک پہنچی ہے، شیعہ سنی کے امتیازی ناموں سے بیان کے مسلمان عموماً بنزار ہیں، مسلمان کی حیثیت سے آپس میں ملتے ہیں، شادی غمی میں بلا تفریق دل سے شریک یکدگر ہیں، جمعیت اسلام کے نام سے بارہ سال سے ایک انجمن سیام میں قائم ہے، جس میں مختلف خیال کے مسلمان متحد ہیں، اب صوبوں کے مسلمانوں کے نمائندے اس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہیں، جمعیت الاسلام کے پیش نظر ہندوستان سے باہر رہنے والے مسلمانوں میں دینی اسپرٹ قائم کرنا ایک اہم مقصد ہے، اس مقصد میں جمعیت کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے، سیام میں مسلمان تقریباً دس لاکھ اور پلورسی آبادی میں چھ فی صدی ہیں، ان میں غلط وطنیت کا جذبہ ضرورت سے زیادہ نمایاں ہے، اسلامی ناموں سے سیاسی حکومت کی جانب سے کسی زمانے میں ناراضی ظاہر کی گئی تھی، معافی مسلمان

نام تک بدل ڈالنے کے لئے تیار ہو گئے، چنانچہ مسلمان افسیروں میں سے اکثر ان کے نام اسلامی نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پہچانا مشکل ہے۔ اب تین سو سال پہلے عرب مسلمانوں کا کوئی وفد سیام آیا تھا، اُن  
یہاں کے راجہ کو دعوتِ اسلام دی تھی، راجہ نے تو اسلام قبول نہیں کیا مگر عوام میں سے چند اسلام کے گرویدہ  
ہو گئے، حسن اتفاق سے چند صوفیہ بھی اسی زمانہ میں آئے، اُن کے روحانی فیوض سے اشاعتِ اسلام میں  
تیزی ہوئی، جنوبی سیام میں مسلمان زیادہ ہیں، اور چونکہ ملایا سے قریب ہیں، اس لئے سیامی زبان کے  
ساتھ ساتھ ملائی زبان بھی جانتے ہیں، خود شرمیکوک میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ہیں، اسی سے  
اوپر مساجد ہیں، اکثر مسلمان کاشتکار اور دستکار ہیں، لکڑی کے تاجر بھی چند ہیں، وہی خوشحال ہیں، چند  
حاجی بھی جا بجا نظر آتے ہیں، ہندوستانی مسلمان جس طرح حج کر کے فوراً وطن واپس آ جاتے ہیں، اسی طرح  
سے سیامی حاجی واپس نہیں آتے، بلکہ دس دس پندرہ پندرہ برس حجاز میں قیام کرتے ہیں اور سیام کے عام  
مسلمان ان کے سفر حج کے موقع پر اور ان کے زمانہ قیام میں بھی ان کی مدد کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اس طرح کے  
اچھے خاصے تعلیم یافتہ ملک بھر میں جا بجا پھیلے نظر آتے ہیں، تعلیم یافتہ سیامی مسلمان عربی زبان پر کافی عبور  
رکھتے ہیں، اگر کوئی نووارد مسلمان عربی دان ہو تو تباہ و تالافتِ خیالات میں بڑی سہولت ہوتی ہے، ہندوستانی  
نسل کے غلام مسلمان بھی کمین کمین شاؤدنا در نظر آتے ہیں، چونکہ ان میں ہندوستانی خون ہوتا ہے اس لئے  
وہ ہندوستانیوں کے ساتھ زیادہ میل جول رکھتے ہیں، مگر نسوانی آزادی قابلِ اصلاح ہے، لباس میں  
کوئی تمیز مسلم و غیر مسلم میں نہیں ہے، مساجد میں اسلامی لباس میں ان نوجوانوں کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے جن  
میں سے بہتوں کو باہر غیر مسلم سمجھے ہوئے تھے، جمعیتِ اسلام کی کوشش ہے کہ سیامی مسلمان اسلامی فقط و نظر  
سے اپنی پوزیشن بنھانے لگ جائیں، اور بیرونی مسلمانوں سے روابط و تعلقات قائم کر لیں، سیامی مسلمانوں  
میں اصلاح نامی ایک انجمن اصلاحی کام کر رہی ہے، غنیمت ہے کہ اس انجمن کے اراکین شوق سے اور بھروسے  
کام کر رہے ہیں، ایون تو براے نام اور دوسری انجمنیں بھی قائم ہیں، سب انجمنوں کی شرکت سے ایک مرکزی

انجن کے قیام کی تحریک جمعیت الاسلام کی جانب سے کی گئی ہے جو امید ہے کہ کامیاب ہو جائے گی، اس سے انشاء اللہ آئندہ سیامی مسلمان بہت کچھ کام آسانی سے کر سکیں گے۔

ہندوستانی نسل کے مسلمان بچوں کے لئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، اور وہ مجبوراً سیامی اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں، اس طرح سیامی طرزِ بد و باش کے عادی ہو گئے ہیں، ناواقفیت کے سبب اسلامی طرز سے نا آشنا ہیں، جمعیت الاسلام کا ارادہ ہے، کہ ایک انگریزی اور عربی دان نوجوان عالم کو ہندوستان سے بلا کر اس کے ماتحت ایک مدرسہ چلایا جائے، چنانچہ ابھی سے اس مدرسہ کی بنیاد پڑ گئی ہے، آپ سے ہماری استدعا ہے، کہ سیام میں تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے قابل مذکورہ اوصاف سے متصف کسی نوجوان عالم کی ہمیں اطلاع دیں، یہاں آنے کے بعد سیامی زبان پر دسترس حاصل کر لیتا بہت آسان ہے، چند سال پیشتر ڈاکٹر طرا بندر ناتھ مگھور کے ایک شاگرد اور شانتی نکیتن کے تعلیم یافتہ سوامی ستیا نند بوری نام ایک آدمی یہاں آیا تھا، اور قلیل زمانے میں سیامی زبان میں مہارت حاصل کر کے بیان کے لوگوں میں کافی مقبولیت پیدا کر لی تھی، راجہ مکھیاں اس کا رسوخ بڑھ گیا تھا، اس نے اچھی اچھی کتابیں سیامی زبان میں لکھنا شروع کر دی تھیں، لیکن مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازش بھی کر رہا تھا، جاپان کے غلبہ کے زمانہ میں جاپان جاتے ہوئے ہوائی حادثہ سے ہلاک ہو گیا، ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قسم کے آدمی نکل آئیں، جو سیام کے لوگوں اور ہندوستانی الاصل مسلمان نوجوانوں کو نبھائیں، ہماری حوصلہ افزائی کے لئے آپ کی ہدایات ضروری ہیں، اور ہم کو توقع ہے کہ آپ سیام کے دورِ افتادہ ہندوستانی مسلمانوں کو خبر گیری و دستگیری سے محروم نہ فرمائیں گے، جمعیت الاسلام کے ماتحت ایک لائبریری کھولی گئی ہے، ہم چاہتے ہیں، کہ وہ تمام اسلامی رسائل اور کتابیں جو ہندوستان کی مختلف زبانوں میں شائع ہوتی ہیں، ان کو منگائیں، اس سلسلہ میں بھی آپ کی مدد کے منتظر ہیں،



# اکبریا سیلِ تنخیل

از جناب شفق جوالا پوری

ہر اک نقش بر آب ہر چیز فانی      مگر عشق کا ہر نفس جادو دانی  
 رہی جو ہر دعوے کی سرگرائی      مگر آپ اپنی حقیقت نہ جانی  
 محبت کا قصہ جنوں کی کسائی      کسی نے نہ سمجھا کسی نے نہ جانی  
 بھڑکتے ہیں شعلے سے قلبِ بکرین      نہ پوچھو کہ کیا شے ہے سوزِ نہانی  
 بجز اشکِ حسرت بجز نقشِ حیرت      محبت کی کس سے ہوئی ترجائی  
 مٹایا مجھے کا ہش غم نے لیکن      نشان بن گئی خود میری خوشنئی  
 خود شِ جنوں میں سکون آچلا تھا      مراد سے گئی اور ہی بدگانی  
 کوئی دازبے تابی دل نہ بچھا      بہت چشمِ حسرت نے کی خوشنئی  
 ہجومِ حوادثِ مصائب کے طوفان      انھیں سے عبارت ہو کیا زندگانی  
 تری ہر صدا باعث ساز و نغمہ      تری ہر ادا رقصِ حسن و جوانی  
 میرے سیلِ تنخیل کا ہے یہ عالم      کہ جیسے پہاڑی ندی کی روانی

شفق میرے ساقی کا فیضِ نظر ہے

یہ نگل اسے منی یہ رنگین بیانی

## گلابانگِ سرخوشی

از جناب سید انور کرمانی

میر کمان اُن کی یہ دردِ دوری      فرشتے تیرے گوہن نوریِ حضورِ  
 ادبِ شرطِ اول ہے ماہِ وفا میں      جنوں کے لئے موت ہے بے شعوری  
 تڑپِ دل کی تاثیرِ حسنِ نظر ہے      متاعِ گرا نمایہ ہے ماحِ صوری  
 یہی تیرستی، یہی سیرِ ہستی !      دوامِ آگہی ہے مع اللہِ حضورِ  
 حجابِ تعین اٹھا دے نظر سے      کہانی نہ رہ جائے دل کی ادھوری  
 فریبِ نظرِ ہین، حجابِ آفرینِ ہین      یہ آنی یہ فانی، یہ خاکِ یہ نوری

## حشرِ جذبات

از جناب کاہنوری

جب سے بے تابیِ حیات گئی      میں نے سمجھا کہ کائنات گئی  
 دل میں اک ٹپ سی جو ہوتی تھی      عشق کے ساتھ اب وہ بات گئی  
 دردِ ہی سے تھی زندگیِ مفہوم      یہ گیا ساری کائنات گئی  
 ختمِ قصہ نہ ہو سکا دل کا      اس خسانے میں ساری لذت گئی

محوِ جلوہ ہوں رات دن شاقبہ

جب سے شرطِ تعینات گئی



# بَابُ التَّيَظُّرِ وَالْإِتِّقَا

مجمع فواد الاول للنسخة العربية

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاد ادب العلم مذہ لکھنؤ

جس طرح انسانی زندگی کا ہر شعبہ بدلتا رہتا ہے ایسی حال زبان کا بھی ہے، دنیا کی تمام زبانیں مختلف عوامل و اسباب کی بنا پر بدلتی رہتی ہیں، عربی زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، اگر عربی زبان میں عجمی الفاظ کے استعمال کی مثالیں اسلام سے قبل عہد جاہلیت سے ملتی ہیں، مگر یہ الفاظ بہت معمولی ہیں اور ان ہی قبائل کی زبان میں پائے جاتے ہیں، جو حکومت ایران یا حکومت روم کے زیر اقتدار علاقہ کے قریب آباد تھے، یا ان شعرا کے کلام میں ملتے ہیں جو عجمی درباروں سے وابستہ تھے، جیسے عجمی اُردو ہی ذیہ العبادی وغیرہ کا کلام، عام عرب شعرا کا کلام اور عرب قبائل کی زبان عجمی الفاظ اور عجمی اسلوب ادا سے پاک تھی، قرآن شریف میں بعض لغویوں کے نزدیک فارسی سنسکرت یا حبشی کے جو الفاظ ہیں، وہ عربی زبان میں اس طرح مل گئے تھے کہ ان کی حیثیت عجمی نہیں رہی تھی اور وہ عربی الفاظ بن گئے تھے، تاہم ان کی تعداد بہت کم ہے،

طوے اسلام کے بعد عربوں کی زندگی میں ایک ایسا عظیم افشان انقلاب پیدا ہوا، جس کے اثر سے اس کی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا، زبان بھی اس سے متثنیٰ نہ رہی، اور عربی زبان میں سیکڑوں الفاظ جدید مفہوم میں بولے جانے لگے، ان کا قدیم مفہوم متروک یا مغلوب ہو گیا، صلوة، زکوٰۃ،

علوم اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ پہلے سے موجود تھے، مگر ان معانی میں نہیں بولے جاتے تھے، جن میں طہرہ اسلام کے بعد بولے جانے لگے، قرآن کریم اور نبی امی ﷺ کی تعلیمات اور مجازانہ بلاغت سے طہرہ میں جو زری، اخلاق میں جو بلندی اور کردار میں جو نیکی پیدا ہوئی، اس کا اثر زبان پر بھی نمایاں ہوا کیونکہ انسان کی زبان اس کے اخلاق کا آئینہ ہے، قرآن کریم کی روزانہ تلاوت با پنج وقتوں کی نماز میں اس کی قرأت اور نبی کریم ﷺ کی بیخ و بن حکیمانہ گفتگو کا اثر صحابہ کرام کی زبان پر نمودار اور عام مسلمانوں کی زبان پر نمودار الفاظ کی سلاست، ترکیبوں کی جنتی اور جملوں کی جامعیت کی شکل میں ظاہر ہوا، جس کا اندازہ صحابہ کرام کے خطوط، خطبوں اور جاہلیت کی تقریروں کے موازنہ سے ہو سکتا ہے، این الذی اٰمن الذی اٰس تفسیر کے باوجود عربی زبان کا غالب وہی رہا، جو جاہلیت میں تھا، مگر اسلام کا دائرہ جس قدر پھیل گیا، اور عرب کے دور افتادہ قبائل جیسے جیسے حلقہ جوش اسلام ہوتے گئے، زبان میں بھی تغیر ہو گیا، اور مختلف قسم کی لسانی اور صوتی غلطیاں کرنے والے قبائل کا جب ایک دوسرے سے میل جول بڑھا، تو وہ غلطیاں جو مخصوص علاقوں میں محدود تھیں، عام ہونے لگیں، مگر یہ صوتی عیوہ طبع جو بنی تمیم، ہذیل، اہل یمن اور دوسرے قبائل کی زبان میں پائے جاتے تھے ان کا عربی زبان کی اصل ہیئت اور مخصوص ساخت یا اسلوب ادا پر کوئی اثر نہیں ہوا،

بنی امیہ کی حکومت خالص عربی حکومت تھی، اس لئے اس کے زمانہ میں عربی عصبیت کے ساتھ عربوں کی دوسری خصوصیتیں بھی باقی تھیں، حکومت کے تمام عہدوں پر عرب تھے، فوج سے لیکر

ملکہ بنی تمیم اگر کسی لفظ کے شروع میں ہمزہ ہوتا، تو اسے یمن سے بدل دیتے تھے، مثلاً اسلام کو مسلم کہتے تھے، اس عیب کو حضرت کہا جاتا ہے، ہذیل صح کو یمن سے بدلتے تھے، اس کو عجم کہا جاتا ہے، تضاع کلمہ کے آخر میں یا مثلاً کو حیم سے بدلتے تھے، اس کو ججم کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ اور دوسرے تغیرات بھی تھے، المیزان سیرت علیہ السلام تاریخ ادب اللغة (عربیہ ج ۱) زبان جلد ۱، ص ۱۴۵

دیوانی و قضا کے تمام بڑے اور چھوٹے منصب عربوں ہی کے ہاتھوں میں تھے، قرآن کریم کی بلاغت نے آغاز اسلام میں عربوں کی توجہ شاعری کی جانب سے پھروی تھی، مگر اموی عہد میں پھر شعر و شاعری کی محفلیں گرم ہو گئی تھیں، عکاظ کا بازار گومانڈ چڑ گیا تھا، مگر اس کی جگہ کو نہ دبھرہ کے بازار لگ گئے تھے، جہان جرید و فرزدق کی بھگوئی، تغزل اور فخریہ اشعار پر مباحثہ ہوتا تھا، انہی بازاروں میں ابونہجم اور الامعی جیسے رجز گو شعراء و سخن دیا کرتے تھے، حبل عمر بن ربیعہ کثیر عرۃ ذوالرمہ اور مجنون جیسے شعراء اپنے ترانوں سے خوش عیش اور بے فکر نوجوانوں کا دل بہلایا کرتے تھے، بنی ہاشم اور بنی امیہ کی سیاسی کشمکش، خوارج اور دوسرے فرقوں کے نزاعات سے عربی زبان میں خطابت، شاعری اور انشاء کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہر فرقہ نے نقلی و عقلی دلائل کے ساتھ زبان و قلم کے اسلحہ بھی سنبھائے، ان کی دعوت کی زبان تبلیغ اور ان کا اسلوب بیان موثر و دلکش ہوتا تھا، اس طرح اس سیاسی کشمکش نے زبان کو بہت فائدہ پہنچایا، اموی دور میں اہل عجم کو اسلام قبول کر چکے تھے، مگر ان کا غلبہ و استیلا نہیں ہوا تھا، اس لئے ان کے میل جول سے زبان کا قوام بگڑا، اور نہ خالص ادبی اور فنی نقطہ نگاہ سے اس کا قالب بدلا، مگر عباسی حکومت چونکہ عجیون کی قوت بازو اور ان کی امداد سے قائم ہوئی تھی، اس لئے شروع ہی سے اس میں عجی عنصر داخل ہو گیا تھا، اور رفتہ رفتہ حکومت کے تمام شعبوں پر چھا گیا۔ عربی ان عجیون کی مادری زبان تھی بلکہ انھوں نے اس کو سیکھا تھا، اس لئے ان کی گفتگو عجی الفاظ یعنی سلتا ادا سے لبریز ہوتی، عجی لوندائی اور غلاموں کی کثرت اور عجیون سے ازدواجی تعلقات کا شروع کی زبان پر گہرا اثر پڑا، خلفاء امراء اور رؤساء کی مجلسائیں عجی نثر اور مرثون سے آباد تھیں، عربیوں اور عجیوں کے درمیان ازدواجی تعلقات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ امین الرشید کی ماں کے سونام عباسی خلفاء کی انیمین عجی نثر ادھیں، ان کی گودوں میں پلے ہوئے خلفاء رؤساء اور احرار کی زبان کا جو حال ہو گا، اس کا اندازہ شکل نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عباسی عہد میں غیر عربی الفاظ کا نہ تھنے انساب آنے لگا

غیر عرب قوموں کے قبول اسلام سے عربی صرف عربوں کی زبان نہیں رہی تھی، بلکہ وہ تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی مذہبی اور بہت سے غیر عرب ممالک کی تمدنی اور مادری زبان بھی بن گئی تھی، اس وسعت اور پھیلاؤ سے جہاں عربی زبان کے طریقہ ادائیں متنوع، اسلوب بیان میں دلکشی اور تاثیر اور بہت سے تمدنی افکار و خیالات ادا کرنے کی زبان میں صلاحیت پیدا ہو گئی تھی، وہاں ادبی اور لسانی حیثیت سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ بہت سے غیر عربی الفاظ جن کے معانی ادا کرنے کے لئے خود عربی میں الفاظ موجود تھے، زبان میں داخل ہو گئے، رفتہ رفتہ ان الفاظ نے اصل عربی کی جگہ لے لی، اور بہت سے عربی الفاظ خود اہل عرب بھول گئے، خاص عربی الفاظ کو عجیوں کے اختلاط سے عرب بھی غلط طریقہ پر ادا کرنے لگے، اس افزائشی سے عربی زبان کا مزہ بگڑ گیا اور اس کی اصل سہیت و سادہت میں نقص پیدا ہو گیا، اسی بنا پر دوسری صدی ہجری کے اخیر تک تو عرب کے شعروں کی زبان قابل اعتبار اور مستند رہی، لیکن اس کے بعد اہل لغت نے ان کی زبان کو پایہ اعتبار سے ساقط کر دیا، البتہ عرب کے پروری قبائل کی زبان بھی ان سے عدم اختلاط کے باعث محفوظ تھی، اور چوتھی صدی ہجری تک جزیرہ عرب کے پروری قبائل صحیح اور فصیح زبان بولتے تھے، اسی وجہ سے خلفاء عباسیہ اپنی اولاد کو صحیح زبان سکھانے میں صحیح لسانی ملکہ اور ذوق ادب پیدا کرنے کی غرض سے فصیح قبائل میں بھیج دیا کرتے تھے، چوتھی صدی ہجری جو علوم و فنون کی ترویج و متعین و مولفین کی کثرت اور ادب و دانش کا زمانہ تھا اور تہذیب تمدن کے اعتبار سے عربوں کا عہد زریں سمجھا جاتا ہے، لسانی و لغوی اعتبار سے انتہائی انحطاط کا زمانہ ہے، شعروں کی زبان کا مزاج تو دوسری صدی ہی سے بگڑنے لگا تھا، اور سوائے ادب و شعر اور اہل علم کے عام عربوں کی زبان اسی زمانہ میں بگڑ گئی تھی، مگر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہی قبائل عرب کی زبان بھی قابل اعتبار ہو گئی، کیونکہ عجیوں کا غلبہ بگڑ چکا تھا، اور تمدن کے عہد گزشتہ و دیہات بھی نہ لگتے تھے، چوتھی صدی ہجری کے بعد عربی زبان کا جو قوام بگڑا تو بگڑا ہی چلا گیا، حجاز، نجد، عراق، شام، مصر، طرابلس، بحر ارمینیا، اور دوسرے عربی بولنے والے ممالک کی زبان بھی الفاظ غیر عربی اسلوب

نیز صوتی نقائص سے ایسی خراب ہوئی کہ اسے فصیح عربی سے کوئی مناسبت باقی نہ رہی، حتیٰ تو یہ ہے کہ اگر قرآن کریم نازل نہ ہوا ہوتا، جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، تو عربی زبان بھی دوسری سامی زبانوں کی طرح تازخ کی ایک مردہ زبان ہو جاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کو تحریف و تغیر سے محفوظ رکھنے کے اسباب دیا کئے، اسی طرح اس کی لسانِ مبین کو بھی حوادثِ روزگار کے ہاتھوں ٹٹنے سے بچالیا، نزولِ قرآن کے بعد ہی سے صحابہ کرام کو جب کسی آیت یا لفظ کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تو کلامِ عرب کی طرف رجوع کرتے، اور اس لفظ کے معنی کو اس کے محلِ استعمال سے متعین کرتے، اس طرح کلامِ مجید اور احادیثِ نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں علماء کی توجہ عربی زبان کی طرف ہوئی، اور قرآن حکیم اور حدیثِ نبوی کے طفیل بن عربی زبان کے الفاظ جمع کروا رکھے معنی لکھنے کی داغ بیل پڑی، چنانچہ دوسری صدی ہجری میں باضابطہ لغت کی تدوین کا آغاز ہوا، اور خلیل بن احمد (متوفی ۳۴۰ھ) نے فنِ لغت میں کتاب العین کو فخرِ حروف کے کاغذ سے مرتب کرنے کا کام شروع کیا، اور اسی دوسری صدی میں خلیل کے ہم عصر اور شاگرد و تدریس سہ دسی (متوفی ۳۵۵ھ) نے غریب القرآن پر کتاب لکھی جو نایاب ہے، اصل میں لغت کے جمع و ترتیب کا کام تیسری صدی میں کم اور چوتھی میں زیادہ ہوا، ابوعلی قالی متوفی ۳۵۵ھ کی کتاب البارع اور ابو غالب المعروف بابن تیار (متوفی ۳۳۵ھ) کی کتاب الموعب، چوتھی پانچویں صدی ہجری میں فنِ لغت میں بہت اچھی سمجھی جاتی تھیں، مگر دونوں نایاب ہیں، البتہ کتاب البارع کے کچھ متفرق ادراقی پیرس کے کسی کتب خانہ میں موجود ہیں، ابن درید (متوفی ۳۴۱ھ) کی کتاب المجرى مطبوعہ دائرۃ المعارف جیدرآباد جس کا زنا ابوعلی قالی کی کتاب البارع سے مقدم ہے اس فن پر بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے اس کے بعد انہی کتابوں

کو پیش نظر رکھ کر قزاز (متوفی ۱۲۸۵ھ) نے جامع جوہری (المتوفی ۱۲۸۵ھ) نے صحاح اربعہ ابن فارس (متوفی ۱۲۸۵ھ) نے جمل لکھی، ابیاس فی پرتغی تصنیف ابن یزید البی (متوفی ۱۲۸۵ھ) کی کتاب لکھ بھی جاتی جو اس کی دوسری تصنیف کن بلخصی اس فن پر بہت ہی عطا اور بے مثال تصنیف ہے اس کی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب کے بجائے فقہ لغت کے اصول پر معانی کے لحاظ سے ہے اس لئے عام علماء و طلبہ اس سے کم مستفید ہوتے ہیں، اس کے بعد لغت کی تدوین و ترتیب کا کام برابر جاری رہا، آخر میں جمال الدین ابن منظور (المتوفی ۱۲۸۵ھ) کی لسان کوثر اپنی جامعیت کے لحاظ سے اس فن کی تمام دوسری کتابوں سے زیادہ اہم ہے، اور سب سے اخیر میں صاحب تاج العروس شارح قاموس نے گذشتہ تمام معاجم کو پیش نظر رکھ کر شرح قاموس مرتب کی،

لغت کے مجمع و ترتیب کے اس اجمالی ذکر سے تدوین لغت کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے، کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کی توجہ اس فن کی طرف ہوئی، اور چونکہ مسلمانوں کے تمام اسلامی علوم و فنون کا محور قرآن حکیم رہا ہے اس لئے غریب و مشکل الفاظ کا حل کرنے کے لئے فن لغت، اس کی قرأت کی تصحیح کے لئے علم نحو اور اس سے مسائل استنباط کرنے کے لئے علم فقہ کی داغ بیل بڑھی، اسی طرح اور بہت سے علوم کا آغاز بھی قرآن حکیم سے ہوا، ایک طرف علماء لغت نے دوسری صدی ہجری سے لغت کے مجمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا تھا، دوسری طرف ابواسود و بکلی ہانی علم نحو کے شاگردوں نے نحو کا حلقہ درس قائم کیا تھا، اگوستیو سے پہلے لغت و نحو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے، اور علم نحو کی حیثیت مستقل فن کی نہیں تھی،

سے اول سیبویہ (متوفی ۱۸۳۵ھ) نے اس فن کی پہلی اور آخری کتاب لکھی، اس فن کو مستقل بنا دیا، یہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے ہی جزیرۃ العرب کے شہروں کی عام زبان بگڑنے لگی تھی، چنانچہ اسی صدی سے نحو یوں نے باضابطہ نحو پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں اور دوبارہ دونوں نے غلط عوام پر کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا، اولہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی زبان کی صحت و فصاحت اور



بلاغت کی بحث کے بہت ہی کر دیے اور اغلاط عوام پر حسب ذیل کتابیں لکھی گئیں،

- ۱۔ کتاب کن العامة مصنف حمزہ کانی، (متوفی ۱۹۱ھ)
  - ۲۔ کن العامة مصنف ابو عبیدہ، (متوفی ۲۰۹ھ)
  - ۲۔ کن العامة مصنف ابو عثمان المازنی، (متوفی ۲۴۴ھ)
  - ۳۔ کن العامة مصنف ابو حنیفہ الدینوری، (متوفی ۲۹۰ھ)
  - ۵۔ کن العامة مصنف ابو بکر محمد زبیدی شیلی تلمیذ ابو علی قالی، (متوفی ۳۰۹ھ)
  - ۶۔ کن الخاصہ مصنف ابو بلال عسکری، (متوفی ۳۹۵ھ)
  - ۷۔ التکملة فيما تلحق به العامة مصنف ابو منصور جویہقی، (متوفی ۳۶۵ھ)
  - ۸۔ العرب فيما تملکت به العرب من الکلام اللغی مصنف ابو منصور جویہقی،
- اس کا مرث ایک حصہ یورپ میں چھپا ہے،

۹۔ درة النواصی فی ادبام النواصی مصنف ابو القاسم حریری صاحب مقامات حریری، (متوفی

۵۱۲ھ) مصر اور یورپ میں چھپی ہے،

۱۰۔ کن العامة مصنف ابو الفرج ابن الجوزی، (متوفی ۵۹۷ھ)

مذکورہ بالا کتابیں چھٹی صدی تک تصنیف ہو چکی تھیں، اس کے بعد ہر صدی میں اس کا سلسلہ قائم رہا، ان کی فہرست بہت طویل ہے ان میں حمزہ فتح اللہ مصری کا رسالہ الترجمة والتعریب اور ابراہیم یازجی کی لغات البحر ائداس صدی کے آغاز کی قابل ذکر تالیفات ہیں، مغربی تمدن کے اثرات سے دنیا کا کوئی حصہ محفوظ نہیں، عربی زبان بولنے والے ممالک چونکہ ایشیا اور یورپ کے نقطہ انصال سے قریب ہیں، اس لئے ان پر مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے افکار و خیالات کا بہت زیادہ اثر پڑا چنانچہ جب تمدن کے لوازم ضروریات زندگی کے

سامانی اور مختلف عمرات بخشنین اور آلات، عرب ممالک میں آنے لگے، تو ان کے لئے عربی الفاظ کی ضرورت پڑی، ان کے علاوہ جدید علوم و فنون کے مصطلحات کے ترجمے کی بھی ضرورت پیش آئی، اس سے عربی میں بہت سے نئے الفاظ کا اضافہ ہوا، گزشتہ صدی ہی سے عربی میں مغربی علوم کی تصنیفات کا ترجمہ ہونے لگا تھا، اس سے ان کے طریقہٴ ادب اور اسلوب بیان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر اثر پڑا، مغربی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ عرب نوجوانوں کے ذریعہ جو اپنی زبان سے زیادہ مغربی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے، مغربی ادبیات عربی زبان میں داخل ہو گئے، ان میں سب سے زیادہ فرنیچ کا اثر پڑا، عربی زبان کے محققوں نے اس کے برخلاف سخت تنقید کی، ایک طرف یہ طبقہ اس سادہ و سادہ کے خدان سخت اعتراضات کرتا تھا، دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ اس بدیہی اسلوب پر مصر تھے، ان کا مقولہ تھا کہ

”الخطاء المشہور خیر من الصواب المہجور“

قدیم عربیت کے نقیبین میں حمزہ فحاشہ اور ابراہیم بازجی نے اخبارات و رسائل اور عام کتابوں کی زبان پر سخت تنقید کی، حمزہ فحاشہ مصر کے سکریٹری مدارس کے انسپکٹر تھے، اس لئے نہیں زبان کے عیوب و نقائص کی واقفیت کا زیادہ موقع ملا تھا، اور ابراہیم بازجی گواخبار نویس لیکن فنی تھے، اس لئے وہ قدیم زبان کے پرستار تھے، ان کی تنقیدوں سے کسی نہ کسی حد تک زبان کی اصلاح ہوئی، اور نصابِ تعلیم میں ادب و لغت کی تعلیم کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا، مگر ضرورت تھی کہ عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد کی پوری چھان بین کی جائے، اور زبان کے بنیادی امتیازات کو باقی رکھتے ہوئے ایسے اصول وضع کئے جائیں جن سے وقت کے ادبی مطالبات اور سامانی مقضیات پورے ہو سکیں، اور عربی زبان جدید علوم و فنون کی اصطلاحات اور دوسری چیزوں میں دوسری زبانوں کی دستِ نگر نہ رہے، ظاہر ہے کہ ہزاروں الفاظ کا وضع کرنا انا سب بیان کی تصحیح زبان

کے قدیم اصول و ضوابط میں مناسب ترمیم کر کے ان کو عصری ضروریات سے ہم آہنگ کرنا ایک فرد کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ادبا و علمائے لغت کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت تھی، چنانچہ حکومت مصر نے اس عظیم الشان کام کی طرف توجہ کی، ۱۸۷۱ء دسمبر ۱۹۳۱ء میں ایک ادبی و لغوی اکیڈمی (مجمع اللغة العربیة الملکی) کی بنیاد ڈالی گئی، اور خود ہی ۱۹۳۲ء سے باضابطہ کام شروع ہوا،

اس اکیڈمی کے ۷۰ ارکان ہیں جن میں مصر شام، عراق کے ادباء کے علاوہ یورپ کے پانچ مستشرقین بھی ہیں، ان میں جدید علوم و فنون کے ماہر بھی ہیں، اور عرب کے لغوی اور ادیب بھی ان کے علاوہ بہت سے ادباء و فضلا، اعزازی ارکان ہیں، جو مراسلت کے ذریعہ علمی و فنی حیثیت سے اسے دیتے ہیں،

اس اکیڈمی کے حسب ذیل مقاصد ہیں،

- ۱۔ عربی زبان کی اصل شکل اور اس کے بنیادی امتیازات کو قائم رکھنا،
- ۲۔ نئے علوم و فنون کے لئے عربی زبان کے قدیم اصول کو پیش نظر رکھ کر اصطلاحات اور نئے الفاظ وضع کرنا،

- ۳۔ موجودہ دور کے بڑھتے ہوئے ادبی تقاضوں کے مطابق ایک ایسا لغت مرتب کرنا جس میں صحیح الفاظ اور صحیح اسالیب بیان بتائے جائیں، اور غلط الفاظ اور غلط طریقہ ادا کی تصحیح کی جائے
- ۴۔ عربی ممالک کی مقامی بولیوں کی علمی تحقیق اور ان کے لہجوں پر علمی اور تحقیقی بحث کی جائے،

۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء تک اس کی آٹھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان کے علاوہ فنی مصطلحات کا ایک مجموعہ بھی ایران میں چھ جلدیں اکیڈمی کے آرگن سالہ کی ہیں، بقیہ روامد کی ہیں، روامد ادون میں ایک حصہ کی حیثیت قانونی ہے، یعنی علمی حیثیت سے بعض مسائل کے متعلق اکیڈمی کے فیصلے اور منظور کئے ہوئے اصول و ضوابط ہیں، دوسرا حصہ غیر قانونی

جس میں اہل علم حضرات کی علمی و فنی بحثیں ہیں، اور علمی فیصلوں کے متعلق کارروائیوں کی تفصیل ہے، اکیڈمی کے رسالہ (مجلۃ مجمع فوائد الاول للغة العربیة) میں تمام منظور کردہ اصول و ضوابط، مختلف

علوم و فنون سے متعلق جدید الفاظ اور عربی زبان سے متعلق مفید علمی مقالات ہیں،

عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد میں بعض مناسب ترمیمیں اور بعض جدید قواعد ہیں، اکیڈمی نے جدید فنی اصطلاحات نیز نئے الفاظ وضع کرنے کے لئے تقریباً سات آٹھ سب کیٹیاں بنائی ہیں، جن میں ہر فن کے ماہر خصوصی شریک ہیں، ان سب کیٹیوں نے علوم و فنون سے متعلق بہت سے الفاظ وضع کئے ہیں، اس کے پیش نظر تین قسم کے لغتوں کی ترتیب و تدوین ہے، ایک مختصر ابتدائی مدارس کے لئے دوسرا متوسط عام لوگوں کے لئے تیسرا مفصل جس میں الفاظ کے تاریخی تغیر کو ظاہر کرتے ہوئے ہر لفظ سے متعلق بحث و تحقیق ہوگی، ان روکدادوں اور رسائل کا مطالعہ ہندوستان کے اہل علم اور ادب کے درجوں کے طلبہ کے لئے مفید ہے آئندہ نمبر میں ان مجلات کے مضامین اور اصول و ضوابط کے متعلق خیالات پیش کئے جائیں گے،

(باقی)

## عائشہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صفتِ نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم باضافہ حواشی)

قیمت :- ۳ روپے  
ضخامت :- ۲۹۰ صفحے

”منیجر“

## مطبوعات جدیدہ

”تاجدارِ دو عالم مترجمہ جناب مولوی نمودری۔ جہانی صاحب تقطیع اوسط صفحات ۲۳۹ صفحے،  
کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد ہے سکہ حالی ہے کلدار، تپہ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ،  
حیدرآباد دکن،

عبدالرحمن غلام بک مصر کے مشہور صاحبِ قلم اور مشرقی و مغربی دونوں علوم کے فاضل ہیں،  
قاہرہ کی نشر کاغذ سے سیرتِ نبوی پر انھوں نے پندرہ مقالے نشر کئے تھے، جس کو بطل الابطال کے نام  
سے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا تھا، تاجدارِ دو عالم اسی کا ترجمہ ہے، یہ سیرت ایک خاص طرز سے لکھی  
گئی ہے، اس میں آنحضرت ﷺ کے سوانح کے بجائے آپ کے اخلاق و سیرت اور اوصاف و  
کمالات سے آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور اخلاقی مرتبہ دکھایا گیا ہے، اور آپ کی شجاعت، جہاد، تدبیریت،  
زہد و قناعت، علم و دہر و باری، عفو و درگزر، عبدیت و بندگی، رافت و رحمت اور فصاحت و بلاغت  
وغیرہ کے واقعات کو نہایت مؤثر اور دلنشین انداز میں پیش کیا گیا ہے، اور آخرین اسلامی تبلیغ اور اس کے  
اثرات و نتائج دکھائے گئے ہیں، واقعات سب حدیث و سیرت کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں، مغربی  
علوم سے متاثر سیرت نگاروں میں عام طور سے نقص پایا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو صرف  
ایک مبلغِ زنا و زنا و محسنِ عالم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور تقدس کا لحاظ کم رہتا ہے  
اس کتاب میں بھی لوگوں کہیں الفاظ کے استعمال میں بے احتیاطی ہو گئی ہے، تاہم بڑی حد تک اس نقص سے

پاک اور بڑے مفلاصہ عقیدت سے لکھی گئی ہے، مصنف نے خلق نبوی کے واقعات کو اس موثر انداز میں لکھا کہ جنہیں پڑھ کر ایک غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور مسلمان کے دل میں ایمان کی تازگی پیدا ہوتی ہے، ترجمہ بھی نہایت سلیس اور سستہ ہے، لائق مترجم نے کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھال دیا ہے، بعض مقامات پر الفاظ کے استعمال میں بہت لغزش ہو گئی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ قبل از اسلام ہی صحبتون اور شریروگوں کی صحبتون میں زندگی بسر کرتے تھے، یا سختی و شرارت میں مشغور تھے، گو یہ واقعہ قبل از اسلام سے متعلق ہے، لیکن اس قسم کے الفاظ حضرت عمرؓ کے احترام کے خلاف ہیں، اس مفہوم کو دوسرے الفاظ میں بھی ادا کیا جاسکتا تھا، فصاحت نبوی کے باب میں ترجمہ کے ساتھ اصل عربی عبارتوں کو نقل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے کہ ترجمہ سے نصاحت کا پورا اندازہ نہیں ہوتا، ان خفیف فروگردا شئون سے قطع نظر کتاب اس لائق ہے، کہ ہر مسلمان کے مطالعہ میں آئے،

**فلسفہ ایمان** از مولانا سید سلیمان ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت، ۴۴ صفحہ، کاغذ کتابت

و طباعت بہتر، قیمت جلد و رتبہ ادارہ دعوتہ اہل حق، بیگم بانو ارکو بہ گھاس منڈی،

حیدرآباد دکن،

حضرت الامام تاج محمدؒ نے سیرۃ النبی جلد چہارم میں ایمان پر جو بحث لکھی تھی، اس کا ایک حصہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ معارف میں شائع ہوا تھا، اب موصوف کی فرید ترمیم کے بعد ادارہ دعوتہ اہل حق نے اس کو رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہے، اس میں قوموں اور ملتوں کی تعمیر و تنظیم کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کی بقا میں اُن کے بنیادی تصورات و عقائد کی اہمیت ظاہر کر کے اسلامی عقائد کی خصوصیات اور ان کی حکمتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک مسئلہ حقیقت ہے، کہ جماعتوں کا وجود ایمان کی بقا، اور ترقی کا مدار خواہ وہ توہین ہوں یا فرستہ اور مذاہب چند ذہنی تصورات کے اذعان و یقین پر ہے، جسے اسلامی اصطلاح میں ایمان و عقیدہ اور

موجودہ اصطلاح میں کریڈٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انہی عقائد پر قوموں کی زندگی اور موت کا دارومدار ہوتا ہے، ان پر اعتقاد راسخ اور ان کے مطابق عمل سے وہ ترقی کرتی اور آگے بڑھتی ہیں، اور ان میں ضعف سے زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، اس لئے کوئی قوم عقیدہ ابد کریڈٹ سے خالی نہیں ہے، لیکن ان سب کے عقائد خالص مادی اور نسل و وطن کے تنگ دائرے میں محدود ہیں، اس لئے ان سے کسی بلند نصب العین کے حصول کی توقع اور ان میں عالمگیر بننے کی صلاحیت نہیں، اور ان دونوں خاندانوں کے تباہ کن نتائج دنیا کی بنگاہوں کے سامنے ہیں، موجودہ دور کا شاہکار یعنی اشتراکیت کا عقیدہ تو اب بھی خالص مادی اور اس کی بنیاد تمام تر مہیا اور ردی اور دولت کی مادی تقسیم پر ہے، اور ایک خالص مادی اور محدود اقتصادی نظریہ پوری زندگی کا نظام نہیں بن سکتا، صحیح عقیدہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نسل و وطن کے اندر محدود نہ ہو، بلکہ ان تفرقوں کو مٹا کر عالمگیر برادری قائم کر سکے، اس کی بنیاد خالص مادی اغراض پر نہ ہو، جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، بلکہ ایسے اخلاق پر جو انسانوں کو براہ راست روک سکے اور انکی اور بھلائی کی یقین کر سکے، خان سے غناوت کا تعلق اور ہم جنسوں کے ساتھ محبت و اداسے حقوق کا جذبہ پیدا کر سکے، ایسا عقیدہ صرف اسلام ہے، اور اسی پر انسانوں کی دنیوی و اُخروی فلاح منحصر ہے، اس رسالہ میں انہی امور کو علمی استدلال کے ساتھ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، یہ اسلامی عقیدہ ایمان کی اہمیت اس کے اجزاء کی حکمتوں اور اس پر یقین و عمل کے نتائج کو وضاحت کے ساتھ دکھایا گیا ہے، یہ رسالہ اگر مختصر ہے، لیکن اس میں اسلامی عقائد کی حکمتوں کی روح آگئی ہے،

تسفیہ است: جناب ابراہیم نعیم صدیقی صاحب تقطیع اوسط صفحات ۱۳۴ صفحہ ۱۳۴ کا فہرست کتابت، طباعت، ہنر صفحات ۱۳۴ صفحات تحت جلد ہر، پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ چمپ گڑھ؛

حیدر آباد وکن،

مصنف و شئناس صاحب قلم ہیں، اور دین و ملت کا درد اور مسلمانوں کی دینی و اخلاقی اصلاح





قرآن کریم نے اس کی خودی کا اس کو کیا علم بخشا ہے، خودی کے عرفان کے بعد مسلمانین کیا تغیر پیدا ہوتا ہے؟ یقیناً عمل کے لحاظ سے کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے، اپنی حقیقت و ماہیت سے واقف ہو کر انسان کے نقطہ نظر میں کیا تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے، خود کو فقیر میں اور خلیفہ مان کر انسان کس طرح آفاق کو اپنے اندر سمو لیتا اور کائنات کو مسخر کر لیتا ہے، اقبال کے نازک اور دقیق مسائل کو سمجھنے کے لئے انہی کی جیسی جامعیت کی ضرورت ہوتی جو کم لوگوں کو حاصل ہے، اس لئے اس کی تشریح میں اچھے اچھے ٹھوکر کھاتے ہیں، فاضل مصنف اقبال ہی کی طرح مشرقی اور مغربی علوم کے جامع ہیں، اور حکیمانہ دماغ اور فلسفیانہ ذہن لگا ہی کے ساتھ دلی اکاہ اور شہم بنیاد رکھتے ہیں، اور ان کی کوئی تحریر فلسفیانہ فکر و استدلال کے ساتھ ایمان کی لذت سے خالی نہیں ہوتی، یہ خصوصیت ان تمام مضامین میں بھی موجود ہے، بعض مباحث ایسے دقیق ہو گئے ہیں، کہ خود ان کی تشریح کی ضرورت ہے، یہ مضامین اقبالیات سے ذوق رکھنے والوں کے مطالعہ کے لائق ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد اور انجناب ابوسعید صاحب بزمی ایم اے، تفتیق چھوٹی خجانت صفحہ ۱۱۷

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت جلد نمبر ۵، پتہ اقبال اکیڈمی نمبر ۵، سرکل روڈ بیردن پوچی

دردانہ لاہور

ابوسعید صاحب بزمی سابق اڈیشنر اخبار مدینہ نے آٹھ نو سال پیشتر ۱۳۳۵ھ میں مولانا ابوالکلام کے دولت کدہ پران سے کئی ملاقاتیں اور مختلف سیاسی مسائل پر ان سے گفتگو کی تھی، ان ملاقاتوں کا حال انھوں نے اسی زمانہ میں مدینہ میں شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے، اس کتاب میں دو قسم کے معلومات ہیں ایک ہندوستان اور مسلمانوں کی سیاست کے متعلق مولانا کے خیالات ان کا نقطہ نظر معلوم و مشہور ہو گا گو یہ کئی تنگ نظری اور مسلمانوں کی جدوگاہ تنظیم کی ضرورت کے متعلق مولانا نے جو رائے ظاہر کی ہے، وہ اگرچہ عام طور پر مشہور نہیں ہے، لیکن نئی نہیں ہے، اور انھوں نے ہمارے ہاں بیٹوں کی صحبت میں محمد علیہ علیہ السلام سے اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہیں، مولانا کی موجودہ سیاست مسلمانوں کی

اکثریت کے خواہ کتنی ہی خلاف ہو، لیکن ان کے متعلق کبھی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اپنی رائے کے مطابق مسلمانوں کے مفاد کو نظر انداز کر سکتے ہیں، دوسرے مولانا کے متعلق مصنف کے ذاتی جذبات و تاثرات اس پہلو سے کتاب کا صفحہ صفحہ مولانا کے ساتھ مصنف کے جذبات و عقیدت سے لبریز ہے مولانا کے اوصاف و کمالات سے ان کے مخالفین کو بھی انکار نہیں ہو سکتا، لیکن غلو و مبالغہ ہر چیز کو بد ناجائز دیتا ہے، جس کی متعدد مثالیں اس کتاب میں موجود ہیں، مثلاً مشرق و مغرب کے بڑے بڑے دعویداران علم و فضل آتے ہیں، اور اس سے (مولانا) بات کر کے جب لوٹتے ہیں، تو بے اختیار پکاراٹھتے ہیں، کہ ہم نے مشرق و مغرب میں اس سے بڑا فاضل کوئی نہیں دیکھا، یا ایک جگہ لکھتے ہیں، غور کیجئے دنیا کی تاریخ میں آپ نے کوئی ایسی شخصیت دیکھی ہے اس کا جواب یقیناً نفی میں ہو، اس قسم کا مبالغہ خود مصنف کی متانت و تحریر کے خلاف روح صہبائی از جناب اثر صہبائی فی قطع اوسط صفحات ۶، ۷، صفحہ ۱۸۸ کتابت و طباعت بہتر،

قیمت مجلد عایدہ تاج محل پبلشرز جون کشمیر

جناب اثر صہبائی اور ان کی شاعری کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، روح صہبائی نیا اسم با سہلی مجموعہ ہے، اس میں انھوں نے مختلف عنوانوں کے ماتحت علیحدہ علیحدہ ہر دور کا اپنا منتخب اور پسندیدہ کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، اس سے ان کی شاعری کا مزہ بجا ارتقاء اور اس میں وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے، سامنے آ جاتے ہیں، مصنف کی مشق سخن پر اتنی مدت گز چکی ہے کہ ان کو بلا تکلف کہنے مشق کہا جاسکتا ہے، ان کو ہر صنف پر پوری قدرت اور ان کے کلام میں بڑی نیرنگی ہے، چنانچہ اس مجموعہ میں بلند اور پاکیزہ غزلیں بھی ہیں، جیسا کہ ادب و فلسفیانہ دبا بیان بھی اور مؤثر و دلکش نظموں بھی، جناب اثر کی صہبائی شاعری ابتدا ہی سے پر کیف تھی، اب یہ شراب و آتش ہو کر اور زیادہ تیز ہو گئی ہے، اور یہ مجموعہ تو ان کے کلام کا خلاصہ اور عطر ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہوں گے،

# جلد ۵۸ اشوال المکرم ۳۶۵ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء عدد ۳

## مضامین

شذرات سید سلیمان ندوی ۱۶۲-۱۶۴

## مقالات

علمائے اسلام کا اخلاق مولانا عبد السلام ندوی ۱۶۵-۱۶۶

تجربوں سے پہلے کے صوفیہ کرام سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب ۱۶۶-۱۸۸

ایم اے رفیق دار الضیفین

عبد الواسع جلی خباب غلام مصطفیٰ خان صاحب ایم اے ۱۸۹-۲۰۱

لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراتی براہ

اسلامی نظریہ سیاست خباب مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل ۲۰۲-۲۱۶

دیوبند

تمتہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی صدر ۲۱۶-۲۲۲

شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

## ادبیات

شوق ویداد حکیم الشعرا سید احمد حسین صاحب مجدد آبادی ۲۲۳-۲۳۵

غزل صاحبزادہ شفیق ٹونکی ۲۲۳

## باب لتقریظ و الانتقاد

مجمع فواد الاول للغة العربیة مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاد ادب ۲۲۵-۲۳۵

دارالعلوم ندوہ

مطبوعات جدیدہ "م" ۲۳۶-۲۴۰

## شکست سزا

آج کل خاکسار بھوپال میں ہے اور عجب نہیں کہ یہ اقامت کچھ دراز ہو، واقعہ یہ ہے کہ وسط ہند کے ظلت کہ دین ہی ایک اسلامی مرکز ہے یہاں علم کی مشعل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے خاندان سے مولانا عبدالحی صاحب بڑھانوی کے صاحبزادہ مولانا عبدالحق صاحب بڑھانوی لائے، اور معرفت کا نور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خاندان کے چشم و چراغ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ تھے لائے اور مجدد اللہ کہ یہ چراغ اب بھی روشن ہے، پھر نشتی جمال الدین خان مدار المہام اور نواب صدیق حسن خان کے زمانہ میں عرب و ہند کے بہت سے علما و فضلا کا یہاں مجمع تھا جن کی یاد بھی اب فراموش ہو چکی ہے۔



زمانہ کا جو انقلاب عہد انگریزی سے شروع ہوا، اس کے اثرات آخر کار اسلامی ریاستوں میں بھی پہنچے، اور انگریزی تعلیم کے سامنے علوم عربی و مشرقی کا زوال دیکھتے دیکھتے آنکھوں کے سامنے ہو گیا، بھوپال جو کبھی علما اور طلبہ کی منزل مقصود تھا، نئی تعلیم کے فروغ نے اس کو بالکل ماند کر دیا، یہاں تک کہ یہاں کے عربی و ہندی مدرسے تنزل کی انتہا کو پہنچ گئے، اور درس گاہیں جو کبھی علما اور طلبہ سے معمور تھیں، ویران گہنیں، اور وہ شہر جو کبھی اپنے علمی کارناموں کے سبب سے شہرہ آفاق تھا، اپنے مرتبہ سے گر گیا،



اعلیٰ حضرت فرمانرواے بھوپال کو سات آٹھ سال سے بھوپال کے اس انحطاط اور تنزل کا حال ہے، چنانچہ چھ سات برس ہوئے کہ انھوں نے چند علما اور اہل تعلیم کی ایک مجلس متروک تھی جس کی صدارت پر اس بیچدان کو نامزد فرمایا تھا اس مجلس نے ان مدارس کے نئی بنیاد بنایا، اور ان کی اصلاح و تنظیم کے لئے کچھ فرمایا، دوسرے سال پھر یہ مجلس طلب ہوئی جس میں مقامی اور بیرونی اصحاب علم اس حقیر کی صدارت میں

پھر صحیح ہونے اور ان مدارس کے لئے فنون کی تعیین کی اور ہر فن کے مدرسین کی تعداد مقرر کی اور ان کی تنخواہ: مصارف کا پورا موازنہ (بجٹ) تیار کیا، یہ موازنہ اسمال ریاست کے مالی اور انتظامی اداروں کی بحث و تحویص اور فرمانروا کے بھوپال کی پیشی سے منظور ہوا، اور اس کے لئے چالیس ہزار کی رقم بجٹ میں رکھی گئی،

————— ❦ —————

ایک سال سے زیادہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا، اور مجھ سے یہ خواہش کی کہ ان مدارس کا جو خاکہ میری صدارت میں بنا ہے، میں ہی اس کو عملی صورت میں بھی لاؤں، اور اظہار فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ بھوپال جس طرح پہلے ان علوم کا مرکز تھا، پھر ہو جائے مجھ پر اعلیٰ حضرت کے اس فقرے کا بڑا اثر ہوا، اور میں نے ان کے اس بلند جذبہ کی بڑی قدر کی، اور اسی احساس سے متاثر ہو کر میں نے عرض کیا کہ گو میری صحت اچھی نہیں، اور دارالعلوم ندوۃ اور دارالمصنفین کی ذمہ داریوں سے گراں بار ہوں، تاہم ارشاد والا کے مطابق میں سال و دو سال یہاں رہ کر ان مدارس کی خدمت کروں گا،

————— ❦ —————

چنانچہ اسی کے مطابق اس سال اپریل ۱۹۶۶ء کے وسط میں مجھے بھوپال آنے کی دعوت دی گئی، لیکن میں اپنی مصروفیتوں کے سبب اخیر جون میں یہاں پہنچا، اور یکم جولائی سے جیہاں کے تعلیمی سال کے آغاز کا زمانہ ہی، میں نے اپنا کام شروع کر دیا، اس اثنا میں دارالقضاء اور بعض دوسرے عہدے بھی میرے حوالے کئے گئے، جن کا گو میں اہل نہیں مگر ان کی خدمت کا جذبہ اپنے دل میں پاتا ہوں، اور جی چاہتا ہوں کہ ان عہدوں کو جو ریاستوں میں ان کی شان کے مطابق نہیں ہیں، ایسی ترقی دی جائے کہ وہ ریاستوں کے دوسرے ترقی یافتہ عہدوں کے برابر ہو جائیں۔

————— ❦ —————

اسی سلسلہ میں سرکار بھوپال سے تالیف و تصنیف اور مفید کتابوں کی طبع و اشاعت کی غرض سے پانچ سو ماہانہ کی امداد بھی منظور کی گئی، تو اس کو فیروز پور و غازی آباد کی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جاوے اور مفید اردو کتابوں کی تالیف و اشاعت عمل میں آئے، اور یہ کام بھی میری ہی نگرانی میں دیا گیا، چنانچہ اس کے لئے بعض تجویزین پیش

————— ❦ —————

اس سلسلہ میں بے شبہ کچھ زمانہ تک مجھے بھوپال میں قیام کرنا پڑے گا، لیکن ریاست نے یہ منظور کیا ہے کہ دارالعلوم اور دارالمصنفین کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے سال میں تین چار بار مجھے

لکھنؤ اور اعظم گڑھ آنے جانے کی اجازت رہے گی، وَاَفْضَلُ اِحْرَمِیْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ دَوِّنَ بِالْعِبَادِ  
بصدا

ہمارے دوست مولوی عبدالماجد صاحب دریادہی رکن دارالمصنفین نے ہمیشہ میری طویل  
خیر خواہی کے زمانہ میں، دارالمصنفین کی علمی نگرانی کی ہے، چنانچہ میرے سفر یورپ کے زمانہ میں آٹھ ماہ  
کے قریب اور سفر حجاز کے موقع پر تین ماہ تک دارالمصنفین اور معارف کی نگرانی فرمائی ہے، اور اس وقت  
بھی جب میں جھوپال میں ہوں ارکان دارالمصنفین کی خواہش پر انھوں نے اس خدمت کو قبول کیا ہے  
اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزا عے فرمے،

اجاب سے درخواست ہے کہ ان میں سے جو صاحب ذاتی طور سے مجھ سے خط و کتابت کرنا چاہتے  
ہیں، وہ جھوپال کے پتہ سے کریں لیکن معارف سے متعلق ہر قسم کی مراسلت صرف اوڈیٹر کے نشان سے اعظم گڑھ  
اور دارالمصنفین سے متعلق مراسلت ہتم دارالمصنفین اعظم گڑھ کے نام سے کی جائے اور ان دونوں میں سیر نام  
نہ لکھی جائے، ورنہ تعمیل میں وقت ہوگی،

دارالمصنفین میں پرانی کتابوں کے ذخیروں کے ختم ہوجانے کے سبب سے ان کی دوبارہ اشاعت  
کا کام آٹھ بڑھ گیا ہو کہ نئی کتابوں کی اشاعت کا کام اتنا میں پڑ رہا ہے، اسی لئے اس بات کی  
کوشش کی جا رہی ہے کہ مطبع کے سامان کو بڑھایا جائے، چنانچہ نئی مشینوں کی خریداری اور ملاش کا کام  
جاری ہے، اگر مقصد کے مطابق مشین مل گئی تو انشاء اللہ نئی کتابوں کی اشاعت کا کام بھی شروع کر دیا جائیگا،

دارالمصنفین میں بعض نئے رفقا رکھا اضافہ ہوا ہے، گزشتہ سال سے مولوی حافظ مجیب اللہ  
صاحب ندوی دارالمصنفین کی رفاقت میں ہیں جنکا مضمون ”سرد معارف کی کچھ اشاعتوں میں نکلا ہے اور  
اب مولوی وحید احمد صاحب ندوی اور مولوی وحید الرحمن صاحب ندوی کا انتخاب ہوا ہے، یہ دونوں صاحب  
دارالمصنفین میں آگے ہیں اور کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہیں،

# مقالہ

## علمائے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ماہ جولائی)

گزشتہ نمبروں میں علمائے اسلام کے جو محاسن اخلاق بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ اندازہ ہوا ہو گا کہ دور صحابہ و تابعین میں علمائے اخلاق تھے، وہ کم و بیش ہر دور میں ان میں موجود رہے، لیکن چونکہ جو زمانہ گزرتا گیا، ان میں چند اخلاقی معائب بھی پیدا ہوتے گئے ان کے محاسن اخلاق پیش کرنے کے بعد ان کے معائب پر بھی اس حیثیت سے نگاہ ڈالنا مفید ہے کہ ہم یہ غمخوار کیسے کر آج بھی ہم میں یہ عیوب کتنا شک موجود ہیں اور اگر ہمیں تو ہم کو انکی اصلاح کرنی چاہئے:

اسلام کی اخلاقی تاریخ میں سب سے پہلے امام غزالی نے ان معائب پر نگاہ ڈالی ہے اور علمائے ہر گروہ کی اخلاقی برائیاں دکھلائی ہیں، اور احیاء العلوم میں ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی ”بیان اوصاف المسترین“ اس میں ان لوگوں کی اخلاقی حالت بیان کی ہے جن کو اپنی نسبت دھوکا ہوتا ہے اور وہ غلطی سے اپنے عیب کو نہر سمجھتے ہیں، اس میں انھوں نے علمائے مختلف گروہ قرار دیئے ہیں، اور ہر گروہ کے اخلاقی معائب بیان کئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

ان میں ایک گروہ تو وہ ہے، جو ہمیشہ ظاہری عبادات میں مشغول رہتا ہے، اور گناہوں سے اجتناب کرتا ہے لیکن اس کا دل صفات مذمومہ سے پاک نہیں ہوتا، مثلاً غرور، حسد، ریا، شہرت پسندی، ریاست طلبی اور اپنے ہمسردوں کو نقصان پہنچانا، یہاں تک کہ ان میں بعض لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ اوصاف مذموم ہیں،

دوسرا گروہ وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ شریعت میں یہ اخلاق مذموم ہیں لیکن خود پسندی کی وجہ سے اس کو اپنے یہ اخلاقی معائب نظر نہیں آتے، اُو وہ اپنے آپ کو انسانی سے بالاتر سمجھتا ہے، اور جب اس میں غرور، جاہ پسندی، اور ریاست طلبی کی علامتیں ظاہر ہوتی ہیں، تو کہتا ہے کہ یہ غرور نہیں ہے یہ علم دین کے عز و شرف کا اظہار اور دین کی حمایت ہے، اگر میں ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنوں اُو فی درجہ کی مجلس میں بیٹھوں تو دشمنانِ دین اس پر خوش ہوں گے، اور میری ذلت، اسلام کی ذلت ہوگی لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی حالت کو بھول جاتا ہے، کہ انھوں نے کس تواضع اور فقر و سبکدستی کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تمام میں نہایت معمولی کپڑے پہن کر آتے، تو لوگوں نے اس پر نکتہ چینی کی لیکن انھوں نے کہا کہ خدا نے ہم کو اسلام سے سزا دیا ہے، اس لئے ہم اس کے سوا اور کوئی عزت نہیں چاہتے، اسی طرح جب وہ اپنے ہمسردوں کے ساتھ حسد کا اظہار کرتا ہے تو یہ نہیں سمجھتا کہ یہ حسد ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ غم و غصہ محض حق کے لئے ہے، اسی طرح جب وہ اپنے علم و عمل کی نمائش کرتا ہے، اور اس کو ریاکاری کا شہید ہوتا ہے تو کہتا ہے حاشا ریاکاری نہیں ہے، بلکہ علم و عمل کے اظہار سے میرا مقصد یہ ہے، کہ لوگ میری اقتدا کر کے دین کا راستہ پائیں، اور مذائبِ الٰہی سے نجات حاصل کریں لیکن اگر لوگ دوسرے عالم کی اقتدا کرنے لگیں تو وہ اس پر خوش نہ ہوگا، امد اس حالت میں شیطان سکھو یہ دھوکا دیکھا، کہ اگر لوگ مجھ سے ہدایت حاصل کرتے تو اس کا ثواب مجھ کو ملتا، لیکن اگر کوئی پیغمبر اس کو یہ بتائے، کہ گناہی اور علم کے چھپانے میں اس کے ظاہر کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا، امد اس کے ساتھ اس کے



قید کر کے بیڑیوں میں جکڑ دیا جائے، تو وہ قید و بند سے نکلنے کی تدبیریں کرے گا، تاکہ پھر درس کے مندر اور  
 دغلا کے منبر پر چڑھ کر اپنی ریاست کا اظہار کر سکے، وہ بادشاہوں کے دربار میں جاتا ہے، اُن سے دوستانہ  
 تعلقات رکھتا ہے، ان کی مدح و ثنا کرتا ہے، اور ان کے ساتھ بہ تواضع پیش آتا ہے، اور جب اس کے دل  
 میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ ظالم بادشاہوں کے ساتھ بہ تواضع پیش آنا حرام ہے، تو شیطان اس کو دھوکا دیتا ہے  
 کہ یہ تو اس وقت ہے جب اُن سے مال کی خواہش کی جائے، لیکن تمہارا مقصد تو مسلمانوں کی سفارش کرنا  
 اور ان کو نقصان سے بچانا ہے،

غرض اسی طرح امام صاحب نے متکلمین، فقہاء، اہل حدیث، و عارفان اور اہل ادب، سب کے اخلاق  
 پر تنقید کی ہے، اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لوگ نفس کے دقیق اخلاقی محائب سے ناواقف ہیں، اور ان علوم سے  
 ان کا مقصد صرف شہرت طلبی اور جاہ پسندی ہے، اور بعض واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ  
 حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام حافظ ابو اسماعیل (المتوفی ۳۸۰ھ) کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اپنی مجلس میں  
 عمدہ کپڑے پہن کر ادریتی سوار ہی پر سوار ہو کر جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ ”میں دین کی عزت بڑھانے“  
 اس کے دشمنوں کے ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا ہوں، تاکہ وہ میرے اعزاز اور شان و شوکت کو دیکھیں تو  
 اسلام کی طرف مائل ہوں، پھر جب اپنے گھر میں آتے تھے، تو وہ گدڑی پہن کر خانقاہ میں صوفیوں  
 کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اور ان سے کسی چیز میں امتیاز نہیں  
 حاصل کرتے تھے۔

امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ ”علم حدیث کی تحصیل موت کا زادراہ نہیں ہے، بلکہ وہ نفس کے  
 مشغول کھنے کا ایک چیلہ ہے، حافظ ذہبی اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ انھوں نے بالکل سچ  
 کہا کیونکہ علم حدیث کی تحصیل اور چیز ہے اور حدیث اور چیز، علم حدیث کی تحصیل ایک عرفی نام ہے، جو

اُن امور پر مشتمل ہے، جو ماہیتِ حریث پر زائد ہیں، اور زیادہ تر ان امور سے محدث اپنے دل کا شوق پورا کرتا ہے، مثلاً عمدہ نسخوں کا جمل کرنا، محالی کی تلاش کرنا، شیوخ کی تعداد کا بڑھانا، خطاب و لقب اور تعریف سے خوش ہونا، روایت کرنے کے لئے طویل عمر کی آندہ کرنا، اور چند ایسے امور میں سب سے منفرد ہونا، جو اغراضِ نفسانہ کے لئے نہ کہ اعمالِ ربانیہ کے لئے ضروری ہیں، جب علمِ نبوی کی تکمیل ان آفات میں گھری ہوئی ہے، تو تم کو اخلاص کیونکر حاصل ہو سکتا ہے، اور جب علم آثارِ خدشات سے محفوظ نہیں، تو علمِ منطقی، جعل اور حکمت کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟ جو ایمان کو سلب کر لیتی ہیں اثرِ سکوک و حیرت پیدا کرتی ہیں، اسی نکتے کو امام غزالی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ”ان میں بعض لوگ شہرِ دن میں گھومتے ہیں، اور شیوخ کو دیکھتے ہیں، تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ بنیِ فلان سے روایت کرتا ہوں، اور میں نے فلان کو دیکھا ہے، اور میرے پاس ایسی اسناد ہیں، جو اور دن کے پاس نہیں ہیں“

علماء کی اخلاقی حالت پر مناظرِ دن کے عام رواج کا نہایت مضر اثر پڑا، دورِ عباسیہ تک تو یہ مناظر سے علمِ کلام کے مسائل کے متعلق ہوا کرتے تھے، لیکن جب ان کی وجہ و سختِ تعصب پھیل گیا، اور جگہ و خورِ بڑی کمِ قیمت پہنچ گئی، تو مناظرے کے لئے فقہ کا میدان انتخاب کیا گیا، اور زیادہ تر امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کے اختلافی مسائل کے متعلق مناظرے ہونے لگے، غالباً اس تخصیص کی وجہ یہ تھی کہ دوسرے مذاہب میں عقلی زورِ زمانی کا موقع بہت کم ملتا تھا، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذاہب میں عقل و قیاس کی آمیزش نے طباعی اور احتمالِ آفونی کے مواقع زیادہ پیدا کر دیئے تھے، اس لئے مناظرے کے لئے یہ دونوں مذاہب زیادہ موزوں تھے، بہر حال ان دونوں مذاہب کے یہ بیانِ مناظرے کا عام

رواج ہوا، اور امداد و وزراء کے سامنے اس قسم کی مجلسیں منعقد ہونے لگیں، اُدھنوں نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ ماتی حلقے بھی ان سے خالی نہ رہے، ابوالولید باجی کا بیان ہے کہ بغداد میں یہ رسم ہے کہ جب کسی کا کوئی محبوب عزیز مر جاتا ہے تو وہ چند دن اپنے محلے کی مسجد میں اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کے ساتھ اس کے ماتم میں بیٹھتا ہے، اور سوگ کے دن یا تو قرآن مجید کی تلاوت میں گزارے جاتے ہیں، یا فقہاء کے درمیان مناظرے کرائے جاتے ہیں، یہ طریقہ اگرچہ علم و فن کی ترقی کے لئے نہایت مفید تھا، لیکن اس علماء میں بہت سی بد اخلاقیات پیدا ہو گئیں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں ان کی جو تفصیل کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

۱۔ حسد، کوئی مناظرہ حسد سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے، اور کبھی مغلوب، کبھی اس کے کلام کی تعریف ہوتی ہے، اور کبھی دوسرے کا کلام قابل ستائش خیال کیا جاتا ہے، اس لئے جب تک دنیا میں علم و مناظرہ میں اس سے بہتر کوئی شخص موجود ہوگا وہ اس پر حسد کرے گا،

۲۔ تکبر و ترفع۔ کوئی مناظرہ کبر و ترفع سے خالی نہیں ہوتا، ایمان تک کہ مناظرے کی بعض مجلسوں میں وہ اس پر جنگ کرتے ہیں، کہ کون نیچے بیٹھا ہے، اور کون اوپر، اور کون رئیس کے مندر سے قریب ہے، اور کون دور اور اس کا نفس یہ دھوکا دیتا ہے، کہ اس سے علم کی عزت کا تحفظ مقصود ہے، اور مسلمان کو ذلت اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے،

۳۔ کینہ و عداوت، ہر مناظرہ میں یہ بد اخلاقی پائی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص اس کے فریب کی بحث کو پسند کرتا ہے، اور خود اس کی بحث کو پسند نہ کرے، اس کے دل میں اس سے بغض پیدا ہو جاتا ہے، اگر اس کے حریف نے اس کی بحث کے ساتھ تھوڑی سی بھی بے اعتنائی کی، تو اس کے

دل میں ایسی عداوت پیدا ہو جاتی ہے، جو قیامت تک ذرا لہین ہو سکتی

۴۔ غیبت، کوئی مناظر ایسا نہیں ہے جو اپنے فریق کی بحث کی بُرائی بیان نہ کرتا ہو اور اسی کا نام غیبت ہے، اسی طرح جو لوگ اس کی بحث سے اعراض کرتے ہیں، اور اس کے فتنی کی بحث کو سننے ہیں، ان کو جاہل، احمق اور بخی کہتا ہے،

۵۔ خود ستائی، ہر مناظر علم و فضل میں اپنی بڑائی بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بھلا مجھے جیسے شخص سے یہ بات مخفی رہ سکتی ہے؟ علم حدیث اور اصول کا میں سب سے بڑا ماہر ہوں، تجسس، مناظر ہمیشہ اپنے فریق کی بُرائیوں کی ٹوہ میں رہتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی مناظر اس کے شرمین آتا ہے، تو اس کو ایسے شخص کی تلاش ہوتی ہے، جو اس کی اندرونی حالت کو بتائے، وہ لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اس کے عیوب کا پتہ لگاتا ہے، تاکہ اس کے ذلیل و شرمندہ کرنے کے لئے مسالہ تھائے، یہاں تک کہ وہ اس کے بچپن کے حالات اور جسمانی عیوب کا پتہ لگاتا ہے، تمسخر و استہزاء سے ان کا اظہار کرتا ہے،

۶۔ شہادت، جو شخص علم و فضل کا اظہار فخر و مباہات کے لئے کرتا ہے، اس کو یقیناً اس چیز سے مستر ہوتی ہے جس سے اس کے حریف کو رنج پہنچتا ہے، ایسی حالت میں رنج و غم میں باہمی نکتہ جو علمائے قدیم میں پائی جاتی تھی، وہ کہاں باقی رہتی ہے؟

۸۔ نفاق، ایک مناظر اپنے حریف سے بظاہر تو نہایت تپاک سے ملتا ہے لیکن اس کا دل اس کے بغض سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور اسی کا نام نفاق ہے،

۹۔ اعراض عن الحق، مناظر کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے، کہ اس کے حریف کی زبان سے حق کا اظہار ہو چنانچہ جب کبھی اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے، اور اس میں ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتا ہے، یہاں تک کہ کج سخن اس کی فطرت بن جاتی ہے،

۱۔ ریاء کا رسمی منظر کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے، کہ لوگوں میں اس کا نام دھونڈو، اور لوگ اس کی مدح و ستائش کریں، اس لئے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے وہ سعی بلیغ کرتا ہے، اور اسی کا نام ریاء ہے،

یہ جڑیاں تو اکابر و عقلا میں پائی جاتی ہیں، اور ان برائیوں سے اور بھی بد اخلاقیان پیدا ہوتی ہیں، مثلاً صد غصہ، دشمنی، حرص، جاہ و مال کی خواہش، نفی رسی اور غرور وغیرہ اور جو لوگ کم درجہ کے ہوتے ہیں، وہ جھگڑا، فساد، مار پیٹ، سب و شتم اور آفرات و ہشان سے بھی دریغ نہیں کرتے، جو لوگ شہرت طلبی اور زبردستی کے لئے وعظ و پند کا پیشہ اختیار کرتے ہیں، ان میں بھی یہ تمام بد اخلاقیان پائی جاتی ہیں، اور جو لوگ قاضی بننے، اوقاف کے متولی ہونے اور عسروں پر تفوق حاصل کرنے کے لئے علم فقہ اور علم فداوی میں مشغول رہتے ہیں، وہ بھی ان بد اخلاقیوں سے خالی نہیں ہوتے،

ان تمام بد اخلاقیوں کا غلہ تعصب کی شکل میں ہوا، اور یہ دبا صرف علماء تک محدود نہیں رہی بلکہ اس سے عوام بھی شدت کے ساتھ متاثر ہوئے، اور باہم سخت جنگ و خونریزی ہوئی، ابن حوقل لکھتا ہے، کہ رے کے باشندے شافعی المذہب اور حنفی المذہب ہیں، لیکن شافعیوں کی تعداد و خفیون سے کم ہے، ان دونوں میں سخت تعصب ہے، اور اس تعصب کی وجہ سے ان میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں جن میں باجوہ و تعداد کی کمی کے شافعیوں کو غلبہ حاصل ہوا،

یا قوت حموی نے ان لڑائیوں کے درد انگیز نتائج کو بختم خود دیکھا ہے، اور عبرت انگیز طریقے پر ان کی تفصیل کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ میں رے کے ویرانہ سے ۱۰۰۰۰ میں گذرا تو دیکھا کہ اس کے کھنڈروں کی دیواریں کھڑی ہیں، اس کے منبر پاتی ہیں، اور چونکہ جلد ہی ویران ہوا ہے، اس لئے اس کی دیواروں کے نقش و نگار علیٰ حالہ قائم ہیں، میں نے وہاں کے ایک مسجد اور آدمی سے اس ویرانی کا سبب

پوچھا اس نے کہا کہ سبب تو معمولی ہے، لیکن خدا جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو پورا ہی کر دیتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس شہر میں تین گروہ تھے، ایک تو شافعیہ جن کی تعداد سب سے کم تھی، دوسرے خفیہ جن کی تعداد سب سے زیادہ تھی، تیسرے شیعہ جن کی تعداد ان سب سے زیادہ تھی، کیونکہ اہل شہر میں نصف شیعہ تھے، اور دیہات کے باشندوں میں زیادہ تر شیعہ اور تھوڑے سے حنفی تھے، اور ان میں شافعی کوئی بھی نہ تھا، پہلے شیعوں اور شیعوں میں تعصب پیدا ہوا اور خفیوں اور شافعیوں نے اُن پر غلبہ حاصل کر لیا، اور طویل لڑائیوں کے بعد ان دونوں نے شیعوں کا نام و نشان تک مٹا دیا، اس کے بعد خفیوں اور شافعیوں میں تعصب پیدا ہوا، اور ان دونوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں جن میں باوجود تعداد کی کمی کے شافعیوں کو غلبہ حاصل ہوا، دیہاتی لوگ جو حنفی تھے، شہر میں ہتھیار لیکر آتے تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگوں کی مدد کرتے تھے، لیکن اس سے خفیوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا، اور شافعیوں نے ان کا بالکل خاتمہ کر دیا، یہ دیران محلے جن کو تم دیکھ رہے ہو، شیعوں اور خفیوں کے محلے ہیں، صرف یہ محلہ جو شافعیہ کے نام سے مشہور ہے، باقی رہ گیا ہے، اور وہ رے کا سب سے چھوٹا محلہ ہے، اور شیعوں اور خفیوں میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں، جو اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں۔

اصفہان میں بھی اس خانہ خراب تعصب نے اسی قسم کی ویرانی پیدا کر دی، چنانچہ یا قوت حموی اصفہان کے حالات میں لکھتا ہے کہ شافعیوں اور خفیوں کے تعصب اور دونوں کی متصل لڑائیوں کی وجہ سے اصفہان اور اس کے اطراف میں اس دقت اور اس سے پہلے عام ویرانی پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ جب کسی فریق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ دوسرے فریق کے محلے کو لوٹ لیتا ہے، اس کو جلا دیتا ہے اور اس کو ویران کر دیتا ہے۔

اختلاف عقائد کی وجہ سے جو تعصب پھیل گیا تھا، وہ اس پر مستزاد تھا، ابو نصر عمید الملک کندی

جو طغرل سلجوقی کا وزیر تھا، نہایت متعصب تھا، اس نے الپ ارسلان سلجوقی سے اس بات کی اجازت لی کہ خراسان کی مسجد ون میں سرسبز شیعہوں پر لعنت بھیجی جائے، اس نے اس کی اجازت دیدی، علیحدہ سے اس میں اشعریوں کو بھی شامل کر لیا، جس سے ائمہ خراسان میں سخت برہمی پھیل گئی، اور ابوالقاسم شہر کا اور امام احرار نے خراسان کو چھوڑ دیا،

تعصب و مناظرہ کے علاوہ فقہاء کی روش کا فیون نے فقہی حیلوں کا ایک اور فن پیدا کیا جس سے اسلام میں ایک عظیم الشان مذہبی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہو گیا، اور بہت سی ناجائز چیزیں ان حیلوں کے ذریعہ سے جائز ہو گئیں، اس قسم کی حیلہ بازیان فقہ کے چوتھے دور میں شروع ہوئیں، جو دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا، اور چوتھی صدی تک ختم ہو گیا، کیونکہ اس دور میں مسلمانوں میں قطعی ترقی کے ساتھ اخلاقی انحطاط شروع ہو گیا تھا، اور عیش و عشرت کی گرم بازاری ہو چلی تھی لیکن اسی کے ساتھ مذہب کا اثر بھی قائم تھا، اس لئے مذہب کا وار و گیرت مفر کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی، کہ جو کچھ کیا جائے، اس کے جواز کے لئے مذہب ہی کی سند حاصل کی جائے، اس قسم کی حیلہ بازیوں کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں،

یہ جیلے امراء سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تراشے جاتے تھے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو کسی مذہبی کشمکش سے نجات دلائی جائے،

لیکن بعد کو ان باتوں کی کوئی تخصیص نہیں رہی، اور یہ ایک مستقل فن بن گیا، اور اس پر کتابیں لکھی گئیں، بن پر عمل کرنے سے تمام حقوق شرعیہ ساخط ہو سکے، ہینڈنگ شخص کے پاس اس قدر مال ہے، کہ سال کے ختم ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ سال کے ختم ہونے پر اس کو اپنے اپنی خیال پر بہہ کر دے، پھر جب نیا سال شروع ہو تو اپنے اوپر بہہ کر اسے،

بنے ہوئے صوفیہ نے بھی ان حیلوں سے فائدہ اٹھایا، اور جو چیزیں شرعاً ناجائز تھیں، نام بدل کر ان کو جائز کر لیا، بھانگ کا ایک خاص نام رکھ لیا، اظہور، عود، بربط وغیرہ باجون کے نام بدل دیئے، گویے کوہادی، مطرب وغیرہ کہنے لگے، لیکن محدثین نے ان حیلوں پر سخت اعتراضات کئے، ان کے نزدیک تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے، اور نام اور صورت بدل دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل جاتی، خود حدیث میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں پانچ چیزوں، پانچ چیزوں کے نام سے حلال کر لی جائیں گی، شراب ایک خاص نام سے، رشوت ہدیہ کے نام سے، قتل، رعب و داب کے نام سے، زنا نکاح کے نام سے، اور سود بیع کے نام سے، ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مجموعہ فتاویٰ میں ان حیلوں کے ابطال پر نہایت مفصل بحثیں کی ہیں، اور ان کے متعلق محدثین کے نہایت سخت اقوال نقل کئے ہیں، امام احمد بن حنبل وغیرہ اللہ نے ان حیلہ بازوں کی تکفیر کی ہے اور ان کا متفقہ قول یہ ہے کہ جو شخص ان حیلوں کے مطابق فتویٰ دیتا ہے، وہ اسلام کے نظام کو الٹ پلٹ دیتا ہے، اور اسلام کے شیرازے کی ایک ایک گرہ کھول کر رکھ دیتا ہے، ایک عورت اپنے شوہر سے طلع کرنا چاہتی تھی، لیکن شوہر اس پر راضی نہیں ہوتا تھا، اب اس کو یہ تدبیر بتائی گئی کہ اگر تم مرتد ہو جاؤ تو نکاح ٹوٹ جائے گا، چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا، حضرت عبداللہ بن مبارک سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے کہا کہ جس شخص نے اس قسم کے حیلوں پر کتاب لکھی ہے، وہ کافر ہے جس نے اس کو سنا اور پسند کیا وہ کافر ہے، اور جو شخص اس کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں لے گیا وہ کافر ہے، نفرین میں کہتے ہیں کہ کتاب بخیل میں تین سو بیس یا تیس ملے ایسے ہیں، جو سب کے سب کفر ہیں، تاہم بن مہدی کہتے تھے، کہ تم لوگوں نے حیلوں پر جو کتابیں لکھی ہیں، وہ بدکاری کی کتابیں ہیں، لیکن



بائیں اوس زمانہ میں مذہب و اخلاق کا اس قدر اثر تھا کہ لوگ ان کتابوں کو علانیہ اپنے نام سے نہیں لکھ سکتے تھے، چنانچہ آج تک یقین کے ساتھ ان کے مصنفین کا نام نہیں بتایا جاسکتا، درجہ یکہ ایک مصنف نے لکھا ہے، کہ فقہ کے اس دور میں نئے نئے مسائل کے ایجاد کرنے کا جو میلان پیدا ہو گیا تھا، اوس نے ضعیف المذہب لوگوں کو اس قسم کے حیلوں کے ایجاد کرنے پر آمادہ کیا، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عباسی دور میں جو عجمی فرتے علی حیثیت سے مسلمانوں کے مذہب و اخلاق میں ضعف پیدا کرنا چاہتے تھے انھوں نے گناہ طریقے پر اس قسم کی کتابیں شائع کر دی ہوں،

بہر حال یہ ایک مذہبی اور اخلاقی فتنہ تھا، جو عباسی دور میں عقلی ترقی اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ پھیلا، اور مذہب اور اہل دول اس سے خاص طور پر متاثر ہوئے، اور محدثین نے اس کی روک تھام میں خاص طور پر حصہ لیا، امام غزالی نے بھی احیاء العلوم میں ان حیلوں کو فقہ کا ایک دھوکا قرار دیا ہے،

علماء میں جن لوگوں نے وعظ و پند کو اپنا پیشہ بنالیا تھا، ان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی، علمائے بعض اخلاق مذہبی اور صوفیانہ نقطہ نظر سے گو قابل اعتراض ہوں، لیکن دنیوی حیثیت سے ان میں ترغ و ہمدی اور طباعی پائی جاتی تھی، لیکن واعظوں نے بالکل گدگاری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ اور عبارت آرائی، رنگین بیانی اور قصہ خوانی کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرتے تھے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے واعظوں کی یہی حالت ہے، اگر کوئی شخص شاذ و نادر ملک کے کسی گوشے میں اس کے خلاف جو تو ہو، لیکن ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہیں ابن جبرین نے اپنے سفرنامہ میں ایک بڑے خطیب کی مجلس وعظ کے ذکر میں لکھا ہے، کہ انھوں نے اپنی مجلس ان الفاظ میں ختم کی کہ حاضرین میں نے ایک رات تو خدا کے حرم میں تمھارے سامنے وعظ کیا اور آج رسول اللہ ﷺ کے حرم میں

وَعظًا كَثِيرًا هُوَ "واعظ کے لئے گداگری ضروری ہے" اس لئے میں تمہارے سامنے ایک حاجت پیش کرتا ہوں۔ اگر تم لوگ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کر دو تو میں اس کو بیان کر کے اپنی آمد ویزی کر دوں، لوگوں نے نہایت گریہ و زاری کے ساتھ اس حاجت کے پورا کرنے کا اعلان کیا، تو اس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ تم لو اپنے سردن کو گھول کر اور ہاتھوں کو پھیلا کر اس پیغمبر کے سامنے دعا کرو کہ وہ مجھ سے راضی رہے، اور خدا کو بھی مجھ سے راضی کر دے،

یہ ایک نہایت دولت مند آدمی تھا، اس لئے اس نے کوئی دنیوی غرض پیش نہیں کی، تاہم اس کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ گوئی کے لئے گداگری ضروری تھی، اور یہ گداگری جس طرح بھری مجلس میں کی جاتی تھی، ابن جبر نے اس کا ذکر بھی نہایت ناگواری کے ساتھ کیا ہے۔ اسی قسم کے فقہاء و واعظین تھے جن پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری، جاہ طلبی اور پستی اور عجب و غرور کے الزامات لگائے ہیں۔

لیکن ہر دور کے علمائے حق کے امتیازی اوصاف وہی رہے ہیں جن کی تفصیل گذشتہ نمبر میں بیان کی گئی ہے۔

۱۔ سفر نامہ ابن جبر ۱۲۱

رَحْمَتِ عَالَمِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مدرسہ اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے عام فہم اور سادہ زبان میں سرور عالم

کی سیرت، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت :- مجلد ۱۲، غیر مجلد ۱۰ (طبع چلوم)

پیغمبرؐ

# عہدِ تمویز سے پہلے کے صوفیہ کرام

اور

## ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحبِ نیت و ادب

(۱۰)

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارفِ فردوسی ص ۱۷۷)

حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہ العزیز حضرت شیخ صدر الدین کے رٹکے اور حضرت شیخ بہاء الدین

ذکر یا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جد اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے والدِ عظمیٰ کہلاتے تھے، انھوں نے اپنے خضر حضرت شیخ بہاء الدین ذکر یا کے زیر سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت چل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتے تھے، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاء الدین ذکر یا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاء الدین ذکر یا چار پائی پر بیٹھے تھے، اور دست مبارک سر سے اتار کر چار پائی کے پایہ پر رکھ دی تھی، حضرت شیخ صدر الدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کہیںے ہوئے آئے، اور دادا کی دست پر مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والد ماجد نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدر الدین بگڑی

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین

پہننے سے اس کو نہ روکو۔ . . . . وہ اس کا مستحق ہے، اور میں یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہوں، چنانچہ ڈیڑھ گڑی محفوظ کر دی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر ٹھکان ہوئے تو وہ ان کے سر پر رکھی گئی،

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، اور روحانی تربیت میں جد امجد سے فیضیاب ہوئے، ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونوں بزرگوں کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی ان سے آنکھیں چار نہ کرتے، اور زنانہ کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خورد سالی میں ان کے اس ادبے متاثر ہو کر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو رکن الدین عالم کا لقب عطا فرمایا، اور وہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے، انہی دونوں بزرگوں کی صحبت میں انھوں نے صورتی و معنوی کمالات حاصل کئے، علم تو وضع شہادت، حکم، موافقت، بنائش، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن اور تصنیف جملہ صفات ان میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں، اور انھوں نے مکاشفہ و محاسب سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے، کہ ان کو "مخزن مشہود الہی" "منبع جود و امتنا ہی" اور پس خلوت وحدت بر صبیح معرفت گوہر معدن صفات لاریب، لولوس سبح دریا سے غیب زبدۃ المشائخ، مفاتح فضل حق الیقین کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مولف نے ان کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ میں کی ہے،

جہان معرفت سلطان معنی	دو جودش آیت در شان معنی
دلش از طلعت اسرار سرور	ہمیشہ جانش از انوار معور
بباطن در حقیقت نہ بے باک	بظاہر در شریعت چست چالاک
بریدہ گردن شیطان خاس	خرید انش ز تیغ پاس انفاس

سیر العارفین ج ۲ ص ۲۲ و فرشتہ ج ۲ ص ۲۱۱ و مرآۃ الاسرار قلی شہودار المصنفین،

سیر العارفین ج ۲ ص ۲۱۱ و مرآۃ الاسرار قلی شہودار المصنفین،

ہلک فقر از کشف و کرامات زده بر عرش کوس استقامت

کلامش پاک از طامہ و از شطح یلغای شیخ رکن الدین ابوالفتح

ہلک فقر جز نعمت نبودش جمائی ریزہ بین خان جودش

چھتیس سال کی عمر میں جب وہ والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے، تو ہر گوشہ سے لوگ مدت

میں حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے، جو بھی اہل حاجت حاضر ہوتا، اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی کے قبلہ حاجات بھی کھلتے تھے مجلس میں جس کے دل میں کوئی بات آتی، اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا، ادویاس کی دیکھائی کرتے،

مشائخ و سلاطین و وفون سے ملنے، مگر ان کے مراتب کے حدود کو طوطا رکھ کر تعلقات قائم کرتے

تھے، سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کدو کے ساتھ دہلی سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقرا و مساکین میں تقسیم دی اور اپنے ساتھ ایک جہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ میں ملتان سے دہلی صرف سلطان

نظام الدین اولیا کی محبت اور شوق ملاقات میں آتا ہوں، حضرت سلطان الاولیا کو بھی اُن سے

قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے، تو اگر ایک طرف ان کے استقبال

کے لئے سلطان وقت اپنے خدم و حشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیا

بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ ان کے لئے چشمہ براہ تھے،

حضرت شیخ رکن الدین کو دہلی میں شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت سلطان الاولیا ہی

کی صحبت میں بسر کرتے تھے، ودفون ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ

رکن الدین دہلی آئے، تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جا میں مسجد تشریف لے گئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیا، پہلے سے مسجد میں موجود تھے، خود بڑھ کر حضرت شیخ رکن الدین سے ملے، اور تھوڑی دیر ان کے پاس بیٹھ کر اپنی جگہ واپس آئے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین جا کر ان کے قریب بیٹھے، اسی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ رکن الدین حضرت سلطان الاولیا، کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ بھی گئے، لیکن پاؤں میں کچھ تکلیف تھی، اس لئے پاکی سے باہر نہ نکل سکے، اور خود حضرت شیخ نظام الدین دوسرے درویشوں کے ساتھ پاکی کے پاس بیٹھ رہے، وہاں کھانا منگوایا، کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سوا سترخان حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت میں بطور نذر کے پیش کیں، انھوں نے قبول کرنے میں تامل کیا، اس لئے مجبوراً الٹی نے ان کے بھائی فتح عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کر دیا۔

حضرت بہاء الدین زکریا کے نواسے مولانا علم الدین فرماتے ہیں، کہ ایک بار حضرت شیخ رکن الدین نے کیلو گری کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد سلطان الاولیا کی خانقاہ میں قدم رنجہ فرمایا، یہاں پہلے سے کچھ فقر اور مشائخ موجود تھے، اس قرآن السعدین کے وقت مولانا علم الدین کے دل میں بعض غلیظیات کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونوں بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کی کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا منہوت تھی؟ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف و منحصر تھی اس لئے کہ معظمہ مدینہ منورہ کی جانب مہجور ہوئے۔ حضرت سلطان الاولیا نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری سمجھ میں یہ بات آتی جو کہ اللہ جل شانہ نے ابو محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے معظمہ حاضر ہونے کے استطاعت نہیں رکھتے تھے، وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستعد ہو کر ظاہری و باطنی کمالات میں مکمل ہو جائے۔ غالباً حضرت شیخ رکن الدین دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ میں حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

کے عرس کا زمانہ آگیا۔ چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی میں بھی عرس کی تقریب منائی گئی، عرس کی محفل میں حضرت

شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے مجلس سماع میں حضرت سلطان الاولیاء پر وجد طاری ہو گیا، اور غایت

اضطراب میں کھڑے ہونا چاہا، مگر شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھکادیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ

کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہو گئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہیں

کی، بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مودب کھڑے ہو گئے، مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے

حضرت شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے سلطان الاولیاء کو کھڑا

ہونے دیا، لیکن دوسری بار نہیں روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدین کی رسانی

عالم ملکوت تک ہوئی تھی، وہاں تک میری گز ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھادیا، دوسری

بار ان کی رسانی عالم جبروت میں ہوئی، وہاں تک میں نہیں پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحمت نہ ہوا۔

حضرت سلطان الاولیاء سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت و عقیدت کا اظہار اس واقعہ

سے بھی ہوتا ہے، اگر انھوں نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سناٹی کو محبوب الہی

کی قربت کی خاطر دہلی ہی میں قیام کرنے کا حکم دیا، حضرت عثمان جن کا مزار شریف دہلی میں ہے، جب

سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہنچے، تو ایک دن کیلوگری میں نہر کے پاس حضرت شیخ

رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرہ اقدس پر نظر پڑے ہی دل انوار روحانی سے منور ہو گیا، اور یہاں باضابطہ اذیت حاصل

کر لی، حضرت شیخ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت میں رکھا، اسی مدت میں کلام پاک

حفظ کیا، اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، انہو حضرت شیخ رکن الدین

کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کو اختیار کر لیا، ایک تہ بند کے

علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہیں رہتی تھی، اسی بے سرو سامانی کی حالت میں حج کے لئے تشریف لے گئے،

مدینہ منورہ میں ایک سال تک دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران میں چشم بنیا

لے لے کر لافان میں ۵۰۶ وقرشہ جلد دوم ص ۱۲۱

سے دیکھا کہ حضرت فخر علیہ السلام اُن کے سر پر سارے کئے ہوئے ہیں، یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے، اور اسی وقت دوسرے حکام کی سیاحت کو روانہ ہو گئے کثات برس کے بعد عثمان کوٹے تو مشد نے گلے سے لگایا اور سر کو بوسہ فرمایا کہ تم نے یہ بہت اچھا کیا کیجس روز اپنے سر پر حضرت فخر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کر لی دُشہ فحوق کے نشہ میں پڑ جاتے، یہ کہہ اپنا پیرا بہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی اور پھر خدیوہ روز اپنے ساتھ ٹھہر کر دہلی روانہ کر دیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم وہیں قیام کرنا جہاں حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہیں، وہاں جا کر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہاں رہنے کا حکم دیں، وہیں سکونت اختیار کرنا، اپنا بچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہونچ کر محبوب الہی کی خدمت میں مرشد کا سلام پہنچایا، انھوں نے کھڑے ہو کر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الہی کی صحبت میں اُن سے ایسی محبت وشفقت پیدا ہو گئی کہ سرگاہ اس کا چہرہ چاہتے ہیں کہیں، حضرت شیخ عثمان کو تنوع کا ذوق پہلے سے بھی تھا، شیخ عثمان کی مجلسوں میں شرکت سے یہ ذوق اور بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیام گاہ پر جلسہ دین کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیوں سمیت گذرا، امیر حسن کو محبوب الہی بہت ہی عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے کے بہت فرود تھے، امیر حسن بھی محبوب الہی اور شیخ عثمان کے گہرے مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الہی کے ہم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے بیٹھ ائے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمائش کی، اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر تدغین تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمائش کی تعمیل میں ناہل ہوا، حضرت شیخ عثمان کو اڑبین زنجیر لگا کر کمانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز میں یہ بہت شرم کی،

زادہ زوئیں برآمد و صوفی ذاعتقاد

ترسا محمد سی شد و عاشق بہان کہ بہت



امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گویا، تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہو گئے، اور

امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، اور دل

کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمان نے اس بے خودی میں دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، ابائیس توال

اور آگئے، اور یہ محفل سباع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی، کہ شہر کے تمام صوفیہ تکر جمع ہو گئے، اور

کئی ہزار تماشا بینوں پر حال و قال طاری ہو گیا، اور حضرت شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے

ہوئے بے خودی کی حالت میں جماعت خانہ سے نکل آئے، اور تعلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے، توال

بھی ساتھ ساتھ کاتے جاتے تھے، پیچھے لوگوں کا مجمع تھا، اور بکے سب شیخ کے جذب و بخود دی کے اثر

سے سرشار تھے، اسی حال میں شیخ تعلق آباد شاہی محل کے پاس پہنچے، سلطان غیاث الدین تعلق بھیجا کہ

کوئی فتنہ اٹھا رہا ہے، ملک شادوی خان کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اس نے واپس آکر اطلاع دی کہ

حضرت شیخ عثمان صوفیوں اور توالوں کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہیں، سلطان پر بھی

کے آثار ظاہر ہو کر پھر اس نے اس فرست کو منگوا کر دیکھا، جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام درج

تھے، جنہوں نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خان سے رشوتیں قبول کی تھیں، مگر

اس میں حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی میں بدل گئی، اور وہ حضرت

شیخ عثمان کو دست الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو

لا کر محل کے اندر بٹھرایا جائے، اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ

پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے اوانِ نعمت سے تمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ

عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی، مگر انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا، اور غیث پور

کی طرف چل کھڑے ہوئے، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے، جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء

کے حال میں کیا جا چکا ہے،

اد پر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت حق اللہ کی خاطر تھے، علی الدین غنی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الہی سے ذاتی محبت پیدا ہو گئی جس کی تفصیل حضرت نظام الدین اولیاء کے حال میں بیان کی جا چکی ہے، اس محبت و عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے رفاہی سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ میں اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گردیدگی اور شفقتی کا اظہار کیا، ادب آپ کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب آپ دلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دلی میں سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو آپ کو حضرت سلطان اولیاء سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم آپ نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدین اولیاء نے۔

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا کہ جب آپ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لیجاتے تو راستہ میں اپنی سواری تخت روان کو ٹھہرا کر آگے بڑھاتے تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ان کی سواری میں ڈال دیں، بعض ضرورت مندوں کی درخواست زبانی بھی سننے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچ کر دو دروازوں تک تخت روان پر سوار رہتے، تیسرے دروازے کے قریب جہاں سلطان آپ کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، آپ اتر جاتے، سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار میں لجا کر بیٹھتا، اور خود مؤدب و وزان ہو کر آپ کے سامنے بیٹھتا، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگوں کی درخواستیں سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بہ طور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدین دایمجا

کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے آئے

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے ہمراہم خوشگوار رہے ۱۲۵۷ھ  
 میں جب وہ جنگ لڑی ہم سے دہلی واپس آوا تھا تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے انھیں لانا پڑا۔  
 تاکہ اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماہر تباہ فرما رہے تھے، اگر نور پان  
 سے کشف ہوا، کہ جس عمارت میں وہ بیٹھ کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائے گی، اس نے آپ  
 کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اس نے نہ نکلنے میں دیر کی  
 اتنے میں عمارت گر پڑی، اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہو گیا۔

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سربراہ اس سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت شیخ  
 رکن الدین کے تعلقات قائم رہے، اور آپ دہلی میں اس کے ہمار ہوئے، اسی زمانہ میں محبوب الہی نے  
 رحلت فرمائی، جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ  
 فخر کرتے تھے۔

حضرت محبوب الہی کی وفات کے دس سال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوب حقیقی سے  
 جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جانا اور بولنا جان بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز  
 جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے، ۱۲۸۷ھ کے جب کی سولہویں تاریخ  
 جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت نے اپنے خادم خاص کو حجرہ کے اندر بلایا، اور اشارہ سے فرمایا  
 کہ میری تجویز و تکلیف کا سامان کرو، اور مغرب کی نماز کے لئے پیش امام کو حجرہ کے اندر ہی بلالیا، اور نماز مغرب

۱۔ سیر العارفین ص ۵ دفرشتہ جلد دوم ص ۷۱۲۔

۲۔ سیر العارفین جلد دوم ص ۶۷۔

۳۔ اخبار لاخیا ص ۶۳۔

کے بعد ادا بین پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت میں سجدہ میں جان اچان آفرین کے سپرد کر دینی، آپ کا مقبرہ مبارک مسکن میں آپ کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

حضرت شیخ رکن الدینؒ کا ایک بڑا وصیت یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ ان کو نور باطن سے اپنے منہ ولوں اور مردوں کے دونوں کی باتوں کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لئے ابوالفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ میں اپنی تصنیف مجمع الاخبار میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک بار سلطان غیاث الدین قلعی نے مولانا علیہ الدینؒ تک سے پوچھا کہ شیخ رکن الدینؒ کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جو کہ دن جب لوگ ان کی قدموسی کے لئے جمع تھے، میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تفسیر کا کوئی غنی ہے، میں بھی عالم ہوں، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہیں کرتا، میں نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھوں گا کہ وضوین کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے میں کیا حکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب میں دیکھا کہ شیخ جھکو جھکو کھلا رہے ہیں جس کی شہرینی دن تک زبان پتلا قائم رہی، میں نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے، تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کر سکتا ہے، صبح کو جب میں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ میں تمہارا بھی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا کہ جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابت جسم اور جنابت دل، جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی جنابت نامعلوم آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھوں کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی میں تین نعمتیں ہیں، رنگ، مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضوین کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، یہی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک میں پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم

ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان فانی نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں اس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا،

حضرت شیخ رکن الدین کی کئی تصنیفات کا کین کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخبار میں نقل کئے گئے ہیں، موصوفہ الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی سونیاد تعلیمات پر یہ ناظرین کی جاتی ہیں،

اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت ان میں سے قابل اعتناء آدمی کی صفت ہے، خدا سے عزوجل صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصافِ ذمہ سے پر ہے، تو اس کا شمار بہائم میں ہے، اوصافِ ذمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیہ نفس اس وقت تک جاس نہیں ہو سکتا، جب تک بندہ خدا عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ میں گر گرا گئے، اور اس سے مدد طلب کرے، التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بنیاد میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں، اور غفلتِ الہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں پہنچ ہو جاتی ہے، دنیا کے پھندوں میں پھنسنے نہ خود ان کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصافِ فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غصب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بغل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے انبار کی خوبان پیدا

ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں ختمی کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند ہیں، وہ ان تک پہنچنے کے لئے شخص کی عقل کام نہیں دیتی،

مہریت مرمر اکہ نگیرم بجز تو دوست

شرطیت مرمر اکہ خواہم بحسن تو بیج

وجہ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المؤمنین بری تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جس دعا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے، اپنے نفس کے لئے کئے، اور بُرے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی، وہ درحقیقت میرے لئے تھی، انہ کہ دوسروں کے لئے اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہیں کہ

ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے بزرگوں نے کہا

صلاح این کس صلاح اولیں است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

جو سیدانی ہر انچہ کاری دروے

آخر یہہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی منوعات سے قولا اور عملاً باز رکھنا چاہئے، یعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے، بطل وہ لوگ ہیں جو طالبِ حق نہیں ہیں (باقی)

## عبدالواسع حبلی

از

جناب غلام مصطفیٰ خان صاحب لکچرنگ ایڈورڈ کالج امرادٹی، براہ

۱۹۳۲ء سے معارف میں مین نے فارسی کے قدیم شعراء کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اُسی کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس میں عبدالواسع حبلی کے حالات کو ان مجموعوں میں سے اخذ کیا جاتا ہے جو حبیب گنج، جامع مسجد کبھی، جامعہ عثمانیہ، وغیرہ کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

دولت شاہ (ہراؤن ایڈیشن ص ۳، ۴)، لکھتا ہے کہ یہ شاعر غر جہان (بالائی مرغاب کی وادی) کے جبال سے آیا تھا، جیسا کہ اس کے تخلص حبلی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور وہ ہرات ہوا، ہراغزینین پہنچا تھا۔ وہ قریب چار سال تک سلطان بہرام شاہ غزنوی (۱۱۱۱ھ سے ۱۱۵۵ھ) کی مدح سرائی کرتا رہا، لیکن اس شاعر کے کلام کے جتنے مجموعے ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کوئی قصیدہ اس سلطان کی مدح میں نہیں ملتا۔ اس لئے فی الحال ہم دولت شاہ کے اس قول کی تائید سے قاصر ہیں، گو وہ لکھتا ہے کہ شاعر نے ایک قصیدہ جس کا مطلع ذیل میں درج کیا جاتا ہے، سفر دم ۱۱۵۵ھ کی مدح میں لکھا تھا جب کہ وہ بہرام شاہ کو تخت نشین کرانے کے لئے (۱۱۱۱ھ میں) غزنین آیا تھا،

نعدل کامل خسرو زامن شامل سلطان      تدر دو کبک و گور و مور و گشتہ و گیشان

اسے کتب خانہ آصفیہ آباد کی نئی فہرست میں ایک مجموعہ کلام کو دیوان حبلی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جو غلط ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حکیم قطران تبریزی کا دیوان ہے ۱۱۵۵ھ پر و فیہ ہراؤن (ج ۲ ص ۴۸۱) نے

یہ قصیدہ حبیب گنج کے خطوط میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی داغی شہادت کوئی ایسی نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ وہ اسی موقع پر لکھا گیا تھا۔

پھر تاریخ تزیید (حبیب گنج رائل ایشیاٹک جرنل سن ۱۹۱۷ء ص ۵ براؤن ج ۲ ص ۲۲۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر بجنور کا ہم عصر تھا، دو شعر دین میں ایک دہقان تھا، جب کہ اس نے کپاس کے کھیت سے اونٹوں کو روکے ہوئے اور بغیر کسی اور شخص کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے :-

اشتر در ازاگر دنا، دانم چہ خواہی کردنا

گردن در ازاگر دہ، پنبہ نہ خواہی خوردنا

اور سلطان نے یہ اشعار سن کر چٹی کو اپنے ساتھ لے لیا، اور پڑھایا لکھایا، یہاں تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ گیا کہ آج تک کوئی دوسرا شاعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس قصہ کے مبالغہ یا حقیقت سے قطع نظر یہ اشعار اچھے مستقبل کے ضرور آئینہ دار ہیں اور اس موسیقیت آمیز کلام کا پیش خیمہ ہیں جو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) دولت شاہ (ص ۲۲) کے بیان سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے، کہ یہ قصیدہ جلی نے سن ۱۱۳۵ء میں لکھا تھا، جب کہ بخر نے بہرام شاہ پر حملہ کیا تھا، اور شاعر نے قصیدہ کہہ کر اس کو خوش کیا تھا، دولت شاہ کے الفاظ یہ ہیں کہ

”چون سلطان بخر بہ مدد تقویت بہرام شاہ.... لشکر بہ غزنین کشید عبدالواسع ابن قصیدہ و درج

سلطان بخر گفت“

اور یہ موقع سن ۱۱۳۵ء کا تھا، ان سن ۱۱۳۵ء میں ضرور بخر حملہ آور ہوا تھا، لیکن اس وقت جلی نے نہیں، بلکہ غزالی دین محمد ابن محمود بن احمد بنیسا پوری نے بخر کو خوش کیا تھا، جیسا کہ باب (ج ۲ ص ۲۸۱) سے معلوم ہوا، اس واقعہ کی تفصیل طبقات نامہ ص ۲۵۲ (۱۳۵۲) ابن الاثیر (ج ۱ ص ۱۶۸) وغیرہ میں دیکھیں۔



اس شاعر کا طرز امتیاز ہے :

بہر حال اگر یہ اشعار نہیں تو ذیل کے اشعار ضرور قدیم ہیں اور <sup>۱۱۱۱</sup> ۱۱۱۱ میں لکے گئے ہیں، جب کہ بہرام  
کی مدح کے لئے سب کے ساتھ سیستان کا حاکم امیر ابو الفضل تاج الدین <sup>۵۵۵۵</sup> ۵۵۵۵ اور اس کا بھائی فرخ الدین  
بھی آیا تھا :-

چہ جرم است این برآوردہ سرازد یک سوچ فکن	بکہ اندر دامن آتش بجز اندر کشان دهن
مصات افروزہ عالم سوز شاہ یقروزان کن	کہ در ملک ست کافی کت وانی عمد صافی ظن
ملک ابو الفضل نصر این خلعت فرزانہ تاج الدین	کہ بر باید عجبی تاج از سر شیران ریشہ اذن
بدانکہ کو سبستان شد سوسه غزنین کے لشکر	ہمہ بادولت خرد، ہمہ باصولت بہمن
ملکت امید دیو آہن فلک تاثیر، کوہ آلت	ننگ آسیب شیر آفت ملک آشوب پیل فکن
دیر نے کہ از گردون بنوک نیزہ سیار	ربودندہ سے چکنجکان بقمار از زمین اذن
مخالفت جنگ را آمد برون باشکد سے دیگر	چو شیران عربین چو دل چو دیوانی یمن پزن
در آوروہ بہ پیش صفت چون گردون ز تہ پیلانے	کہ گردون شان بوقت کین نیار دگشت پیرن
پخان رفت از کمان تو سوسه دشمن عجبی ماوک	کہ گاہ و رجم سیارہ ز گردون سوسه اہرین
چون شد را سے ہادیوت قرین راست اعلیٰ	شد آثار اعلیٰ ظاہر شد اسباب خطر زمین
نہ گشت از خرو جہ زمین خون خماکھ کن	نہ گشت از خرم تو رستہ زمین بیجا دکان کین
درین رفعت پدید آمد کہ ناورد از بنی آدم	چو اہل سیستان ہرگز بہ مروی ایزد و دامن
خداوند اگر ستم بہ شخص از خدمت غایت	ز جور عالم جانی ز دور گنبد بد تو سن
مرا حوزہ است چو ستہ نین سے تو بہر موفع	مرا درواست ہموار و دوحاے تو بہر مسکن

آخری دو شعر واضح کرتے ہیں کہ شاعر اس وقت اپنے مدوح تاج الدین کے دربار سے دور تھا، یعنی شاہجہان عالمی غائبانہ مدح کر رہا تھا، اب اگر دولت شاہ کے اس قول کی تائید کرنی ہو کہ شاعر اس وقت غزنین میں تھا، تو یہ کہا جاسکتا ہے، کہ اس نے تاج الدین کے واپس ہو جانے پر غزنین میں یہ قصیدہ لکھا ہوگا، بہر حال اس میں کوئی شک نہیں، کہ شاعر اس کی تخت نشینی ہی سے اس کے دربار سے وابستہ تھا، ایک قصیدے کا مطلع ہے،

آمد از اجداد ماضی ملک را نعم انکلف  
میر تاج الدین ملک بولفضل نصر ابی خلفؑ

اسی امیر کے وزیر جمال الدین علی بن اسعد (جس کے متعلق تاریخ خاموش ہے) کی مدح میں یہ

قصیدہ لکھا گیا ہوگا :-

ایا ستودہ خصائے کہ کردگار قدیم  
نیا فرید ترا در فنون فضل نظیر  
سر علاء و سخاوت علی بن اسعد  
جمال دین کہ جهان از جمال تن منیر  
ایا بقوت تو قوام دین رسولؐ  
ایا بترتیب تو نظام ملک امیرؑ

اور امیر تاج الدین کے بھائی غزا الدین کی مدح میں یہ قصیدہ لکھا تھا :-

میرے کہ پادشاہ جهان را برادرست  
دایم ز ہمیش دل دشمن برادرست  
صدرے کہ راعے روشن و طبع کریم او  
چون آسمان بلند و چو دریا تو انگریز  
قوت دولت دے دایم خاتمست  
جان ست سیرت دے واسلام پکیست  
خشمش بہ نگاہ کینہ و خلقش بہ وقت ہر  
چون آتش جہنم و چون آب کوثرست  
امر و زحاضرست درین بزم گاہ و تو  
ہر جو ہرے کہ ساختہ ز چار گوہرست

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۱) مستوفی سیستانی لکھی جاتی ہیں جو اس موقع پر کہے گئے تھے، اس کا تذکرہ ہم نے معارف نمبر ۳۱۵ء میں

بھی کیا ہے اسے مخطوط جامع مسجد نبویؐ کے مخطوط حبیب گنج، قصائد جلی

مداح خاص تو جی را بہ نام تو  
اشعار بے نہایت داطرات بے مرست  
قلش نہ خدمت تو و طبعش نہ مدح تو  
چون آسمان اعظم و دریائے انہرست

پانچویں شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر یہ قصیدہ پیش کرتے وقت ممدوح کے دربار میں حاضر تھا، اور وہ زمانہ ۱۱۱۱ھ کے پہلے ہی ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب وہ عراق میں تھا، جہاں وہ سلطان محمد بن ملک کے انتقال پر اس کے لڑکے سلجوق شاہ کی مدح اس طرح لکھ رہا تھا :-

جاو اداں چون خضر ماند نہ نام آن پدر  
کز پس وے چون ملک سلجوق شہ ماند بید  
ز آسمان دین اگر تاقب شہا بے شہ جبر  
ہست گر دون مالک را جلال اللہ  
گر ز دیدار پدر خرم کرد اور اخلاص  
شہر یار مشرق و مغرب بس استار پر  
خروے کو را ملک شاہ دست و سنجہ و دم  
در مہ عالم کہ دار دین بزرگی بیشتر  
بحر حیات و زمرودی و جوان مروی نشان  
در نگین اور پیر و نہی و بہر دزی اثر  
گرچہ دار دس سال اندک ہست چون اسلائی خوش  
دارت شہ علم علی و باعث عدل عمر  
کوہ بانسل سمند اد نہ باشد مستقر  
چرخ بار اسے بلند اد نماید مختار  
مبار آزا و گمان ست از کریبی و سخا  
مغر شہزاد گمان است از بزرگی و ہنر

شروع کے اشعار میں شاعر اپنے ممدوح کے مرحوم والد کو یاد کرتا ہے اور پھر تسلی دیتا ہے کہ سب جیسا چاہا اس کے لئے پشت و پناہ ہے، اچھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلجوق شاہ زعم تھا، اس کے بعد شاعر ایک ممدوح قطب الملوک فرخ شاہ کے دربار سے وابستہ ہوتا ہے، جو تراک (تبرک؟) بن آتابک کی نسل سے تھا، اس کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں، صرف خجارداد اللہ (البحرۃ ص ۵۶-۵۷)





ایک اور تہذیبہ میں تجربہ کی مدح کے ساتھ ساتھ اس کے ایک امیر مجاہد الدین ابو القاسم علی بن جعفر الموسوی (مدوح ادیب صابر) کی مدح بھی کرتا ہے :-

خداوندے کہ در تیرش نشانہ سر طار پر      شمشاہے کہ بر تاجش نشانہ چرخ دار خور ؟  
سلاطین را بخت دارش معز الدین ابوالحارث      شہ آفاق و برہان امیر المومنین سنجر  
سلاطین و خلافت را بد و غرستہ ہوا رہ      چو سادات و اکابر را بہ مجر دین پیغمبر  
رئیس مشرق و مغرب ابوالقاسم علی صدر      کہ چون ہم کینت و ہم نام خویش بفضل فر  
امیر سادہ عالم رچو اش کو ہر آدم      میز خرد و اعظم جمال دودہ جعفر  
برہنگی کز بیان و طبع و دست خوش انرا      تہم حرمت کرم جاری سہارونق بخش معجز  
یہ شخص ادیب صابر (م ۵۴۶ھ) کا خاص مدوح تھا جس کے متعلق ہم کچھ تفصیل معارف ستمبر ۱۹۴۷ء میں دے چکے ہیں۔ ادیب صابر نے ایک جگہ اپنے حوالہ کے قریب کسی قلم سے متعلق دشعر

ہا کہا ہے،

گرمی خواہی کہ قدر ماہ سرو افزون کنی      آسمان و بوستان از ہم مجاہد الدین گزین  
صدر سادہ سید مشرق ابوالقاسم علی      پروردہ در معالی آفریدہ ز آفرین  
آن خداوندے کہ اندر ظلم و علم و بدل فضل      مقتداے عالمش کردہ ست رہا لہا لہا  
آفتاب آل پیغمبر توئی کز فرقت      مشرق و مغرب بنور ذہنت و نعمت عین  
قلعہ بندوستہ و حیون و جد و قصر تو کرش      تو جہرت اہل ایمان را امیر المومنین  
سنت و تطہیر شمس الدین کہ فرمودی      شد بناے عشرت و ذہنت چو غم بتین  
سماحت یانت این سنت زین نیر تو      خانہ خلد برین شد با و ہا مار مین

۱۔ مخطوط جامع مسجد بنی سلاطین الاحرار ص ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴،

غالباً اسی مجدد الدین ابوالقاسم کا نائب عبدالصمد تھا جس کی مدح میں جلی نے متعدد قصیدے لکھے تھے، ایک قصیدے میں اس کو نائب وزیر عجم (شعر ۲) کہا ہے،

ایا اساس شریعت بر عون تو محکم      ایا لباس وزارت بر عون تو مسلم  
عزیز جمع ملوک افتیاد شاہ جهان      معین دین عرب نائب وزیر عجم  
ابو المعالی عبدالصمد کہ غر کند      ہی بہ ذات شریف تو در بہشت دم  
اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خراسان ہی میں ہے۔

آیا بزرگی کا ندر جلال و رفعت      چہ راس و ہمت توانی بکیرانیت  
معین دین و عزیز ملوک کو جز تو      سزاے این دولقبہ اہم و زیارت  
زخا جگان بہ کفایت مدیل نیست      بدان صفت کہ ز شاہان نظیر سلطانیت  
توئی کہ در عرب و عجم چہ تو یک تن      ہنر پرست دینی کشتہ سخن و آن

دوسرے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خراسان میں تھا، اور تیسرے شعر میں سنجر کی طرف اشارہ ہوگا، ایک دوسرے قصیدے میں جو غالباً ازرقی کی تقلید میں ہے، ہمارے شاعر جلی نے اسی مدوح کو (شعر ۶) سرخس سے متعلق کہا ہے،

زعید و ادب خلق را طلوع ہلال      بہ آخر رمضان وہ اول شوال  
نصیر دین و عزیز ملوک کو راہست      فلک مطہر جہان بندہ دراز نعل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) معلومات حاصل نہیں ہیں جلی نے ادیب صابری کی بھی مدح کی ہے (جامعہ عثمانیہ نمبر ۸، ص ۲۴۵، الف)

اشعار صابر بن اسماعیل ملک را      چون برج بر ستارہ زاہر کند ہی  
ہست ادیب شاعر و زبان خویش      ہر دم ترا از معجزہ ظاہر کند ہی

۱۔ مخطوط مصیب گنج نصیر جلی ص ۱۵۵ ایضاً ملاحظہ ہو باب ۲ ص ۹۹-۱۰۰

ابو المعالی عبد الصمد کہ نماید چار چیزش ہرگز نہ چار چیز طلال  
 نہ نفس اوزر تو وضع نہ دست اوزر سنا نہ طبع اوزر مروت نہ سمج اوزر سوال  
 گرفت صدر سیاست بہ عون اور وفی رسید قدر سیاست نہ جاہ ادب کمال  
 شنیدہ بودم زین پیشتر کہ راہِ خس بود نشین آفات و مرکز احوال  
 طریقہ اش بہ بار کی پلِ محشر مضیقہ اش بہ تار کی دلِ قبال  
 چو در مصاحبت تو بدیدم آن را مرا معانید شد کانِ حدیث جو حال  
 ازان قبل کہ در ان رہ بفر تو گفتی کہ روغنہا سے جان اندوہا مال  
 ہی ذخارہ بفر تو دوست برگِ سخن ہی ذخارہ بہ یمن تو را آبِ ذلال

اس ممدوح کی تعریف میں متعدد قصیدے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ شاعر اس کے دربار سے عرصہ

تک وابستہ رہا ہوگا، کچھ اور اہم اشعار ایک قصیدے سے نقل کئے جاتے ہیں،

اے خوابِ یمن رہو بہیا قوت پر شکم دے تباہ یمن فرود بہ ہار دت دل شکم  
 کہ بر رخ تو از کتب موسیٰ بو نشان گہ در لب تو از دم عیسیٰ بو و اثر  
 این عینِ زندگانی و آن اصلِ روشنی چون راے خوب و لفظ خوش صدنا  
 عبد الصمد عزیزِ ملوک و نصیرِ دین کہ عقل ہست عاقلہ نفس و البشر  
 نور و سرور چشمِ دلِ حمزہ و علیٰ آن ایہ بزرگی و پیرایہ رہبر

آخری شعر میں ممدوح کی حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے چشمِ دل کا نور و سرور

کہا ہے، جو شاید بہادری کی وجہ سے کہا ہوا یا اس لئے کہ وہ ہاشمی ہو، لیکن غالباً اسی ممدوح کو سید حسن

۱۔ مخطوط، صیب گنج، باب ج ۲ ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶ میں بھی یہ قصیدہ ہے، لیکن وہ مذکورہ بالا قصیدہ کے دوسرے شعر پر ختم  
 ہو جاتا ہے ۲۔ مخطوط جامع مسجدی، آخری دو اشعار کے علاوہ بقید اشعار باب جلد ۲ ص ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶ میں بھی ہیں،



غزنوی (۱۱۵۱ھ) نے عباسی کہا ہے،

گھر نیچہ ابراہیم بن غلاب قیاس      نیچہ آمد بحرے زگو ہر عباس

ابو الحسن عبدالصمد کبخت ابد      بنامے دولت اور اقویٰ نہاد لاس

بکن بفضل بزرگی نہ ابن عم تو ام      ز متقصاے کرم حق ابن عم شاس

دوسرے شعر میں ابو الحسن کینیت نہیں ہے بلکہ مذکورہ بالا قصیدوں کے ابو المعانی کی جگہ ایک

لقب ہے، تیسرے شعر میں سید حسن نے اپنی سیادت کا رشتہ بتایا ہے، عمادی شریاری (۱۱۵۳ھ) نے بھی غالباً اسی کی مدح میں لکھا ہے،

اسے دست تو جو در اہبان      پاسے تو وجود را نشان

عبدالصمد اکرم المخلاتیق      سرمایہ بخت جاودان

آئی کہ بہ ہمت تو آراست      سیرغ مکا رم آشیانہ

میرا خیال ہے کہ جبلی کا یہ ممدوح مشرقی خراسان میں ۱۱۵۳ھ کے پہلے رہا ہوگا، کیونکہ اس

سال کے قریب جیسا کہ ہم معارف (اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۲۸۴، ۲۹۰) میں لکھ چکے ہیں، وہ ضیاء الدین

مودود احمد عثمینی یعنی ناصر الدین طاہر بن فرماں ملک بن نظام الملک (۱۱۵۳ھ) کے نائب، کی مدح

۱۱۵۳ھ مخطوط اندیا آفس نمبر ۳۹۳ ۱۱۵۳ھ مخطوط علی گڑھ ۱۱۵۳ھ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ عبدالصمد کا صحیح

زمانہ اور مستقل مستقر کمان تھا، بلکہ ایک جگہ جبلی نے اسے کسی خاقان کے دیہار سے وابستہ کہا ہے،

آن دین یزدان را نصیر      آن ملک خاقان را بصیر

اگر خاقان سے مراد کوئی ترک خاقان ہو تو وہ محمود خان غور، ہر زادہ بنجر موہکا، جو بعد میں بنجر کا جانشین ہوا یا ممکن ہو کہ غزنی

طرزائی ہو، کیونکہ غزنیہ الملک لقب کئی جگہ اوپر آچکا ہے محمود خان کے سفیر غزنی طغرانی کے متعلق ترکستان پار تھو لٹریچر

کلیات انوری ص ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ملاحظہ ہو ۱۱۵۳ھ مخطوط انوری ص ۲۸۵

اے بزرگے کہ قذا بجلال بچو  
انہ عدم نا آورد چا و موجود  
صدر کافی متوید اسلام  
المعالی ضیاء الدین مودود

اور یہ ممدوح غزنین بھی رہ چکا ہے، جیسا کہ جبلی کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے،

سپاس از ایزد کا دبشارت غزنین  
بر عتقت تن صدر اجل ضیاء الدین  
ابوالمعالی مودود و احمد عصی  
کہ دقت خشم چناناست کا و حلم چطین  
مویہ سے کہ نہ خلق و ز قدر او گویند  
مشرقت سپہرا شیر و لطف بہشت برین

پہلے شعر سے واضح ہے کہ ممدوح اس دقت غزنین میں تھا، اور وہ ضرور کسی بڑے عہدے پر فائز

رہا ہوگا، اسی لئے شاعر نے مدح کی ہے،

جبلی نے رشید الدین و طاطا (م ۷۵۷ھ) کی مدح میں بھی کچھ اشعار لکھے تھے، جو بیان

نقص کئے جاتے ہیں :-

عالم علم رشید الدین در باغ خود  
آن درخت ست کہ پیوستہ ہنر بارود  
گرچہ در گفتن اشعار چنان منفرد  
کہ ہمہ کس بہ بزرگی سے اقرار و ہ  
از قبل پنجہ (؟) کہ در انواع علوم است  
خاطر خویش نہ زبید کہ بہ اشعار و ہ  
گرچہ کس نیست (؟) برا حراز و کا طین  
کہ مراد را نہ ہمہ خدمت بسیار و ہ  
خلعت آنت کہ در اسحق خویش ہی  
بہ طوک و بہ سلاطین و بہ احرار و ہ

جبلی کا آخری ممدوح مجد الدین محمد بن علی اشعث (حاکم ہازندران) رہا ہوگا، جس کی مدح طبر فاریابی

۱۷ مخطوطہ حبیب گنج ۷۵، ایضاً ۷۵ ایضاً و طاطا نے ضیاء الدین غنی کی مدح کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ حقائق السحر

(براون، ج ۲ ص ۴۱۵) نے بھی کی ہے جہلی کا ایک قصیدہ یہ ہے،

چند با شرم دریا در منزلِ سعد رہا  
روز و شب نالندہ گزیدہ چون عذرا رہا  
دلبرے کز عارضِ آداب رو گلِ نیت  
دو فراقِ روئے او شد دیدہ من پر گناہ  
حلقہ ہائے زلفِ او ہستند چون ہنر  
بر ہم افتادہ زکس آن بُخان چون شہناہ  
بر مثالِ دشمنانِ منہزم روزِ مصاف  
از ستانِ مجددینِ ایزد مالکِ نظام  
شاہِ فرزانہ محمد کز ملوک اور اخلا  
چون محمد را در جمیع انبیاء کز انتخاب  
خسرو باز نذرانِ آن کس کہ رسمِ در آست  
ساعِدِ دین را سوار و گردنِ حق را سحاب  
دستِ گوہر بار او شد مایہِ رزقِ بشر  
یتیمِ گوہر بار او شد عمدہٴ قوتِ کلاب

اس کی مدح میں ایک اور قصیدہ یہ ہے،

منظرے کے معین است کردگارِ ادرا  
نویدے کے مطیع ست روزگارِ ادرا  
سراجِ دین محمد، محمد ابنِ (علی)  
کہ در محامدِ اخلاق نیست یارِ ادرا  
اذانِ گزیدہٴ شاہانِ عالم ست کہ ست  
نہا خوب و نژادِ بزرگوارِ ادرا

لیکن خود اس ممدوح کے متعلق ابنِ اسفندیار (براون) اور مازندران (رابینو) جیسی کتابوں

میں نام کے سوا کوئی تفصیل نہیں ملتی، اس لئے ہم فی الحال یہ بتانے سے قاصر ہیں، کہ جہلی کا سالِ وفات  
۵۵۵ھ جو اندیا یا آفس کینڈاگ (جلد ۲ ص ۳۹۵) میں ملتا ہے کتنا تک صحیح ہے۔

۱۱۹۶  
۱۱۹۷  
۱۱۹۸  
۱۱۹۹  
۱۲۰۰  
۱۲۰۱  
۱۲۰۲  
۱۲۰۳  
۱۲۰۴  
۱۲۰۵  
۱۲۰۶  
۱۲۰۷  
۱۲۰۸  
۱۲۰۹  
۱۲۱۰  
۱۲۱۱  
۱۲۱۲  
۱۲۱۳  
۱۲۱۴  
۱۲۱۵  
۱۲۱۶  
۱۲۱۷  
۱۲۱۸  
۱۲۱۹  
۱۲۲۰  
۱۲۲۱  
۱۲۲۲  
۱۲۲۳  
۱۲۲۴  
۱۲۲۵  
۱۲۲۶  
۱۲۲۷  
۱۲۲۸  
۱۲۲۹  
۱۲۳۰  
۱۲۳۱  
۱۲۳۲  
۱۲۳۳  
۱۲۳۴  
۱۲۳۵  
۱۲۳۶  
۱۲۳۷  
۱۲۳۸  
۱۲۳۹  
۱۲۴۰  
۱۲۴۱  
۱۲۴۲  
۱۲۴۳  
۱۲۴۴  
۱۲۴۵  
۱۲۴۶  
۱۲۴۷  
۱۲۴۸  
۱۲۴۹  
۱۲۵۰  
۱۲۵۱  
۱۲۵۲  
۱۲۵۳  
۱۲۵۴  
۱۲۵۵  
۱۲۵۶  
۱۲۵۷  
۱۲۵۸  
۱۲۵۹  
۱۲۶۰  
۱۲۶۱  
۱۲۶۲  
۱۲۶۳  
۱۲۶۴  
۱۲۶۵  
۱۲۶۶  
۱۲۶۷  
۱۲۶۸  
۱۲۶۹  
۱۲۷۰  
۱۲۷۱  
۱۲۷۲  
۱۲۷۳  
۱۲۷۴  
۱۲۷۵  
۱۲۷۶  
۱۲۷۷  
۱۲۷۸  
۱۲۷۹  
۱۲۸۰  
۱۲۸۱  
۱۲۸۲  
۱۲۸۳  
۱۲۸۴  
۱۲۸۵  
۱۲۸۶  
۱۲۸۷  
۱۲۸۸  
۱۲۸۹  
۱۲۹۰  
۱۲۹۱  
۱۲۹۲  
۱۲۹۳  
۱۲۹۴  
۱۲۹۵  
۱۲۹۶  
۱۲۹۷  
۱۲۹۸  
۱۲۹۹  
۱۳۰۰  
۱۳۰۱  
۱۳۰۲  
۱۳۰۳  
۱۳۰۴  
۱۳۰۵  
۱۳۰۶  
۱۳۰۷  
۱۳۰۸  
۱۳۰۹  
۱۳۱۰  
۱۳۱۱  
۱۳۱۲  
۱۳۱۳  
۱۳۱۴  
۱۳۱۵  
۱۳۱۶  
۱۳۱۷  
۱۳۱۸  
۱۳۱۹  
۱۳۲۰  
۱۳۲۱  
۱۳۲۲  
۱۳۲۳  
۱۳۲۴  
۱۳۲۵  
۱۳۲۶  
۱۳۲۷  
۱۳۲۸  
۱۳۲۹  
۱۳۳۰  
۱۳۳۱  
۱۳۳۲  
۱۳۳۳  
۱۳۳۴  
۱۳۳۵  
۱۳۳۶  
۱۳۳۷  
۱۳۳۸  
۱۳۳۹  
۱۳۴۰  
۱۳۴۱  
۱۳۴۲  
۱۳۴۳  
۱۳۴۴  
۱۳۴۵  
۱۳۴۶  
۱۳۴۷  
۱۳۴۸  
۱۳۴۹  
۱۳۵۰  
۱۳۵۱  
۱۳۵۲  
۱۳۵۳  
۱۳۵۴  
۱۳۵۵  
۱۳۵۶  
۱۳۵۷  
۱۳۵۸  
۱۳۵۹  
۱۳۶۰  
۱۳۶۱  
۱۳۶۲  
۱۳۶۳  
۱۳۶۴  
۱۳۶۵  
۱۳۶۶  
۱۳۶۷  
۱۳۶۸  
۱۳۶۹  
۱۳۷۰  
۱۳۷۱  
۱۳۷۲  
۱۳۷۳  
۱۳۷۴  
۱۳۷۵  
۱۳۷۶  
۱۳۷۷  
۱۳۷۸  
۱۳۷۹  
۱۳۸۰  
۱۳۸۱  
۱۳۸۲  
۱۳۸۳  
۱۳۸۴  
۱۳۸۵  
۱۳۸۶  
۱۳۸۷  
۱۳۸۸  
۱۳۸۹  
۱۳۹۰  
۱۳۹۱  
۱۳۹۲  
۱۳۹۳  
۱۳۹۴  
۱۳۹۵  
۱۳۹۶  
۱۳۹۷  
۱۳۹۸  
۱۳۹۹  
۱۴۰۰  
۱۴۰۱  
۱۴۰۲  
۱۴۰۳  
۱۴۰۴  
۱۴۰۵  
۱۴۰۶  
۱۴۰۷  
۱۴۰۸  
۱۴۰۹  
۱۴۱۰  
۱۴۱۱  
۱۴۱۲  
۱۴۱۳  
۱۴۱۴  
۱۴۱۵  
۱۴۱۶  
۱۴۱۷  
۱۴۱۸  
۱۴۱۹  
۱۴۲۰  
۱۴۲۱  
۱۴۲۲  
۱۴۲۳  
۱۴۲۴  
۱۴۲۵  
۱۴۲۶  
۱۴۲۷  
۱۴۲۸  
۱۴۲۹  
۱۴۳۰  
۱۴۳۱  
۱۴۳۲  
۱۴۳۳  
۱۴۳۴  
۱۴۳۵  
۱۴۳۶  
۱۴۳۷  
۱۴۳۸  
۱۴۳۹  
۱۴۴۰  
۱۴۴۱  
۱۴۴۲  
۱۴۴۳  
۱۴۴۴  
۱۴۴۵  
۱۴۴۶  
۱۴۴۷  
۱۴۴۸  
۱۴۴۹  
۱۴۵۰  
۱۴۵۱  
۱۴۵۲  
۱۴۵۳  
۱۴۵۴  
۱۴۵۵  
۱۴۵۶  
۱۴۵۷  
۱۴۵۸  
۱۴۵۹  
۱۴۶۰  
۱۴۶۱  
۱۴۶۲  
۱۴۶۳  
۱۴۶۴  
۱۴۶۵  
۱۴۶۶  
۱۴۶۷  
۱۴۶۸  
۱۴۶۹  
۱۴۷۰  
۱۴۷۱  
۱۴۷۲  
۱۴۷۳  
۱۴۷۴  
۱۴۷۵  
۱۴۷۶  
۱۴۷۷  
۱۴۷۸  
۱۴۷۹  
۱۴۸۰  
۱۴۸۱  
۱۴۸۲  
۱۴۸۳  
۱۴۸۴  
۱۴۸۵  
۱۴۸۶  
۱۴۸۷  
۱۴۸۸  
۱۴۸۹  
۱۴۹۰  
۱۴۹۱  
۱۴۹۲  
۱۴۹۳  
۱۴۹۴  
۱۴۹۵  
۱۴۹۶  
۱۴۹۷  
۱۴۹۸  
۱۴۹۹  
۱۵۰۰  
۱۵۰۱  
۱۵۰۲  
۱۵۰۳  
۱۵۰۴  
۱۵۰۵  
۱۵۰۶  
۱۵۰۷  
۱۵۰۸  
۱۵۰۹  
۱۵۱۰  
۱۵۱۱  
۱۵۱۲  
۱۵۱۳  
۱۵۱۴  
۱۵۱۵  
۱۵۱۶  
۱۵۱۷  
۱۵۱۸  
۱۵۱۹  
۱۵۲۰  
۱۵۲۱  
۱۵۲۲  
۱۵۲۳  
۱۵۲۴  
۱۵۲۵  
۱۵۲۶  
۱۵۲۷  
۱۵۲۸  
۱۵۲۹  
۱۵۳۰  
۱۵۳۱  
۱۵۳۲  
۱۵۳۳  
۱۵۳۴  
۱۵۳۵  
۱۵۳۶  
۱۵۳۷  
۱۵۳۸  
۱۵۳۹  
۱۵۴۰  
۱۵۴۱  
۱۵۴۲  
۱۵۴۳  
۱۵۴۴  
۱۵۴۵  
۱۵۴۶  
۱۵۴۷  
۱۵۴۸  
۱۵۴۹  
۱۵۵۰  
۱۵۵۱  
۱۵۵۲  
۱۵۵۳  
۱۵۵۴  
۱۵۵۵  
۱۵۵۶  
۱۵۵۷  
۱۵۵۸  
۱۵۵۹  
۱۵۶۰  
۱۵۶۱  
۱۵۶۲  
۱۵۶۳  
۱۵۶۴  
۱۵۶۵  
۱۵۶۶  
۱۵۶۷  
۱۵۶۸  
۱۵۶۹  
۱۵۷۰  
۱۵۷۱  
۱۵۷۲  
۱۵۷۳  
۱۵۷۴  
۱۵۷۵  
۱۵۷۶  
۱۵۷۷  
۱۵۷۸  
۱۵۷۹  
۱۵۸۰  
۱۵۸۱  
۱۵۸۲  
۱۵۸۳  
۱۵۸۴  
۱۵۸۵  
۱۵۸۶  
۱۵۸۷  
۱۵۸۸  
۱۵۸۹  
۱۵۹۰  
۱۵۹۱  
۱۵۹۲  
۱۵۹۳  
۱۵۹۴  
۱۵۹۵  
۱۵۹۶  
۱۵۹۷  
۱۵۹۸  
۱۵۹۹  
۱۶۰۰  
۱۶۰۱  
۱۶۰۲  
۱۶۰۳  
۱۶۰۴  
۱۶۰۵  
۱۶۰۶  
۱۶۰۷  
۱۶۰۸  
۱۶۰۹  
۱۶۱۰  
۱۶۱۱  
۱۶۱۲  
۱۶۱۳  
۱۶۱۴  
۱۶۱۵  
۱۶۱۶  
۱۶۱۷  
۱۶۱۸  
۱۶۱۹  
۱۶۲۰  
۱۶۲۱  
۱۶۲۲  
۱۶۲۳  
۱۶۲۴  
۱۶۲۵  
۱۶۲۶  
۱۶۲۷  
۱۶۲۸  
۱۶۲۹  
۱۶۳۰  
۱۶۳۱  
۱۶۳۲  
۱۶۳۳  
۱۶۳۴  
۱۶۳۵  
۱۶۳۶  
۱۶۳۷  
۱۶۳۸  
۱۶۳۹  
۱۶۴۰  
۱۶۴۱  
۱۶۴۲  
۱۶۴۳  
۱۶۴۴  
۱۶۴۵  
۱۶۴۶  
۱۶۴۷  
۱۶۴۸  
۱۶۴۹  
۱۶۵۰  
۱۶۵۱  
۱۶۵۲  
۱۶۵۳  
۱۶۵۴  
۱۶۵۵  
۱۶۵۶  
۱۶۵۷  
۱۶۵۸  
۱۶۵۹  
۱۶۶۰  
۱۶۶۱  
۱۶۶۲  
۱۶۶۳  
۱۶۶۴  
۱۶۶۵  
۱۶۶۶  
۱۶۶۷  
۱۶۶۸  
۱۶۶۹  
۱۶۷۰  
۱۶۷۱  
۱۶۷۲  
۱۶۷۳  
۱۶۷۴  
۱۶۷۵  
۱۶۷۶  
۱۶۷۷  
۱۶۷۸  
۱۶۷۹  
۱۶۸۰  
۱۶۸۱  
۱۶۸۲  
۱۶۸۳  
۱۶۸۴  
۱۶۸۵  
۱۶۸۶  
۱۶۸۷  
۱۶۸۸  
۱۶۸۹  
۱۶۹۰  
۱۶۹۱  
۱۶۹۲  
۱۶۹۳  
۱۶۹۴  
۱۶۹۵  
۱۶۹۶  
۱۶۹۷  
۱۶۹۸  
۱۶۹۹  
۱۷۰۰  
۱۷۰۱  
۱۷۰۲  
۱۷۰۳  
۱۷۰۴  
۱۷۰۵  
۱۷۰۶  
۱۷۰۷  
۱۷۰۸  
۱۷۰۹  
۱۷۱۰  
۱۷۱۱  
۱۷۱۲  
۱۷۱۳  
۱۷۱۴  
۱۷۱۵  
۱۷۱۶  
۱۷۱۷  
۱۷۱۸  
۱۷۱۹  
۱۷۲۰  
۱۷۲۱  
۱۷۲۲  
۱۷۲۳  
۱۷۲۴  
۱۷۲۵  
۱۷۲۶  
۱۷۲۷  
۱۷۲۸  
۱۷۲۹  
۱۷۳۰  
۱۷۳۱  
۱۷۳۲  
۱۷۳۳  
۱۷۳۴  
۱۷۳۵  
۱۷۳۶  
۱۷۳۷  
۱۷۳۸  
۱۷۳۹  
۱۷۴۰  
۱۷۴۱  
۱۷۴۲  
۱۷۴۳  
۱۷۴۴  
۱۷۴۵  
۱۷۴۶  
۱۷۴۷  
۱۷۴۸  
۱۷۴۹  
۱۷۵۰  
۱۷۵۱  
۱۷۵۲  
۱۷۵۳  
۱۷۵۴  
۱۷۵۵  
۱۷۵۶  
۱۷۵۷  
۱۷۵۸  
۱۷۵۹  
۱۷۶۰  
۱۷۶۱  
۱۷۶۲  
۱۷۶۳  
۱۷۶۴  
۱۷۶۵  
۱۷۶۶  
۱۷۶۷  
۱۷۶۸  
۱۷۶۹  
۱۷۷۰  
۱۷۷۱  
۱۷۷۲  
۱۷۷۳  
۱۷۷۴  
۱۷۷۵  
۱۷۷۶  
۱۷۷۷  
۱۷۷۸  
۱۷۷۹  
۱۷۸۰  
۱۷۸۱  
۱۷۸۲  
۱۷۸۳  
۱۷۸۴  
۱۷۸۵  
۱۷۸۶  
۱۷۸۷  
۱۷۸۸  
۱۷۸۹  
۱۷۹۰  
۱۷۹۱  
۱۷۹۲  
۱۷۹۳  
۱۷۹۴  
۱۷۹۵  
۱۷۹۶  
۱۷۹۷  
۱۷۹۸  
۱۷۹۹  
۱۸۰۰  
۱۸۰۱  
۱۸۰۲  
۱۸۰۳  
۱۸۰۴  
۱۸۰۵  
۱۸۰۶  
۱۸۰۷  
۱۸۰۸  
۱۸۰۹  
۱۸۱۰  
۱۸۱۱  
۱۸۱۲  
۱۸۱۳  
۱۸۱۴  
۱۸۱۵  
۱۸۱۶  
۱۸۱۷  
۱۸۱۸  
۱۸۱۹  
۱۸۲۰  
۱۸۲۱  
۱۸۲۲  
۱۸۲۳  
۱۸۲۴  
۱۸۲۵  
۱۸۲۶  
۱۸۲۷  
۱۸۲۸  
۱۸۲۹  
۱۸۳۰  
۱۸۳۱  
۱۸۳۲  
۱۸۳۳  
۱۸۳۴  
۱۸۳۵  
۱۸۳۶  
۱۸۳۷  
۱۸۳۸  
۱۸۳۹  
۱۸۴۰  
۱۸۴۱  
۱۸۴۲  
۱۸۴۳  
۱۸۴۴  
۱۸۴۵  
۱۸۴۶  
۱۸۴۷  
۱۸۴۸  
۱۸۴۹  
۱۸۵۰  
۱۸۵۱  
۱۸۵۲  
۱۸۵۳  
۱۸۵۴  
۱۸۵۵  
۱۸۵۶  
۱۸۵۷  
۱۸۵۸  
۱۸۵۹  
۱۸۶۰  
۱۸۶۱  
۱۸۶۲  
۱۸۶۳  
۱۸۶۴  
۱۸۶۵  
۱۸۶۶  
۱۸۶۷  
۱۸۶۸  
۱۸۶۹  
۱۸۷۰  
۱۸۷۱  
۱۸۷۲  
۱۸۷۳  
۱۸۷۴  
۱۸۷۵  
۱۸۷۶  
۱۸۷۷  
۱۸۷۸  
۱۸۷۹  
۱۸۸۰  
۱۸۸۱  
۱۸۸۲  
۱۸۸۳  
۱۸۸۴  
۱۸۸۵  
۱۸۸۶  
۱۸۸۷  
۱۸۸۸  
۱۸۸۹  
۱۸۹۰  
۱۸۹۱  
۱۸۹۲  
۱۸۹۳  
۱۸۹۴  
۱۸۹۵  
۱۸۹۶  
۱۸۹۷  
۱۸۹۸  
۱۸۹۹  
۱۹۰۰  
۱۹۰۱  
۱۹۰۲  
۱۹۰۳  
۱۹۰۴  
۱۹۰۵  
۱۹۰۶  
۱۹۰۷  
۱۹۰۸  
۱۹۰۹  
۱۹۱۰  
۱۹۱۱  
۱۹۱۲  
۱۹۱۳  
۱۹۱۴  
۱۹۱۵  
۱۹۱۶  
۱۹۱۷  
۱۹۱۸  
۱۹۱۹  
۱۹۲۰  
۱۹۲۱  
۱۹۲۲  
۱۹۲۳  
۱۹۲۴  
۱۹۲۵  
۱۹۲۶  
۱۹۲۷  
۱۹۲۸  
۱۹۲۹  
۱۹۳۰  
۱۹۳۱  
۱۹۳۲  
۱۹۳۳  
۱۹۳۴  
۱۹۳۵  
۱۹۳۶  
۱۹۳۷  
۱۹۳۸  
۱۹۳۹  
۱۹۴۰  
۱۹۴۱  
۱۹۴۲  
۱۹۴۳  
۱۹۴۴  
۱۹۴۵  
۱۹۴۶  
۱۹۴۷  
۱۹۴۸  
۱۹۴۹  
۱۹۵۰  
۱۹۵۱  
۱۹۵۲  
۱۹۵۳  
۱۹۵۴  
۱۹۵۵  
۱۹۵۶  
۱۹۵۷  
۱۹۵۸  
۱۹۵۹  
۱۹۶۰  
۱۹۶۱  
۱۹۶۲  
۱۹۶۳  
۱۹۶۴  
۱۹۶۵  
۱۹۶۶  
۱۹۶۷  
۱۹۶۸  
۱۹۶۹  
۱۹۷۰  
۱۹۷۱  
۱۹۷۲  
۱۹۷۳  
۱۹۷۴  
۱۹۷۵  
۱۹۷۶  
۱۹۷۷  
۱۹۷۸  
۱۹۷۹  
۱۹۸۰  
۱۹۸۱  
۱۹۸۲  
۱۹۸۳  
۱۹۸۴  
۱۹۸۵  
۱۹۸۶  
۱۹۸۷  
۱۹۸۸  
۱۹۸۹  
۱۹۹۰  
۱۹۹۱  
۱۹۹۲  
۱۹۹۳  
۱۹۹۴  
۱۹۹۵  
۱۹۹۶  
۱۹۹۷  
۱۹۹۸  
۱۹۹۹  
۲۰۰۰  
۲۰۰۱  
۲۰۰۲  
۲۰۰۳  
۲۰۰۴  
۲۰۰۵  
۲۰۰۶  
۲۰۰۷  
۲۰۰۸  
۲۰۰۹  
۲۰۱۰  
۲۰۱۱  
۲۰۱۲  
۲۰۱۳  
۲۰۱۴  
۲۰۱۵  
۲۰۱۶  
۲۰۱۷  
۲۰۱۸  
۲۰۱۹  
۲۰۲۰  
۲۰۲۱  
۲۰۲۲  
۲۰۲۳  
۲۰۲۴  
۲۰۲۵  
۲۰۲۶  
۲۰۲۷  
۲۰۲۸  
۲۰۲۹  
۲۰۳۰  
۲۰۳۱  
۲۰۳۲  
۲۰۳۳  
۲۰۳۴  
۲۰۳۵  
۲۰۳۶  
۲۰۳۷  
۲۰۳۸  
۲۰۳۹  
۲۰۴۰  
۲۰۴۱  
۲۰۴۲  
۲۰۴۳  
۲۰۴۴  
۲۰۴۵  
۲۰۴۶  
۲۰۴۷  
۲۰۴۸  
۲۰۴۹  
۲۰۵۰  
۲۰۵۱  
۲۰۵۲  
۲۰۵۳  
۲۰۵۴  
۲۰۵۵  
۲۰۵۶  
۲۰۵۷  
۲۰۵۸  
۲۰۵۹  
۲۰۶۰  
۲۰۶۱  
۲۰۶۲  
۲۰۶۳  
۲۰۶۴  
۲۰۶۵  
۲۰۶۶  
۲۰۶۷  
۲۰۶۸  
۲۰۶۹  
۲۰۷۰  
۲۰۷۱  
۲۰۷۲  
۲۰۷۳  
۲۰۷۴  
۲۰۷۵  
۲۰۷۶  
۲۰۷۷  
۲۰۷۸  
۲۰۷۹  
۲۰۸۰  
۲۰۸۱  
۲۰۸۲  
۲۰۸۳  
۲۰۸۴  
۲۰۸۵  
۲۰۸۶  
۲۰۸۷  
۲۰۸۸  
۲۰۸۹  
۲۰۹۰  
۲۰۹۱  
۲۰۹۲  
۲۰۹۳  
۲۰۹۴  
۲۰۹۵  
۲۰۹۶  
۲۰۹۷  
۲۰۹۸  
۲۰۹۹  
۲۱۰۰  
۲۱۰۱  
۲۱۰۲  
۲۱۰۳  
۲۱۰۴  
۲۱۰۵  
۲۱۰۶  
۲۱۰۷  
۲۱۰۸  
۲۱۰۹  
۲۱۱۰  
۲۱۱۱  
۲۱۱۲  
۲۱۱۳  
۲۱۱۴  
۲۱۱۵  
۲۱۱۶  
۲۱۱۷  
۲۱۱۸  
۲۱۱۹  
۲۱۲۰  
۲۱۲۱  
۲۱۲۲  
۲۱۲۳  
۲۱۲۴  
۲۱۲۵  
۲۱۲۶  
۲۱۲۷  
۲۱۲۸  
۲۱۲۹  
۲۱۳۰  
۲۱۳۱  
۲۱۳۲  
۲۱۳۳  
۲۱۳۴  
۲۱۳۵  
۲۱۳۶  
۲۱۳۷  
۲۱۳۸  
۲۱۳۹  
۲۱۴۰  
۲۱۴۱  
۲۱۴۲  
۲۱۴۳  
۲۱۴۴  
۲۱۴۵  
۲۱۴۶  
۲۱۴۷  
۲۱۴۸  
۲۱۴۹  
۲۱۵۰  
۲۱۵۱  
۲۱۵۲  
۲۱۵۳  
۲۱۵۴  
۲۱۵۵  
۲۱۵۶  
۲۱۵۷  
۲۱۵۸  
۲۱۵۹  
۲۱۶۰  
۲۱۶۱  
۲۱۶۲  
۲۱۶۳  
۲۱۶۴  
۲۱۶۵  
۲۱۶۶  
۲۱۶۷  
۲۱۶۸  
۲۱۶۹  
۲۱۷۰  
۲۱۷۱  
۲۱۷۲  
۲۱۷۳  
۲۱۷۴  
۲۱۷۵  
۲۱۷۶  
۲۱۷۷  
۲۱۷۸  
۲۱۷۹  
۲۱۸۰  
۲۱۸۱  
۲۱۸۲  
۲۱۸۳  
۲۱۸۴  
۲۱۸۵  
۲۱۸۶  
۲۱۸۷  
۲۱۸۸  
۲۱۸۹  
۲۱۹۰  
۲۱۹۱  
۲۱۹۲  
۲۱۹۳  
۲۱۹۴  
۲۱۹۵  
۲۱۹۶  
۲۱۹۷  
۲۱۹۸  
۲۱۹۹  
۲۲۰۰  
۲۲۰۱  
۲۲۰۲  
۲۲۰۳  
۲۲۰۴  
۲۲۰۵  
۲۲۰۶  
۲۲۰۷  
۲۲۰۸  
۲۲۰۹  
۲۲۱۰  
۲۲۱۱  
۲۲۱۲  
۲۲۱۳  
۲۲۱۴  
۲۲۱۵  
۲۲۱۶  
۲۲۱۷  
۲۲۱۸  
۲۲۱۹  
۲۲۲۰  
۲۲۲۱  
۲۲۲۲  
۲۲۲۳  
۲۲۲۴  
۲۲۲۵  
۲۲۲۶  
۲۲۲۷  
۲۲۲۸  
۲۲۲۹  
۲۲۳۰  
۲۲۳۱  
۲۲۳۲  
۲۲۳۳  
۲۲۳۴  
۲۲۳۵  
۲۲۳۶  
۲۲۳۷  
۲۲۳۸  
۲۲۳۹  
۲۲۴۰  
۲۲۴۱  
۲۲۴۲  
۲۲۴۳  
۲۲۴۴  
۲۲۴۵  
۲۲۴۶  
۲۲۴۷  
۲۲۴۸  
۲۲۴۹  
۲۲۵۰  
۲۲۵۱  
۲۲۵۲  
۲۲۵۳  
۲۲۵۴  
۲۲۵۵  
۲۲۵۶  
۲۲۵۷  
۲۲۵۸  
۲۲۵۹  
۲۲۶۰  
۲۲۶۱  
۲۲۶۲  
۲۲۶۳  
۲۲۶۴  
۲۲۶۵  
۲۲۶۶  
۲۲۶۷  
۲۲۶۸  
۲۲۶۹  
۲۲۷۰  
۲۲۷۱  
۲۲۷۲  
۲۲۷۳  
۲۲۷۴  
۲۲۷۵  
۲۲۷۶  
۲۲۷۷  
۲۲۷۸  
۲۲۷۹  
۲۲۸۰  
۲۲۸۱  
۲۲۸۲  
۲۲۸۳  
۲۲۸۴  
۲۲۸۵  
۲۲۸۶  
۲۲۸۷  
۲۲۸۸  
۲۲۸۹  
۲۲۹۰  
۲۲۹۱  
۲۲۹۲  
۲۲۹۳  
۲۲۹۴  
۲۲۹۵  
۲۲۹۶  
۲۲۹۷  
۲۲۹۸  
۲۲۹۹  
۲۳۰۰  
۲۳۰۱  
۲۳۰۲  
۲۳۰۳  
۲۳۰۴  
۲۳۰۵  
۲۳۰۶  
۲۳۰۷  
۲۳۰۸  
۲۳۰۹  
۲۳۱۰  
۲۳۱۱  
۲۳۱۲  
۲۳۱۳  
۲۳۱۴  
۲۳۱۵  
۲۳۱۶  
۲۳۱۷  
۲۳۱۸  
۲۳۱۹  
۲۳۲۰  
۲۳۲۱  
۲۳۲۲  
۲۳۲۳  
۲۳۲۴  
۲۳۲۵  
۲۳۲۶  
۲۳۲۷  
۲۳۲۸  
۲۳۲۹  
۲۳۳۰  
۲۳۳۱  
۲۳۳۲  
۲۳۳۳  
۲۳۳۴  
۲۳۳۵  
۲۳۳۶  
۲۳۳۷  
۲۳۳۸  
۲۳۳۹  
۲۳۴۰  
۲۳۴۱  
۲۳۴۲  
۲۳۴۳  
۲۳۴۴  
۲۳۴۵  
۲۳۴۶

# اسلامی نظریہ سیاست

از

از مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۲)

موجودہ طرز جمہوریت کی حد کمال | سہولت فہم اور توضیح مطالب کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے تعلق  
جمہوریت کے چند اہم اجزاء پر تبصرہ کر دیا جائے،

موجودہ تصور جمہوریت (Democracy) سے مراد ایک ایسا نظام حکومت ہے جس  
میں آمریت، مطلقہ اور اقتدار ذاتی کی جگہ قوت و اقتدار کے تمام مناسب ملک کی عوامی جماعتوں کو حاصل  
ہوں، حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ادارے میں وراثت و جانشینی اور ولی عہد کی  
کے قدیم و قیاسی تصور کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو، بلکہ نیابت و اقتدار کا اصل بنی جماعتوں کے قومی و  
وطنی زوایاے فکر، پارٹی نظریے اور جماعتی کردار ہوں، یعنی جمہوری طرز حکومت طریقہ انتخاب پر  
بنی ہے، اور ملک کے عوام کو حق حاصل ہے، کہ وہ ملک کی جماعتوں میں سے جس جماعت کے قومی  
و ملکی پروگرام کو قومیت کے نقطہ نظر سے بہتر خیال کرتے ہوں اس کو اپنے و دلوں سے حکومت و اقتدار  
کی گدی پر بٹھادیں، گویا اصل قوت عوام کے ہاتھ میں ہو، اور وہ اپنی مرضی سے اس کو استعمال کر سکیں اور اپنی  
مصواب دید کے مطابق مجلس تشریعی (لیجسلیٹو اسمبلی) اور مجلس تنفیذی (ایگزیکٹیو کونسل) میں اپنے نمائندے  
انتخاب عام کے طریق پر بھیج سکیں،

نیز اس نظام حکومت میں ملک کے تمام اصل باشندے ہر قسم کے اقتصادی، معاشرتی، اور شہری حقوق میں مساوی درجہ تصور کئے جائیں، ہر ایک باشندہ ملک کو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق شہری اور ملکی معاملات میں حصہ دار بن سکے، اور اس کی ترقی کے راستے میں کوئی امر مانع نہ ہو نہ تجارت اور حیات عامہ کے تمام وسائل کے اخذ و اختیار میں اس کو پورا پورا حق حاصل ہو، ہر شہری مسالہ طور پر زندگی بسر کر سکے، سیاسی اعتبار سے اس کو بشرط قابلیت بڑے سے بڑے عہدہ حکومت کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، ان امور کو حریت اجتماع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

حریت فکر و خیال اور صحافت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو، بلکہ ہر باشندہ ملک کو تقریر و تحریر کی پوری آزادی حاصل ہو، ملک کے ہر فرد کو حیات عامہ کے تمام مسائل پر رائے زنی اور تنقید کرنے کا حق حاصل ہو، اس کو حریت فکر یا حریت نشر سے تعبیر کیا جاتا ہے،

ملکی خزانہ کسی شخص یا اشخاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ عوام کی ملک ہو، اس کا صرف امن و دفاع <sup>بھروسہ</sup> (دفعہ)

نظم و نسق اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہونا چاہئے، یہ ہیں وہ بنیادی اہم نکات جن پر جمہوریت کا محل تعمیر ہوا ہے۔

انقلابی جدوجہد کی ابتدا | اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کی ابتداء میں بعض مغربی

مالکین پہلے پہل حریت و آزادی کی شہنشاہی نمودار ہوئی جو انسانی تمام کردہ ارضی میں پھیل گئی اس کا سبب فساد کش عوام کی بے چینی ان کی ظلمیت اور سرمایہ دارانہ طرز حکومت کا چہرہ نشہ و تھا، مخلوق خدا ظالم بادشاہوں کے ہم نظام سے تنگ آ چکی تھی، اور عوام کے دل و دماغ میں احساس خودی پیدا ہو گیا تھا اور یہ محسوس کرنے لگے کہ یہ کوئی انصاف نہیں کہ چند انخاص کردہ انسانوں کی قسمت کے مالک بن جائیں، ان کے سارے وسائل معیشت پر غاصبانہ قبضہ کر کے خود معیشت کی زندگی بسر کریں، اور ان کو دائمی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھیں خود سر فلک عمارتوں میں نشیمن گد و ن پر آرام کریں، اور ناقہ کش مزدور کے بچوں کو جھوٹا بڑا بھی نصیب ہو

غرض یہ وہ اسباب تھے، جن کی بنا پر عوام بے قرار تھے، اور رفتہ رفتہ اُس نے ایک آتشگیر مادہ کی شکل اختیار کر لی، اور بالآخر وہ پھٹک کر انقلابِ فرانس کی شکل میں نمودار ہوا، یہ انقلاب بظاہر دنیا کی ظالمانہ آمرتوں کے لئے تازہ یا نہ عبرت تھا، اور غریب فاقہ کشوں کے لئے پیام امن و راحت !

اٹھارہویں صدی کے عشرہ اخیر میں فرانس کے حریت پسندوں نے آزادی و حریت اور اخوت و مساوات کا جھنڈا بلند کیا، اور مسلسل لگ دو، جانکا و مصائب اور صبر آزما جدوجہد کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی، فرانس کی جمعیتِ وطنیہ نے ایک انقلابی دستور منشورِ حریت کے نام سے جاری کیا جس کے بنیادی اجزاء اس سے قبل ذکر ہو چکے ہیں۔

قدرتی طور پر انقلابِ فرانس کا اثر دوسرے ممالک پر بھی پڑا، اور دوسرے چھوٹے بڑے ملکوں میں بھی اسی قسم کی تحریکیں اٹھیں، امریکہ کے باشندوں نے بھی غلامی کے خلاف زبردست جدوجہد کی اور بالآخر اس کو کامیابی حاصل ہوئی، اور کچھ عرصہ کے بعد روس میں اسی جذبہ آزادی نے ایک جدید شکل اختیار کر لی، کارل مارکس اور لینن کی جدوجہد نے عوامی حلقوں میں آزادی و مساوات کی نئی شرح پھونک دی، اور چند دنوں میں زارِ روس کی ظالمانہ شاہنشاہیت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا، اور اشتراکی نظامِ حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، روس کے اس انقلاب نے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک کے عوامی طبقوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا، اور کم و بیش ہر ملک میں سیاسی بیداری اور زندگی پیدا ہو گئی، اور غربت زدہ عوام میں تنظیمی شعور دمکھانے لگا، اور ملوکیت پرست طبقے اپنے وقارِ شاہی کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، بالآخر متعدد چھوٹے ممالک بن ملوکیت کو انقلاب پسندوں کے سامنے جھکانے پڑا، اور آج دنیا کے بیشتر ممالک میں اشتراکی نظریہ سیاست کا اثر و نفوذ بڑھ رہا ہے، بالخصوص گذشتہ عالمگیر جنگ میں سوویت یونین کو جہاں مادی طور پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، وہاں نظریاتی اعتبار سے وہ اس سے بھی زیادہ کامیاب رہی، عربی ممالک میں بھی یہ زہرِ نہایت سرعت سے پھیل رہا ہے،

اگر موثر طریقہ پر اس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو تھوڑے عرصہ میں یہ تحریک عربوں کے جسم کو مفلوج کر دیگی اور صرف اسلامی نظریہ سیاست و اجتماع ہی اس زہر کا تریاق ہو سکتا ہے،

موجودہ طرزِ جمہوریت کے اہم نقائص | حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو جس زندگی کی تلاش و جستجو ہے اس سے وہ اب تک محروم ہے، جس آخری منزل تک اسے پہنچنا ہے وہ ابھی کو سون دور ہے، اور حیاتِ انسانی کا اصل مرض اب تک اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے خوش فہم اور غلط کار انسان لاکھ کہیں کہ ہم نے انسانیت کے دکھ کا علاج پایا ہے، مگر درحقیقت وہ جس کو علاج سمجھ رہے ہیں وہ خود ایک مستقل مرض ہے اور جس کو وہ مسیحا تصور کر رہے ہیں، وہ فرشتہ موت ہے،

موجودہ نظامِ جمہوریت میں اس قدر نقائص ہیں کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے، تو اس میں اور آمریت و ملوکیت میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں رہتا، زیادہ سے زیادہ بیل کا فرق نظر آ سکتا ہے، یعنی ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں،

(۱) موجودہ نظامِ سیاست کی بنیاد ہی اس غیر نظری تصور پر قائم ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانوں پر، یا سب سے بڑی جماعت (جاری) کو کمزور اور چھوٹی جماعتوں (مناسطیر) پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہی وہ بنیادی نقص ہے جو انسانی سوسائٹی کے تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت اس سے ابا کرتی ہے، کہ وہ اپنی ہی جنس کی غلامی اختیار کرے، خواہ یہ حکومت اور تسلط استبداد و شخصی کی صورت میں ہو یا جمہوریت کے لباس میں،

(۲) ایک صالح اور مذہبِ نظامِ حکومت وہی ہو سکتا ہے جس کی بنیاد اخلاقی اور مابعد الطبیعی تصورات پر قائم ہو، کیونکہ یہی چیز حیاتِ انسانی کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی سے زندگی کے منتشر اجزاء میں ربط و نظم پیدا ہو سکتا ہے، اور عالمگیر بے چینی و اضطراب کو دور کیا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی نظام کے ذریعہ یہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا،

زمانہ حال کے سیاسی نظریات میں روس کا اشتراکی نظریہ سیاست سب سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں بہت حد تک عوام کے مطالبات کی تسکین کا سامان ہے، اگر دوسرے میں بھی یہ نقص بدرجہ اتم موجود ہے، کہ اس کے فلسفہ فکر و عمل کا محور محض چند مادی اغراض ہیں، بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی جدوجہد کا ہی تک پہنچ کر رک گئی ہے، اور ان کی منزل کا ان کو سرخ تہنیں مل سکا،

کر وہ ام اندر متعاش نگاہ لاسلاطین لاکلیسا لالہ

فکر اور تند بادِ کلابانند مرکبِ خود را سوے اکلا نراند

چونکہ دنیا کے سیاسی نظامات میں اخلاقی قدر کو کوئی جگہ نہیں دی گئی، اس لئے موجودہ جہیز میں منتخب ہونے والے نمائندوں کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں، اور آج نمائندگی کا اہل اس شخص کو تصور کیا جاسکتا ہے، جو سب سے زیادہ زمانہ سائڈ پلوٹیک اور چرب زبان ہو، اگرچہ اس کا اخلاق اور گیر کیڑ کٹا ہی گرا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے نمائندوں سے انسانیت کے اہم مسائل کی طرح حل نہیں ہو سکتے ع

کہ اندمغزد و صد خرف فکر انسانی نمی آید

(۳) جمہوری آئین کو دینیت و قومیت (فیٹلزم) کو حدود و دین مقید کر دیا گیا ہے، اور اسکو ہمہ گیر (یونیورسل) حیثیت حاصل نہیں، اس لئے اگر وہ مفید ہو سکتا ہے تو صرف اپنے ملک کے اہل باشندوں کے لئے، آبادی کا وہ حصہ جو غیر ملکی کہلاتا ہے، اس کی برکات سے محروم رہتا ہے، مثلاً امریکہ میں یہودی یا افریقی افراد کو وہ شہری یا معاشرتی حقوق حاصل نہیں، جو ملک کے اہل باشندوں کو حاصل ہیں،

(۴) موجودہ نظام جمہوریت کا دار و مدار جماعتی طرز فکر، جماعتی کردار اور جماعتی نظریہ سیاست



ہرے ملک میں اگر دو یا دو سے زائد جماعتیں ہیں تو ہر جماعت کا نمائندہ اپنے مخصوص جماعتی طرز پر سوچتا ہے اور جماعت سے وفاداری یا جماعتی عقیدت کی بنا پر ہر بات میں اسی کی حمایت کرتا ہے خواہ وہ بات کتنی ہی غلط اور غیر مفید کیون نہ ہو اس لئے کہ ہر جماعت کا اپنا نصب العین ہوتا ہے اور پارٹی کے ہر رکن کو جائز یا ناجائز طور پر اسی کی حمایت کرنی پڑتی ہے،

(۵) اس طرز جمہوریت میں طاقت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور مختلف جماعتوں میں جس کی اکثریت ہوتی ہے وہی با اقتدار ہوتی ہے۔ آئین جمہوریت کی رو سے اکثریت (پارٹی) کا ہر جائز تصور کیا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو اور وہ ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے اقلیتوں پر اپنا تسلط قائم رکھتی ہے،

(۶) موجودہ نظام جمہوریت میں نمائندگی کے لئے متحدہ و اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں جس سے حریت عامہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، ان میں سے ہر شخص ترمیم و ترغیب کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور با اوقات عوام میں خوف یا طمع کی وجہ سے اسے دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اس طرح عوام کی آزادی فکر کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ صحیح نمائندہ منتخب نہیں کر سکتے،

جس طرح نمائندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں ہے، اسی طرح اسے دہندگی کے لئے بھی نہیں بلکہ اس کا معیار عموماً ٹیکس اور لوگان کی ادائیگی تک محدود ہوتا ہے اور ہر جماعت اور سماجی اسی کو نمائندگی کے لئے موزون سمجھتی ہے، جو اس کے مخصوص مفاد اور نقطہ نظر کی نمائندگی کر سکے خواہ وہ کتنا ہی غلط کیون نہ ہو ایسی حالت میں ملک و قوم کی صحیح نمائندگی ہو سکتی ہے اور نہ صحیح انتخاب ہو سکتا ہے، اور وہی شخص انتخاب میں آئے گا جو زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی جماعتوں کی ہمنوائی کر سکے، یہ کتنا برا ظلم ہے، اگر تجارتی تعلیمی اور سماجی امور میں تقابلیت، صداقت اور دیاننداری کا امتحان کر لیا جاتا ہے، مگر جہاں پوری قوم اور ملک کے نفع و ضرر کا سوال ہو وہاں نمائندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار

مقرر ہے، اور نہ رائے دہندگی کے لئے،

(۸) موجودہ طریق انتخاب سے منتخب ہونے والے اشخاص کو ایک مقدمہ مدت تک کے لئے بالکل

آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، اور اس میں رائے دہندگان کو اس کے عزل کا اختیار نہیں ہوتا، گویا وہ اتنی

مدت تک طوعاً و کرہاً اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہیں، خواہ وہ ان کے اعتماد کا اہل نہ رہ گیا ہو۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نمایندہ اسی وقت تک عوام سے میل جول اور ربط و علاقہ رکھتا ہے بلکہ

ان کی خوشامد اور چاہوس کی کرتا ہے جب تک کہ وہ ان سے ودھ حاصل نہیں کر لیتا، منتخب ہونے کے

بعد وہ ہر طرح مطمئن ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے رائے دہندگان کی خواہشات کا مطلق لحاظ نہیں کرتا،

ان آٹھ بنیادی نقائص سے قطع نظر جن امور کو موجودہ جمہوریت کے اجزاء ترکیبی ہونے کا فخر

حاصل ہے، یعنی جو منشور آزادی میں درج ہیں، وہ بھی آج تک ذہنی دنیا سے آگے نہیں بڑھ سکے، اور

عملی لحاظ سے اب تک وہی سب کچھ چور ہا ہے، جو زمانہ جمہوریت سے قبل تھا، اعلیٰ و ادنیٰ تشریف و

ردیل اور امیر و غریب کی طبقاتی تقسیم آج بھی بدستور قائم ہے، اعلیٰ طبقتوں میں آج بھی وہی فرعون

روح کا فرما ہے، حکومت کے شعبوں اور ملک کے صنعتی کارخانوں میں تنخواہوں اور اجرتوں کا

وہی معیار آج بھی ہے، اور موجودہ جمہوریت آج تک انسانی آلام کا مداوا نہ کر سکی، اس کی وجہ یہ ہے

کہ جمہوریت کا صرف نام ہے، لیکن اس کے اندر اسی استبداد کی روح کا فرما ہے،

دیو استبداد جمہوری تباہیں پاؤ گویا تو مجھتا ہے کہ آزادی کی جو نیم پری

لا یصلح الناس قوضی لاسۃ لہو ولا سۃ لہو ولا سۃ لہو ولا سۃ لہو

اب ہم ان شہتہ کے حکمت کو پیش کرنے کے بعد اسلامی نظریہ سیاست کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں

اسلام کا نظام سیاست و اجتماع

ایسر علیہ لنگی و سب صحراچی دانی

تو اسے گرد و قہم شوکت دیا چمی دانی

جن کو کوئی آنکھیں نہیں کھلتی نہند نام زندگی کا فوری روشنی سے خیرہ ہیں اکاش ان کی نگاہ غلط ہیں اسلام کے مرکز انوار کی طرف بھی اٹھ سکتی جن کی زبان پانی کے چند قطرہ کے لئے ترس رہی ہے اکاش و اس آبِ حیوان تک پہنچ سکتے جس میں پوری دنیا کو سیراب کرنے کی صلاحیت موجود ہے اور اکاش ان کو یہ معلوم ہو سکتا کہ وہ جس کو مساجد سمجھ کر اس کے گرد طواف کر رہے ہیں، وہ تو خود نیم جان بیمار اور دوسرے کے دستِ شفا کا محتاج ہے، سنگدیزوں کو جو اہر تصور کر لینے سے حقیقتہً سنگدیزہ جو اہر نہیں بن سکتے، خاکستر کو آگ سمجھ کر بھونک مارنے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کے ہوا دینے سے اس میں اشتعال پیدا نہیں ہو سکتا،

و ناز لولفت بہا اضافت

ولکن انت تنفخ فی الرما د

اسلام کا نظریہ اجتماع و سیاست، ضابطہ اخلاق و تمدن اور آئین اقتصاد و معیشت ہی انسانی زندگی کے مشکل مراحل طے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہی وہ نظریہ حیات ہے جس میں بڑھتے، پھینے اور صاف تمدنی ارتقا کا ساتھ دینے کی نہ صرف صلاحیت ہے، بلکہ وہ خود ایک صحیح تمدن کا بانی ہے جو سارے عالم کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور ایک نہ ایک دن نامہ آنے والا ہے جب کہ دنیا کا ہر انسان اسلام کے عالمگیر فلسفہ زندگی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گا،

خدا ہے بزرگ و برتر نے اپنے رسول

هو الذی ارسل رسولہ بالحق

کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا

و دین الحق یطہر علی الدین

تاکہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کرے

صلو

دوسے زمین پر کوئی ایسا گھر

لا یجتبی علی اظہر لادض بیت مدبر

کَلَامُہِ الْاِیْمَانِ دَخَلَہُ لَکُمُ الْاِسْلَامُ

نہیں رہے گا، جس میں کلمہ اسلام داخل

بَعْدَ عَزْمٍ بِرَدِّ ذَلِیلِہِ۔

نہ ہوگا، کوئی باعزت طریق پر اسلام

(رواہ احمد)

میں داخل ہوگا، اور کوئی ذلیل ہوکر،

اور بالآخر سب کو اسلام کے آگے

بھٹکن پڑے گا،

اسلام کا تصور حاکمیت | حاکمیت کے سلسلہ میں اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ کسی انسان کو

انسانوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں، حکومت واقعہً ارادہ قانوں سازی کا منصب صرف احکم الحاکمین کو حاصل ہے، انسان کا یہ منصب ہی نہیں کہ وہ خدائی کاموں میں دخل دے،  
ان الحکمۃ لا ۛ اللہ،

حکومت کا کاروبار چلانے اور انسانی سوسائٹی میں نظم و ڈسپلن قائم رکھنے کے لئے اس زمین میں خدا کی طرف سے ایک نیابتی جماعت کام کرتی ہے، جو ایک مزدور کی حیثیت سے اپنے آقا کو معین کر دے۔ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتی ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے طور و طریق ایک معیار (آئیڈیل) حیثیت رکھتے ہیں، اور اسی حیثیت سے اس جماعت کو غلبہ و نفوذ اور تمکن فی الارض کا منصب حاصل ہوتا ہے، اس کو یہ حق ہرگز حاصل نہیں ہے کہ وہ خدائی آئین میں کسی قسم کا رد و بدل یا ترمیم کر سکے، بلکہ اس کا فریضہ صرف اسی قدر ہے، کہ اس قانون خداوندی کو اس کی اصل شکل میں انسانوں پر نافذ کرے، اور یہ جماعت خود بھی اسلامی آئین کی اسی طرح پابند ہوتی ہے، جس طرح وہ دوسروں کو پابند بنانا چاہتی ہے،

(وہ لوگ جن کو جہاد فی سبیل اللہ کی اجازت

الَّذِیْنَ اَنْ مَکْتُھُوْنِی الْاَرْضِ

دی گئی ہے، اور جو بلا وجہ اپنے گھر و

اِخَامُ الْاَصْلَاحَۃِ وَاَتَا الْزَّکٰوٰۃِ

وَأَمْرًا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيًا  
عَنِ الْمُنْكَرِ

سے نکالے گئے ہیں، ان کو اگر تم تمکنت  
فی الارض عطا کریں گے، تو وہ نماز

نکوۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر

کے فرائض کو کما حقہ انجام دیں گے،

درحقیقت یہی جماعتیں جو نیابتِ الہی کے فرائض انجام دیتی ہے اور قیادتِ عظمیٰ کی مستحق ہے اس کی  
راہ متین ہے، اڈ اس کا آئین اٹل ہے، اقوامِ عالم کے نظریوں بن ہر لمحہ تبدیلی کا امکان ہے، مگر اس  
جماعت کا ہر نظریہ غیر متبدل، ہر تصور غیر متغیر اور ہر قانون دائمی اور پائیدار حیثیت رکھتا ہے، مدت کی  
تاریکی بن بھٹکنے والی قوانین راستہ کے ہر سنگ میل کو آخری منزل مقصود تصور کر لیتی ہیں، ظُلُمَاتُ  
بعضہا فوق بعض، مگر اس جماعت کا ایک قدم بھی اندھیرے میں نہیں اٹھ سکتا کہ اس کے چاروں  
طرف اندھیرا الہی کی بارش ہو رہی ہے، تَوَدُّ عَلَىٰ نَوْرٍ یَّجِیْدٍ اللّٰهُ لِنُوْرِهِ مَنِ ارْتَضَا،

محض حقِ ظن کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعات، فکر و نظر اور علم و بصیرت کی بنا پر بیٹنا پڑتا ہے کہ  
اسلام کا پیش کردہ نظریہ حیات ہی انسانی دنیا کی تمام مشکلات کو احسن طریق پر حل کر سکتا ہے، اُ  
اسی کے ذریعہ دنیا میں قیادتِ فطری کی داغ بیل ڈالی جاسکتی ہے، مسلمان اس فلسفہ و زندگی کا علمبردار  
اور اسی کو یہ حق پہنچاتا ہے کہ نبی نوع انسان کی رہنمائی کرے،

وَكُنَ الْاِلٰهَ جَعَلَكُمْ اُمَّةً وَسَطًا  
لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰی الْاِنْسَانِ

مسلمانو! ہم نے تم کو ایک معتدل امت  
بنایا ہے تاکہ تم تمام (انسانوں پر) گواہ

وَلِیْکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ  
شٰهِدًا

اور مگر ان جو، اور رسول تم پر مگر ان  
اور گواہ بنے،

وَسَطًا کے فقہاء میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ امتِ مسلمہ اقوامِ عالم کے لئے مرکز اور

بہ حقیقی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ساری کائنات اس کے گروچکر کاٹتی ہے، نیز اس میں عالم انسانی کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوتِ جاذبہ موجود ہے،

شہید کے معنی اہل لغت اور مفسرین نے گواہ، حاضر اور محاسب و نگران کے بیان کئے ہیں یعنی جماعتِ مومنین عالم انسانی میں ایک گواہ اور نگران کی حیثیت رکھتی ہے، انسانی سوسائٹی میں نظم و ضبط قائم رکھنا، امین و اسود اور شاہ و گدا میں قانونی اور مجلسی مساوات قائم کرنا اور تمام اخلاقی، مجلسی اور معاشی خرابیوں کی اصلاح کرنا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے، دوسری اقوامِ دہل کے دور قیادت و اہمیت کے ختم ہونے کے بعد قیادت کی تمام تر ذمہ داریاں اسی جماعت کے سپرد کی گئی ہیں

شَدَّ جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي  
اَرْضٍ مِّنْ بَعْدِ هَؤُلَاءِ مِنْظُرٍ  
پہلی قوموں کے بعد مسلمانوں! ہم نے  
تم کو خلافتِ ارضی کا منصب عطا کیا  
ہو تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اس کے فرائض  
سے کیسے سبکدوش ہوتے ہو،

بخاری کی ایک حدیث کا آخری کلمہ ہے

انتم شهداء اللہ فی الارض  
(بخاری)

نحن آخوالاٰمر (آخر جہاں ماہر)  
نحن الآخرون السابقون  
(بخاری و مسلم و نسائی)

ہم اقوامِ عالم میں سب سے آخری قوم ہیں  
ہم زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری قوم  
ہیں، مگر منصب کے اعتبار سے سب پہلے قائم

لہذا اس موضوع پر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک بصیرت افروز مقالہ امت مسلمہ کی بعثت کے عنوان سے  
معارف ماہ اپریل ۱۹۷۸ء میں شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کی جانب رجوع کرنا چاہئے،

اخلاقی قیود و اتداری رعایت کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے عالم انسانی  
 میں حقیقی امن سرگز قائم نہیں ہو سکتا، انسانی طبائع کا میلان فطرۃً ظلم و تعدی حصول منفعت ذاتی اور غضبِ  
 کی جانب ہے، اس فطری رجحان کی روک تھام کے لئے دین فطرت ہی کا ضابطہ اخلاق زیادہ موثر  
 ثابت ہو سکتا ہے، اس کے مقابلہ میں ریاست (سیٹٹ) کی حیثیت محض ثانوی ہے، وہ مستقل بالذات  
 اور منفرد طور پر اس کام کو انجام دینے سے قاصر ہے، دنیا کے قدیم اور جدید واقعات کی شہادت اس کے  
 لئے کافی ہے، اگر محض ریاست قیام امن کے سلسلہ میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکی ہے، اور ان  
 دونوں قوتوں کے اجتماع سے ہی مطلوبہ زندگی کا حصول ممکن ہے، ان میں سے تمنا ایک اصل مقصد کے نحو  
 کا کافی نہیں،

این دو قوت ها فضا یک دیگر اند

کائنات به زندگی را منحور اند

اس کی مزید تشریح اس طرح کی جا سکتی ہے، کہ جہاں انسانی طبائع میں نظم و انضباط پیدا کرنے  
 اور خیر و شر کی متضاد قوتوں میں توازن قائم رکھنے کے لئے ریاست کی ضرورت ہے، وہاں ایک  
 قادر علی الاطلاق اور غیر محسوس ہستی پر کامل ایمان اور اس کے محاسبہ اعمال پر یقین و اذعان بھی ضروری  
 ہے، اسی لئے قرآن کریم نے ان دونوں چیزوں کو اس طرح بیان کر دیا ہے کہ گویا ان میں  
 رشتہ تلازم ہے،

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ      ہم نے اپنے رسول آیاتِ نبیات کے

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ      ساتھ بھیجے، اور ان کے ہمراہ کتاب اور

وَالْحَقُّ اَنْ يَّقُوْهُ الْاِنْسَانُ      میزان بھی اتاری تاکہ لوگ نفع، عدل

وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاسٌ      پر کھڑے ہو جائیں، اور لوہا بھی اتارا

مَشْكِرِينَ وَمُتَّاعِينَ لِلنَّاسِ

(حدید) اور لوگوں کے لئے بے شمار فائدے ہیں

میزان "اور صدیق کو فعل کے تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ایک کا مفہوم و مصداق جدا جدا ہے، عبوری منزل میں بھی اختلاف ہے، کیونکہ اول الذکر خیر محض ہے اور ثانی الذکر میں شر کی بھی آمیزش ہے، مگر ان دونوں کو ایک ہی جگہ ذکر کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ ان کی آخری منزل ایک ہے، اور وہ حقیقی نظام امن کا قیام اور فتنہ و فساد کا استیصال ہے،

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ نظام سے سیاست میں کردار کی بلندی اور اخلاق و سیرت کی پاکیزگی کو کسی بعید سے بعید گوشہ میں بھی جگہ حاصل نہیں، اور نہ ان کو ایمان باللہ اور حیات بعد المات کے محاسبہ اعمال ہی کے تصور سے کوئی نسبت ہے، مگر اسلام کا نظریہ سیاست درحقیقت اسی ایک اصل پر مبنی ہے، کہ انسان کی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے، حیات قبل المات اور حیات بعد المات، موت ان دونوں میں حد حاصل ہے، اور پہلی زندگی دوسری کے لئے ایک موثر کا حکم رکھتی ہے، یعنی اس زندگی کا ہر فعل آنے والی زندگی پر اثر انداز ہوگا، یہی وجہ ہے، کہ اسلام کی نظر میں عظمت و برتری صرف تقویٰ و طہارت اور عمل و کردار سے وابستہ ہے، نسلی شرافت، خاندانی وجاہت اور ملکی و قومی عظمت ہرگز قابل اعتبار نہیں، اور یہ چیزیں آنے والی مستقل اور دائمی زندگی کے لئے کارآمد نہیں، اس لئے عزت و شرف کا معیار کردار کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی ہے،

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ، تم میں سب سے زیادہ مغزور اور شریف

وہی ہو سکتا ہے، جو سب سے زیادہ

پرہیزگار و متقی ہو۔

دیندار ہی اور خدا ترسی کے سوا

لیس کلاحد علی احد فضل الا



بدین و تقویٰ (مشکوٰۃ)

کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہو سکتی۔

اسی بنا پر اسلامی نظریہ اجتماع و سیاست کے تمام اجزاء میں یہی حقیقت جاری و ساری نظر آتی ہے، ادا امارت و نمایندگی کے لئے بھی سب سے زیادہ عمل و کردار اور اخلاق و سیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے ایک بہتر صراح اور جامع اشروط شخص کی موجودگی میں اگر کسی نااہل اور بے عمل شخص کو امیر بنا دیا جائے، تو یہ اسلام کی نظر میں نہایت خطرناک جرم ہے

عن ابن عباسؓ قال رسول الله  
صلى الله عليه وسلم من استعمل رجلاً من  
عصابة وفي تلك العصابة من هو  
مته فقد خان الله ورسوله وخالفوا  
عن ابى بكر رضي الله تعالى قال رسول  
الله صلى الله عليه وسلم من ولي من  
احد المؤمنين شيئاً فامر عليه  
احداً مما مائة فعليه لعنة  
الله، (اخرجها الحاكم)

جو شخص کسی کو ایک جماعت کا امیر بنا تاہو  
اور اس جماعت میں اس سے بہتر اور پختہ  
آدمی بھی موجود ہے، تو وہ خدا، رسول  
اور مومنوں سے خیانت کرتا ہے،  
جس شخص کو مسلمانوں کی طرف سے کچھ  
اختیار دل جائے، اور وہ ان پر حیت نسبی  
کے پیش نظر کسی شخص کو امیر بنا دے تو وہ  
خدا کی طرف سے لعنت کا سزاوار  
بن جاتا ہے،

حضرت فاروق اعظمؓ انتخاب عام کے ذریعہ منتخب ہوئے، مگر اس کے باوجود انھوں نے ایک  
موقع پر ارشاد فرمایا،

قال عمر بن الخطاب لو علمت  
ان احداً اتوى على هذا الامر  
ميتى لكان ان اقل وفقر رب  
اگر میں جانتا کہ کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ  
امور خلافت کو انجام دینے کی قوت رکھتا تو  
اس صورت میں منصب خلافت کی ذمہ داری کے

عقیق اھون علی الخ (آخر جہد فی الموطا) مقابلہ میں میرا قتل کیا جاوے گا تو آسان تر ہوگا

اس میں شک نہیں کہ احکام و قضا یا کا علم، فہم قرآن، سیاسی شعور و فراست، فن سپہ گری کی فہارت، اعداء کے مقابلہ و دفاع کی پوری صلاحیت اور دیگر بہت سے امور شرائط امارت و قیادت میں شامل ہیں، مگر اخلاق و سیرت کی پاکیزگی ان سب کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَكَّنَّهٗمْ فِی الْاَرْضِ  
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآلَوْا بِالْزَّكٰوةِ وَ  
وَاٰهَرُ وَاَبَالَعُورُ وَحَتِّ وَكُھُوَا  
اگر ہم ان کو گن کو زمین میں مہذب و مکت  
عطا کریں تو وہ نماز کو قائم کریں گے  
زکوٰۃ دیں گے اور امر بالمعروف و نہی  
عن المنکر،  
عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کریں گے،

اس آیت قرآنی میں تمام شرائط امامت و خلافت کی طرف بالاجمال اشارہ کر دیا گیا ہے، اتفاقاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں تمام انفرادی اور اجتماعی فرائض آجاتے ہیں، امر بالمعروف کے لئے فہم قرآن اور احکام و قضا یا کا علم ہر حال میں لازمی ہے، اسی طرح یہ فریضہ اس وقت تک تکمیل پذیر ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ قوت مقدرہ اور اعدائے دین کے مقابلہ کی صلاحیت موجود نہ ہو، نیز امر بالمعروف و نہی عن المنکر قرآن کریم کی ان جامع اصطلاحات میں سے ہیں، جن کا اطلاق انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر ہے، مگر اخلاقی حدود و اقدار پر ان کا اطلاق زیادہ ہیں، اس صیرت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس بات کو مستلزم ہوں گے کہ آمر بذات خود بھی بہترین اخلاق اور بلند گیر کٹر کا حامل ہو،

# تمتہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

## مسلم و حربی بین

از

مولانا ظفر احمد صاحب ثنائی مدرسہ شیعہ عربی و عثمانیہ کینیڈا

یہ معارف میں مسئلہ سود مسلم و حربی پر جو مضامین لکھے تھے، اور ان میں امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہما جہور علماء امت کی طرف سے جو دلائل بیان کئے تھے، ان میں سے بعض اپنی طرف سے پیش کئے تھے، پھر مبسوط مسخری سے مراجعت کی تو اس میں میرے قول کی تائید مل گئی، جی چاہا کہ اس کی عبارت کو بھی پیش کر دوں واللہ الحمد علی الوافقہ،

مبسوط میں ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ	قال وجبتھما ای ابی
شافعی (وغیرہما) کی تحت عبد اللہ بن	یوسف والشافعی رحمہما اللہ
عباس رضی اللہ عنہما کی تحدیث ہے کہ	تعالیٰ حدیث ابن عباس رضی
(غزوہ خندق میں) مشرکین کی ایک	اللہ عنہما انہ وقع للمشرکین
لاش خندق میں رہ گئی تو انھوں نے	جفیۃ فی الخندق فاعطوا بذلک
اس کے عوض مسلمانوں کو (بہت کم)	للمسلمین مکلا فنفی رسول
مال دینا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن

ذَٰلِكَ وَلَا مَعْنَى لِقَوْلٍ مِنْ يَقُولُ  
كَانَ مَوْضِعَ الْخِذْقِ مِنْ دَارِ  
الْإِسْلَامِ وَلَا نَأْخُذُ بِقَوْلِ عُنْدَ كَمْ  
يَجُوزُ هَذَا بَيْنَ الْمُسْلِمِ وَالْحَرْبِيِّ  
الَّذِي لَا أَمَانَ لَهُ سِوَاءِ كَانَ  
فِي دَارِ الْإِسْلَامِ أَوْ فِي دَارِ  
الْحَرْبِ، وَالْمَعْنَى فِيهِ أَنَّ  
الْمُسْلِمَ مِنْ أَهْلِ دَارِ الْإِسْلَامِ  
فَهُوَ مَمْنُوعٌ مِنَ الرِّبَا بِحُكْمِ  
الْإِسْلَامِ وَحَيْثُ كَانَ وَلَا يَجُوزُ  
أَنْ يَحْمِلَ فَعْلُهُ عَلَى اخْتِذَاكَ مَالِ  
الْكَافِرِ بِطَبِيعَةِ نَفْسِهِ لَا نَهَى  
قَبْلَ اخْتِذَاكَ بِحُكْمِ الْعَقْدِ وَ  
لَا أَنَّ الْكَافِرَ غَيْرُ رَاضٍ بِاخْتِذَاكَ  
هَذَا الْمَالِ مِنْهُ إِلَّا بِطَرِيقِ  
الْعَقْدِ مِنْهُ وَلَوْ جَازَ هَذَا فِي  
دَارِ الْحَرْبِ لَجَازَ مِثْلُهُ فِي دَارِ  
الْإِسْلَامِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ  
عَلَى أَنْ يُجْعَلَ الدَّرْهُمُ

مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا، اگر  
معاہدہ رہا و تہار و غیرہ دار الحرب میں  
مشرکین سے جائز ہوتا، تو آپ اس سے  
منع نہ فرماتے، اور یہ جو بعض نے کہا  
ہے کہ خذق کی جگہ دار الاسلام میں واقع  
تھی، اس لئے حضور نے منع فرمایا، کہ  
دار الاسلام میں عقد فاسد نہ ہو، تو اس  
میں کوئی ذرہ نہیں، کیونکہ تمہارے نزدیک  
ایسا معاملہ دار الاسلام میں بھی حرام غیر  
مستامن سے جائز ہے، (حربی محارب ہے  
بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے) اور اصل  
علت (مانعت کی) یہ ہے کہ مسلمان  
دار الاسلام کا رہنے والا ہے، اسلام  
کے حکم کی وجہ سے اس کو عقد ربا ممنوع  
ہے، خواہ وہ کسی جگہ ہو، اس کے فعل  
میں یہ تاویل جائز نہیں، کہ وہ (عقد  
کی وجہ سے نہیں بلکہ) کافر کی خوشی سے  
مال رہا ہے، کیونکہ اس نے (عقلاً)  
محض عقد کی وجہ سے یہ مال لیا ہے دوسرے

بالد رہو والد رہو والاخو وہ کا فر بھی محض عقد کی وجہ سے مال

ہبۃ، (جلد ۱۳ ص ۵۶، ۵۷) دین پر راضی ہوا ہے، بدوین عقد کے

وہ ہرگز راضی نہیں تھا، اور اگر اس قسم

کی تاویل دار الحرب میں کی جاسکتی ہے تو

داما لا سلام میں بھی مسلمانوں کے معاملات

میں کی جاسکتی ہے کہ ایک درہم کے عوض

دو درہم دینے والے نے ایک درہم تو ایک

درہم کے بدلہ میں دیا ہے، اور دوسرا

بطور ہبہ کے دیا ہے،

یہی میں نے عرض کیا تھا کہ مسلم متان دار الحرب میں حربی سے عقد ربا کے ذریعہ جو کچھ وصول

کرتا ہے، محض عقد کی وجہ سے کرتا ہے، عقد کو کالعدم قرار دیکر لین دین کو تراضی طرفین پر محمول کرنا

ظاہر کے خلاف اور بعید تاویل ہے۔

امام شافعی و امام ابو یوسف کی طرف سے یہ حجت بیان کر کے صاحب مبسوط نے امام ابو حنیفہ و

امام محمد کی دلیل میں وہی محمول دالی جموں و مرسل روایت اور فتح مکہ میں حضرت عباسؓ کی رہا ساقط کئے

جانے کا واقعہ اور رکانہ کی کشتی کا اور حضرت صدیق کا اہل مکہ سے شرط لگانے کا قصہ نقل کر کے یہ دعویٰ

کیا ہے کہ حربی کا مال مباح ہے، مسلم متان کو صرف ہند سے بچا ضروری ہے، اور جیسے بھی ہو وہ ان

کا مالی سے سکتا ہے، مگر میں بتلا چکا ہوں کہ روایات مذکورہ سے استدلال نہیں ہو سکتا، اور معاہدہ ایتیمان

کے بعد اباحت مال حربی کا دعویٰ محتاج دلیل ہے، اور واقعہ خندق کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ

حضورؐ نے کفار کو غیظ و لانے اور دلیل کرنے کے لئے لاش واپس کرنے سے منع فرمایا، مگر یہ جواب صحیح نہیں

کیونکہ بعض طرق میں اس کی تصریح ہے، کہ آپ نے بلا قیمت لاش ویدینے کا امر فرمایا اس کو حذیم ہوا کہ صرف عقد فاسد سے منع کرنا مقصود تھا، اور موقع خندق کو دار الاسلام کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جنگ کے وقت جس مقام پر کفار کا غلبہ ہو اس کو دار الاسلام میں شمار نہیں کیا جاسکتا، جب تک کفار کا غلبہ دہان سے دور نہ ہو جنگ کے وقت لشکر کفار کی فروگوگا، کو دار الحرب قرار دیا جائے گا جب کہ اون کی طاقت کافی ہو اور نہا ہر ہے کہ خندق کے ایک کنارہ پر کفار کا قبضہ تھا، دوسرے کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور حالت ایسی نازک تھی کہ مسلحوں کے کلچے منہ کو آ رہے تھے، ایسی حالت میں خندق کو دار الاسلام قرار دینا دشوار ہے، پس صحیح جواب یہ ہے کہ خندق اس وقت دار الاسلام نہ تھا، نہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور محمد دار الاسلام میں بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے قائل نہیں۔

قال اذا كان اجل على	مبوط میں ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے
رجل دين الى اجل وهو دين	پر دین ہو جو بیع کی قیمت ہو دینہ قید آتش
عن مبيع خطأ عنه شيئا على	لگائی کہ حضرت زید بن ثابت کا اختلاف
ان يعجل له ما بقى فلا خير فيه	ایسی ضرورت میں ہے اور اگر دین قرض
ولكن يرد ما اخذ والعامل	کی وجہ سے ہو تو اس میں اختلاف نہیں)
كله الى اجله وهو مذنب	پھر بابت اس شرط پر کہ کچھ مقدار دین کی
عبد الله بن عمر رضي الله عنهما	کم کر دے کہ مشتری باقی کو چھدی اور
وكان زید بن ثابت يجهز ذلك	کو دے، تو اس میں کچھ خیر نہیں
في ثمن المبيع دون القرض	(بلکہ ناجائز ہے، اس کو لازم ہے کہ جو
ولسنا نحن بقوله الا ان هذا	کچھ لیا ہے واپس کر دے، اور اپنا پورا

مقابلة الاجل بالدار اھم و  
ومقابلة الاجل بالدار اھم  
ربا الا ترى ان في الدين المال  
لوزاد كافي المال ليوجله لميجز  
فكذلك في المرحل اذا حط  
عنه البعض لميجل له ما بقى  
والذي روى ان النبي صلى  
الله عليه وسلم لما اجلى بنى  
التضيق فقالوا ان لنا ديونا  
على الناس فقال صلى الله عليه  
وسلم ضعوا وتعجلوا فاول ذلك  
ضعوا وتعجلوا من غير شرط  
او كان ذلك قبل نزول حومة  
الربا

(جلد ۱۳ ص ۱۲۶)

مال مدت تمام ہونے پر لے ایسی مذہب  
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ ہے اور  
مذہب بن ثابت رضی اللہ عنہ (نہن سچ)  
میں اس کو جائز کہتے تھے، مگر ہم ان  
کے قول کو نہیں لے سکتے، کیونکہ یہاں  
مدت کا مقابلہ دراہم سے ہے، یعنی  
مدت کے عوض روپیہ کم کیا جا رہا ہے  
اور مدت کا مقابلہ دراہم سے کرنا رہا ہے  
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر دیون دین محض  
کی مقدار اس نے بڑھا دے کہ اس کو  
مدت مل جائے تو یہ جائز نہیں، اسی  
طرح دین بول کی مقدار اس نے کم کر دیا  
کہ دین جلدی وصول ہو جائے یہ بھی جائز  
نہیں، موسکتا، کیونکہ دونوں صورتوں  
میں مدت کے مقابلہ میں مال لیا جا رہا ہے

اور یہ رہا ہے اور وہ جو روایت  
کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو انھوں نے  
کہا کہ ہمارا بہت قرضہ لوگوں کے ذمہ ہے

را دس کے وصول ہونے تک ہم کو ہمت  
دی جائے) تو حضور نے ان سے فرمایا کہ  
قرضہ کم کر کے جلدی وصول کر لو، تو اس  
ارشاد کا (یہ مطلب نہ تھا، کہ جلدی کی  
شرط پر قرضہ کم کر دو، بلکہ) مطلب یہ تھا  
کہ بغیر کسی شرط کے قرضہ کم کر دو، اور  
جلدی وصول کر کے چل دو، یا یہ واقعہ  
حرمتِ ربانیا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوگا،

ہمارے مولانا گیلانی نے سیر کبیر سے بنو نضیر کے اسی واقعہ کو امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ  
تعالیٰ کی دلیل میں بیان کیا تھا، مگر صاحبِ مبسوط نے بتلادیا کہ اس میں ان کے لئے کوئی دلیل نہیں  
اور بعینہ وہی احتمال نکال دیا جو احقر نے بیان کیا ہے،

## القضاء فی الاسلام

اس میں طریقہ شہادت اور افضالِ مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی  
کتابوں سے اخذ کر کے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانونِ پیشہ حضرات  
کے لئے اس کا مطالعہ بھی مفید ہے۔

ضمائم :- ۱۔ ۳ صفحے، قیمت :- ۱۰/-

”مطبوعہ“



# اگتسیا

## شوق دیدار

از حکیم الشعراء سید احمد حسین صاحب مجددی آبادی

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَ كَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ اَرِنِي میدار طلب لایا ہوں اَنظُرُ الْآيَاتِ، الخ

یعنی موسیٰ جب کہہ طور پر آئے اور اپنے خدا گفتگو کی تو اٹھائے گفتگو میں کہا اے میرے مالک جب کاں تیری آواز سنتے ہیں تو آنکھیں

دیکھنے کے لئے پہنچ جاتی ہیں، کبھی تو ان (اعراف ۷)

مخرومی گذشتہ یہ ہم کیوں کرتی قیاس	شاید بدل گئی ہو طبیعت حضور کی
کیا فرض ہو کہ سب کو ملوک سا جواب	آؤ نہ ہم بھی سیر کرین کوہ طور کی
ساتی! ترے در پہ نشہ کام آیا ہو	ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آیا ہے
دل میں سو حسرتیں لئے آیا ہوں	میں دیدہ دیدار طلب لایا ہوں
لے دیکھا، مرا حال ہے ابتر کیسا	پر وہ بندے سے بندہ پر در کیسا
دریا دیکھا، تمام صحرا دیکھا	گلزار جان کا پتہ پتہ دیکھا
دنیا کا ہر ایک ذرہ ذرہ دیکھا	دیکھا نہ تجھی کو جب تو پھر کیا دیکھا
اب کچھ دیکھا ہے اور جب کچھ دیکھا	دنیا میں ترے سوائے سب کچھ دیکھا
ہن دیدے مخروم طلب کار آنکھیں	کیون دی گئیں مجھ کو ایسی بیگانہ آنکھیں

جو تجھ کو نہ دیکھے اس سے تو کرا چھا  
ایسے زندہ سے زندہ درگور اچھا  
ہر ایک سے کیوں نہ موڑ لوں میں نکھین  
جی چاہتا ہے کہ چھوڑ لوں میں نکھین  
جب حد سے گذر گئی شکایت میری  
بے طرح بگڑنے لگی حالت میری  
معلوم ہوا کہ کوئی نزدیک آیا  
چپکے سے کسی نے کان میں فرمایا  
اللہ اللہ ہم سے اتنا شکوہ  
کیا یاد نہیں ہے، آخر موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم  
ایک جلوے میں ایک حشر پرا دیکھا  
تم نے دیکھا کلم نے کیا دیکھا  
اک آن میں ہستی سے گذرتے ہی بنی  
کیون میرے فراق کا تجھے ماتم ہے  
دد ہاتون سے توبہ کرتے ہی بنی  
تو دیکھ کے مجھ کو کی کرے گا امجد  
کیون مجھ کو نہ دیکھنے کا تجھ کو غم ہے  
میں دیکھ رہا ہوں تجھ کو یہ کیا کم ہے

## غزل

از صاحبزادہ شفق قادری ٹانگی

صد نہیں صبر آزمائی کی  
ہائے کیا شام ہے جدائی کی  
بندِ غم سے نہ ہو سکے آزاد  
لاکھ تدبیر کی رہائی کی  
دیکھتا ہوں جہان تم ہی تم ہو  
کوئی حد بھی ہے جلوہ زائی کی  
ذرے ذرے سے مسکراٹھے  
موج آئی جو خود نمائی کی  
آسمان کو زمین بنا ڈالا  
ہم نے جب ہمت آزمائی کی  
خود نفس کھو لے گا دراپنا  
جب گھڑی آے گی رہائی کی

دیکھئے کس طرح بسر ہو شفق

رات اور رات بھی جدائی کی

# بِالنِّظَرِ وَالنِّقَا

## مجمع فواد الاول للغة العربیة

از

مولانا محمد نظم صاحب ندوی استادِ ادب و دارالعلوم ندوہ کھنڈ

(۲)

گذشتہ نمبر میں یہ ظاہر کیا جا چکا کہ اکیڈمی کے مقاصد میں بھی جو کہ وضع الفاظ کے سلسلہ میں عربی زبان کے قواعد کی چھان بین اور اس میں ایسی مناسب ترمیم کی جائے جس سے وضع الفاظ میں سہولت ہو، چنانچہ اس سلسلہ میں اس اکیڈمی کے ارکان نے قواعد لغت پر محققانہ نظر ڈالی اور بعض قواعد صرف میں سبب ترمیمیں کیں، کو ذرا دیکھ کر علامت میں جس مسئلہ میں اختلاف تھا، ان میں کسی ایک گروہ کی رائے کو قانونی حقیقت دیدی، یا کسی ایسے صرفی مسئلہ کو جسے علامت لغت سامعی کہتے آئے ہیں، لیکن اس کو قیاسی بنانے کی ضرورت تھی، تو اکیڈمی نے اس کے متعلق اصول وضع کر دیئے تاکہ وضع الفاظ میں سہولت ہو، مثلاً ایسے مقامات جہاں کوئی چیز کثرت سے ہوتی ہے، ان کے لئے اسماء اعیان سے مفعلہ کے وزن پر اسم مشتق کرتے ہیں، جیسے ذنب سے مذنبہ (ایسا مقام جہاں کثرت سے بھیڑے ہوئے) اسد سے ماسدۃ اور سنج سے مسجنۃ، رخی نے ثانیہ کی شرح میں وزن مفعلہ کی متعدد مثالیں دے کر لکھا ہے، اگر کو اس قسم کی مثالیں کثرت سے کلام عرب میں ملتی ہیں، مگر یہ قیاسی نہیں، یعنی عرب سے جتنی مثالیں سُنی گئی ہیں، ان پر

قیاس کر کے دوسرے الفاظ میں مشتق کئے جاسکتے، منظر الدین شارح مفصل نے مکمل بن مفعلہ کو قیاسی لکھا ہے، اکیڈمی نے بھی عصری ضروریات کے پیش نظر مفعلہ کو قیاسی مان کر یہ قاعدہ متروک کیا ہے، اگر ثلاثی مجرد اسماء اعیان (خواہ وہ جمادات و نباتات ہوں یا حیوانات ہوں) سے اس مقام کے لئے جہان وہ اسماء اعیان کثرت سے پائے جاتے ہیں، مفعلہ کے وزن پر اسم مشتق ہو گا، جیسے نقل سے مقبلہ (سبزی منڈی) اور تجارت سے سبقرۃ (تجارت کی منڈی) وغیرہ،

ثلاثی مجرد افعال کے مصادر مختلف اوزان پر آتے ہیں، اور چند مصادر کے سوا اکثر سماعی ہیں، ان میں بعض اوزان تو کثرت سے مستعمل ہیں، اور بعض بہت کم استعمال میں آتے ہیں، کثیر الاستعمال اوزان بعض نحویہ کے نزدیک قیاسی اور قلیل الاستعمال سماعی ہیں، لیکن بعض نحوی تمام ثلاثی مجرد مصادر کو سماعی کہتے ہیں، اکیڈمی نے سببویہ، جفشن اور ابن مالک وغیرہ کا مسلک اختیار کیا ہے جن کے نزدیک ثلاثی مجرد مصادر کے وہ اوزان جو کثیر الاستعمال ہیں، قیاسی ہیں،

چنانچہ اکیڈمی نے مصدر فعالة (کسر الفار) کو جو کثرت سے کسی پیشہ یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرتا ہے، جیسے تجارت، حدادۃ (لوہاری تجارت) بڑھئی کا پیشہ، قیاسی قرار دیکر یہ قاعدہ وضع کر دیا، اگر ثلاثی مجرد سے خواہ کسی باب سے فعل آتا ہو، پیشہ یا ہنر یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرنے کے لئے فار کے وزن پر صیغہ مشتق کیا جائے گا، اس اصول سے بہت سے ایسے پیشے اور ہنر کے لئے الفاظ وضع کرنا آسان ہو گیا، جن کے لئے عربی میں الفاظ نہیں ملتے، جیسے شاع سے شاعر، کیمبر سے تصویر کشی کے فن کے لئے جس میں شاع آفتاب کو دخل ہے، آجروں اور مل کے مالکوں کے درمیان دلالی کے لئے وسط کا لفظ، اور سونے کی تلخ کاری کے لئے ولامتہ کا لفظ وضع کیا ہے، اسی طرح صحافۃ اور طبائعہ وغیرہ الفاظ کا استعمال جدید معنی میں صحیح ہو گا،

اکیڈمی نے یہ ضابطہ بھی بنایا ہے، کہ فعل لازم (یعنی کے فخر کے ساتھ) سے مصدر فعلان (فاد) و دونوں کو زبر کے وزن پر مشتق کیا جائے گا، بشرطیکہ اس فعل لازم کے معنی میں حرکت و اضطراب

بھی پایا جائے، اس اصول سے بہت سے ایسے کلمات کا وضع کرنا آسان ہو گیا جن کی جدید نمون میں ضرورت ہوتی ہے، جیسے بجلی کی لہروں کی مسلسل حرکت کو موجان کہا جائے گا، خوف یا مرض کی بنا پر آنکھوں کے بار بار جھپکنے کو طرفان کہا جائے گا،

اکیڈمی نے عربی کے بہت سے قدیم اصول میں مناسب ترمیم کی ہیں جن سے عربی زبان وقت کے جدید تقاضوں کے پورا کرنے کے لائق ہو جائے گی اور اس کے بنیادی امتیازات بھی باقی رہیں گے، کیونکہ یہ تمام قواعد قدیم اصول اور فصحاے عرب کے استعمالات کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے گئے ہیں، کہیں بھی روح عربیت کے خلاف کوئی قاعدہ نہیں وضع کیا گیا ہے،

فصحاے عرب نے اسماء اعیان سے بہت سے الفاظ مشتق کئے ہیں، اور لغت کی کتابوں میں اس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، مگر ائمہ لغت نے اعیان سے اشتقاق کو ناجائز سمجھا ہے، اور اشتقاق کو محض معاد اور افعال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اس وقت فنی اصطلاحات وضع کرنے میں اسماء اعیان سے مشتق الفاظ کی بڑی ضرورت ہے، اسی بنا پر اکیڈمی نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ علوم (سائنس) میں ادب (آرٹ) میں نہیں، وقت ضرورت اسماء اعیان سے الفاظ مشتق کئے جائیں،

قدیم عرب نے ذہب (سونا) سے مذہب (سونے کا طع کیا ہوا) فقہ سے مفضن کبریت (گندھکا) سے مکبرت اور مذوق (پارہ) سے مزوق مشتق کیا ہے، اس جدید اصول کے بعد اب نحاس (تانبا) سے نحس (ندخ ہڑتال) سے مزخج اور بلور سے مبلد مشتق کرنا صحیح ہے، کیونکہ طب، کیمیا (کمیٹری) طبیعیات اور دوسرے مختلف صنعتوں میں اسماء اعیان سے اشتقاق کی ضرورت پیش آتی ہے،

اب برہیقی (وارنش) سے برہقہ وارنش کرنا، مبرق وارنش کیا ہوا، مشتق کرنا صحیح ہو گا، بہت سے افعال کے معاد اور اسماء مشتق کے افعال کی تفصیل لغت کی کتابوں میں موجود نہیں اس متعلق اکیڈمی نے چند اصول وضع کئے ہیں، بہت سے مفرد کی جمع کتب لغت میں موجود نہیں ہے، نیز

مجموع تفسیر موضوع پر سیر حاصل بحثیں اور مفید مضامین ہیں،

مذکورہ بالا شانوں کے علاوہ اور متعدد نئے اصول و قواعد وضع کئے گئے ہیں جن سے نئی اصطلاحات

میں مدد ملتی ہے، لیکن ان کی تفصیل سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی،

احادیث کے الفاظ سے لغوی استدلال کے بارے میں علماء عربیت کی رائے میں مختلف رہی ہیں، بہت

زیادہ تھا تا علماء لغت نے حدیث سے لغوی استدلال کرنے میں صرف اس بنا پر احتیاط کی ہے، کہ حدیث

کی روایت بالمعنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے راویوں میں بڑی تعداد اہل عجم کی ہے جن کی عربی مستند نہیں مگر

دوسرا گروہ جو احادیث کی مسانی قدر سے واقف ہے، اور اسے تدوین احادیث کی تاریخ معلوم ہے، اس نے

خالص لغوی حیثیت سے بھی احادیث نبوی کو مستند اور ان سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے،

احادیث کی تدوین خود عبد بنوی ہی سے ہونے لگی تھی، متعدد صحابہ کرام نے احادیث کے مجموعے مرتب

کئے تھے، ظاہر ہے کہ عبد بنوی اور عہد صحابہ میں عربی زبان کے خود حال میں کوئی تیز نہیں ہوا تھا، زبان کا

قوام خالص عربی تھا اس میں بحیثیت کی کوئی آمیزش نہیں ہوئی تھی، حدیث کی تاریخ تدوین کے متعلق شیخ خضر حسین

لکھا مضمون اچھا خاصہ ہے، اگر اردو میں اس سے بہتر مضامین اس موضوع پر لکھے جاسکے ہیں،

اکیڈمی نے مندرجہ ذیل قسم کی احادیث سے استدلال لغوی کو صحیح قرار دیا ہے،

(۱) متواتر و مشہور حدیث،

(۲) عبادات میں استعمال ہونے والے الفاظ احادیث،

(۳) وہ احادیث جو جامع الکلم (مختصر حکیمانہ جملے) شمار ہوتی ہیں،

(۴) خطوط نبوی،

(۵) ایسی حدیثیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم سے اس کی زبان

میں گفتگو فرماتے تھے،

۶۔ ایسی احادیث جن کے راویوں کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ روایت بالمعنی کے قائل نہیں تھے جیسے قاسم بن محمد، جابر بن جؤہ اور ابن سیرین وغیرہ،

۷۔ ایسی احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہونے کے باوجود سب روایتوں کے لفظ یکساں ہوں،  
اس صدی کے آغاز میں علمائے لغت نے رسائل و اخبارات اور جدید مطبوعات کی لسانی بتوں پر سخت اعتراضات شروع کر دیئے تھے، خصوصاً فعل لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے اور صلاات افعال کے استعمال پر بڑی تنقیدیں کیں، چنانچہ لغت کی کتابوں میں جو صلے مذکور ہیں، جہاں اس کے خلاف کوئی صدد و کلفے، ذرا اس کی تنفیذ کرتے، حالانکہ اذروے بلاغت دوسرے افعال کے صلاات تفہیم کی غرض سے استعمال ہوتے ہیں، چنانچہ اساس البلاغت کی طباعت کے بعد سب سے وہ استعمالات جو پہلے غلط سمجھے جاتے تھے صحیح ثابت ہوئے، اصل میں موجودہ کتب لغت تمام استعمالات عرب اور اہل عربی انفاظ پر محیطا نہیں ہیں، ان سے اصول بلاغت کے محاط سے استعمالات عرب کی جانب پوری رہنمائی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہو کہ لغت کے مصنفین کے نزدیک علم بلاغت اور علم نثر نے ان کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے،  
ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد کے استعمالات کی اہل علم نے پوری تردید کی ہے، اور کلام عرب کی سند سے مصنف کے ادہام کی قلعی کھولی ہے،

صلاات جردت جہاں علمائے کوفہ کے نزدیک ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں، یعنی ایک حرف ج مثلاً فی ظرفیت کے لئے ہے، کبھی علی کے معنی میں آتا ہے، مگر اس کی جتنی مثالیں کلام عرب میں ہیں، کوئی بخیر کے نزدیک وہ سب سماعی ہیں، اور ان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا،

بصری علمائے نثر کے نزدیک ف ج کے اپنے خاص معنی ہیں، ایک حرف دوسرے کی جگہ پر استعمال نہیں ہو سکتا، جہاں اس کے خلاف کوئی مثال ہے، وہاں بھی درحقیقت حرف ج اپنے معنی ہی میں استعمال ہوا ہے، اگر وہ صلد دوسرے فعل کا ہے، اور فعل مذکور میں دوسرے فعل کے معنی کو شریک (تفہیم) کیا گیا ہو،

اس کی شائین کثرت سے فصیح کلام میں ملتی ہیں، اس لئے بہت سے علما و نحو کے نزدیک تفسیر قیاسی ہے، تفسیر کی متعدد صورتیں ہیں، کبھی فعل متعدی کے مخصوص صلد (حرف جار) کے بجائے دوسرے فعل متعدی کا صلد استعمال ہوتا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے فعل متعدی کے معنی فعل مذکور میں شامل کئے گئے ہیں، کبھی فعل متعدی بحرث جار کو با حرف جار استعمال کر کے (بجاء راست) مفعول لائے ہیں،

”رشت“ استعمال عرب میں کبھی ب حرف جار سے متعدی ہوتا ہے، مثلاً رشت با لمرأة اور کبھی مع کے ساتھ، قرآن میں الی کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، کوئی علما کے نزدیک یہ الی بار کے معنی میں ہوگا، مگر دوسرا کہہ سکتا ہے، کہ رشت کے معنی میں انصار کی تفسیر ہوئی ہے جس کا صلد الی آتا ہے، اس تفسیر کے سبب رشت کی صراحت میں انصار کے کنایہ سے ایک خاص بلاغت پیدا ہو گئی، اسی طرح لا تا کلا اموالہم الی اموالکم میں الی سے نعم کی تفسیر کی گئی، یعنی لا تفضھا اکلین، زبان و ان حضرات جانتے ہیں کہ تفسیر کی صورت میں جو معنی ذہن نشین ہوتے ہیں وہ الی المعنی مع کی شکل میں نہیں ہوتے،

(سیف) لازم ہے لیکن قرآن کریم نے سیفہ نفع میں متعدی استعمال کیا ہے، یہ متعدی اھلک کی تفسیر کی بنا پر پیدا ہوئی ہے،

کلام عرب میں تفسیر کی اتنی کثرت سے شائین ہیں کہ ان کو سماعی کہنا صحیح نہیں اور قیاسی کہنا ناگزیر ہے، البتہ صلات کے استعمالی اور لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے کے لئے بہت سی شرطیں ہیں، سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو، اس کا خراج شناس ہو، چنانچہ اکیڈمی نے تفسیر پر پوری بحث و تحقیق کے بعد یہ قراءہ منظور کی ہے،

(۱) اکیڈمی کے نزدیک تفسیر سماعی نہیں بلکہ قیاسی ہے بشرطیکہ دونوں فعل میں سناست ہو، دوسرے



نفل کے ٹھٹھا ہونے پر کوئی قریب ہوا اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، تفسیر ذوقِ عرب کے ہم آہنگ ہو،  
۲۔ اکیڈمی کا مشورہ ہے کہ صرف بلخ اسلوب میں تفسیر کی جائے، ورنہ اس سے احتراز دلی ہے  
تفسیر پر شیخ حسین والی (المتوفی ۱۹۳۶ء) کا ایک مفصل مقالہ ہے جس کا مطالعہ اہل ادب کے لئے بہت  
مفید ہے،

اکیڈمی کے پروگرام میں متعدد قسموں کے لغات کی ترتیب و تدوین ہے،  
مجمع الاصطلاحات پر مشہور مستشرق پروفیسر فیشر عرصہ سے کام لے رہے تھے، اکیڈمی نے ان کے  
جمع کردہ مواد کو اپنا لیا ہے، اور پروفیسر موصوف سے درخواست کی کہ وہ اس لغت کی تدوین میں  
دوسرے رفقاء کے ساتھ تعاون کریں، پروفیسر فیشر کے ساتھ دو اور مستشرق پروفیسر مانیسوک (فرانس)  
اور مینو (اطلی) کو بھی شریک کیا گیا تھا،

ذیل تبصرہ رسائل اور ردودِ ادین ۱۵۳۷ء تک کی بین المسلمین، ایامِ جنگ میں کتنا کام ہوا  
اور اب لغت کی تدوین کا کام کس منزل میں ہے، اہل علم کو عرصہ سے اس کا انتظار ہے،  
ان مستشرقین کا ذوق علمی قابلِ داد ہے، وہ اپنی زبان میں ایسے خشک موضوع پر اس  
انہماک سے کام کرتے ہیں، کہ خود اہل زبان ان کے تجربے سے استفادہ کرتے ہیں، لغت کی تدوین میں کئی  
مستشرقین علماء عرب کے ساتھ برابر کے شریک ہیں لیکن افسوس کہ کسی ہندوستانی عالم لغت کا  
نام اس میں نہیں نظر آتا، پروفیسر عبدالعزیز صاحب یمنی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی صیقلی  
کا نام نہ ہونا حیرت انگیز ہے،

اکیڈمی کی ردودِ ادین اس حیثیت سے نہایت مفید ہیں، کہ ان میں ارکانِ اکیڈمی کے قلم سے متعدد  
بلند پایہ مضامین اور لغوی ادبی بحثیں اور رسالہ میں اکثر ارکان کے محققانہ ادبی مقالات ہیں، شیخ عبدلغاد  
مغربی کا مقالہ ”تغریب الاسالیب“ جسے اسکندر معلوف کا ”الجزء العربیۃ العامیۃ“ اور احمد کب عوامری کا

”بحرث و تحقیقات لغویہ“ خصوصیت کے ساتھ نہایت فاضلانہ مضامین ہیں،

الاب الفلاس ماری کر بل کی لغوی تحقیقات بھی قابل مطالعہ ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے مفید

مضامین و مقالات ہیں، ڈاکٹر احمد علی بک کا ”العاب الصبیان عند العرب“ بہت دلچسپ ہے، ادبی

اور لغوی نقطہ نگاہ سے عبد اللہ امین کا ”بحرث فی الطرائق الکی سلکھا العرب عند اشتقاقہ من اسماء الاعیان“

بہت خوب ہے،

استاد دکر علی کا مضمون ”انفال للاستعمال“ قابل مطالعہ ہے، اس مضمون میں ابن القوطیہ کی کتاب

الانفال سے اکثر مثالیں دی گئی ہیں، یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے، کراچی کا یہ مشورہ صحیح ہے، کہ

عربی زبان کے دور انحطاط سے اس وقت تک بہت انفال متروک ہو گئے ہیں، حالانکہ ان انفال، اور

ان کے مشتقات سے بہت سی عصری ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، اس لئے انھیں پھر رائج کرنے کی

ضرورت ہے،

بندلی جزمی پروفیسر باکو (کاکیشیا) یونیورسٹی کا مضمون ”بعض اصطلاحات یونانیہ فی اللغۃ العربیہ“

قابل مطالعہ ہے، پروفیسر موصوف کے نزدیک عربی زبان میں یونانی الفاظ کی تعداد تقریباً سات سو

عربی زبان میں ان کا داخلہ بہت قدیم ہے، اسکندر مقدونی کے زمانہ میں یونانی الفاظ عربی زبان میں

آئے لگے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسکندر مقدونی کی فتوحات سے قبل بعض عرب قبائل، عراق، شام

فلسطین اور مصر میں آباد تھے، جب ان ممالک کو اسکندر مقدونی نے فتح کیا، تو طبعی طور پر فاتح کی زبان

کے بہت سے الفاظ مفتوح قوموں کی زبان میں داخل ہو گئے، مگر اس دور میں بہت تھوڑے یونانی الفاظ

عربوں نے قبول کئے، کیونکہ عربوں کی سادہ اور بدویانہ زندگی میں لوازم تمدن کی ضرورت نہ تھی، لیکن

دوسرے دور میں جب رومیوں نے مسیح قبل مسیح میں مصر کو اور مسیح قبل مسیح میں شام و فلسطین کو فتح

کیا تو عربی زبان میں یونانی الفاظ خلاف توقع بہت زیادہ داخل ہو گئے، حالانکہ رومی اقتدار کے بعد

یونانی الفاظ کا داخلہ حیرت انگیز ہے، اس کی توجیہ پر دفیصر موصوف نے یہ کی ہے، کہ مفتوح و مغلوب یونانی، رومیوں سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ اور فاتح رومی اپنی مفتوح قوم کے فلسفہ اور علوم کے دست نگہ تھے، اسی لئے یونانی فلسفہ اور یونانی علوم کی تعلیم خود روم میں ہونے لگی، اور رومی یونانی زبان میں تصنیف و تالیف کرنے لگے، اسی لئے عربی میں بھی لاطینی کے بجائے یونانی الفاظ زیادہ داخل ہوئے،

سب سے زیادہ یونانی الفاظ عہد عباسی میں جب کہ یونانی فلسفہ اور طب کا عربی میں ترجمہ ہوا عربی میں داخل ہوئے، مترجمین زیادہ تر سریانی اور کچھ قبطی اور یہود تھے، جو عربی زبان پر پوری قدرت نہیں رکھتے تھے، اور یونانی اصطلاحات عربی میں ترجمہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے یونانی اصطلاحات بجاۓ عربی میں داخل ہو گئیں، پر دفیصر موصوف نے اپنے مضمون میں تقریباً سوا سو عربی الفاظ کی اصل یونانی لکھی ہے، بہت سے الفاظ کو یونانی اصل ثابت کرنا مشکل ہے، اور بعض معمولی صوفی مناسبت کی بنا پر ان کو یونانی کہنا زیادتی ہے۔

Kalam - ۰۵

مثلاً قلم

Flauser - ۰۱۲

قفل

Apokamis - ۰۱۲

قیص

Kharak - ۵۱

کرخ

Kharlee -

قرطاس

Kanalei - ۰۱

قارب

Koryophil - ۰۱

قرنفل

غالباً قرنفل کی اصل سنسکرت بن کر نکلا ہے، کیونکہ عرب تاجروں کے ذریعہ سے مسالہ اور عطر

وغیرہ اپنے ملک میں بیچتے تھے۔

دوماد اور رسالہ کی آٹھ جلدوں کا تقریباً تین چوتھائی حصہ علوم و فنون سے متعلق الفاظ اور اصطلاحات

پر مشتمل ہے، ان جلدوں میں جو الفاظ اکیڈمی نے وضع کئے ہیں، ان کو ایک مجموعہ (مجموعۃ المصطلحات العلمية والنفیة) اتی انتر بالانج (کی شکل میں شائع کیا ہے۔

اس مجموعہ میں علم الاحیاء، طب و نشریح (سرجری)، ریاضی، بجلی (الیکٹرک)، مقناطیس طبیعیات (سائنس)، نقاشی، مصوری، طباعت، تاریخ، فلسفہ، علم الحرارة، اور موسیقی سے متعلق ہزاروں الفاظ ہیں۔  
یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں علاوہ عام مطالعہ کے گورن کے ایک بڑا مال ہوتا ہے جس میں تحقیق کرنے والے طلبہ اور ماہرین فن اساتذہ ملکر مطالعہ کرتے ہیں، اس بڑے مال میں اس فن سے متعلق تحقیقات و مراجعت کی کتابیں ہوتی ہیں مطالعہ کرنے والے طلبہ اساتذہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ایسے دارالمطالعوں کے لئے ایک قدیم لفظ مدراس وضع کیا ہے، یہ لفظ کتب لغت میں موجود ہے، یہودیوں کے کتب کو مدراس کہتے تھے، الحدیث المدراسی (الموضع الذی یدرس فیہ والحدیث المدراسی) البیت الذی یدرس فیہ القرآن و کذا لک مدراس الیہود، البیت الذی یدرسون فیہ (لسان العرب ما وہ مدراس) مدراس کے بجائے مدراس اس نے اختیار کیا کہ مدراس کی جمع مدراس آئے گی، اگر مدراس کی مدراس آئے گی، اس سے مدراس کی جمع مدراس سے انتہا سنہین ہوگا، اس طرح کے چند الفاظ ذیل میں لکھے جاتے ہیں،

الذیاء	بہت سے بیہوش کا مجموعہ (جھاڑ)	السمع	ریڈیو،
البخنة	ناچس کی سلاخی، (ٹیل)	المدیاع	ریڈیو،
الوصلۃ	بجلی کے منفی و مثبت تاروں کو جوڑنے والا،	الجھار	لاؤڈ اسپیکر
المجبة	موٹر کا ہینڈل	الجھاز	ٹرام،
المطللة	دھوپ سے بچانے والی چھتری	المسخی والمحم	حمام میں گرم پانی کا حوض
المطرحة	برساتی، بھگنے سے بچانے والا کپڑا،	النقاطۃ	گیس کا بڑا ہینڈل،
		الکوکبة	باب

المصطفیٰ پیرا شٹ، ہوائی جہاز سے اتر دانی

المزکۃ گاڑی کا بریک

چھتری

العواقب برک، روکنے والا آلہ

ایضاً اور چائے یا تمو کی چھلنی

طامة الانشاء سنگل گھرا سٹیشن کا کین

المذکرة نوٹ بک

المطوح سنگل دینے والا آدمی

الاضامة کتابوں کا پتہ رو، خاکوں کا مجموعہ

التذکری ٹکٹ بابو، ٹکٹ بیچنے والا کلرک

الضامہ فائل بک

التقائب ٹکٹ چک کرنے والا کرو

الماصر جنگلی کی چوکی

المبتاق سب سے زیادہ تیز چلنے والی ریل گاڑی

اللغات (واحد لغت) سگریٹ

گو یا طوفان میل

النفاضة سگریٹ کی جلی ہوئی، اکھ، نگل

الجمہور الزخرف اکبرس گاڑی

مہترض سگریٹ کے نگل رکھنے کی ڈبیا بگ

الوقاات پیسنگ گاڑی

ارتکاس ردعمل Reaction

نظار البضاعة مال گاڑی

المهروق دستی پرین استعمال ہونے والا

المیدع ڈاکٹرون یا زرسون کا وہ لباس جو

روغنی کاغذ (Stencil) ڈون

ہپٹا لون میں کام کے وقت پہنا جاتا جوتیر

نقل رکھنے کیلئے کثرت سے استعمال ہونے والا بلو کاغذ

خافسون کا خاص لباس (یونیفارم)

الآتوت انجن کا آتش دانی

المبدلة قديم استعمال میں آما یا نوکر کے کام کے وقت

الوقاد کوئلہ جھونکنے والا (فارمین)

والمبدلة کا لباس اب اس کو گھوڑے اندھ کے وقت

المحالة پھیا

عمدوں کے سمیٹے لباس پر مدھکوت کرنا

الجزع پھیا کا محور جس میں پھیا گردش کرتا ہے

خاص لباس (یونیفارم) پھیا

اسید جو کہ ہندوستان کے اہل علم انڈیپی کے تمام مطبوعات متنفذ ہو گئے اور عربی زبان کی تعلیم پر بھی کام کیا

## مطبوعات خدیوہ

تشریحاتِ پاکستان مرتبہ جناب مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت

۲۶۶ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۰ عثمانیہ ہے، کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی

عابد رور، حیدرآباد دکن

اس سے قطع نظر کہ پاکستان کا تخیل اور اس کا مطالبہ صحیح ہے، یا غلط اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کابلہ ہندوستان کی سیاست کا اہم مسئلہ بن گیا ہے، اور اس کے مناسب حل اور اس کے اصلی مقصد و منشا کے حصول ہی پر ہندوستان کی حقیقی آزادی اور اس کے امن و سکون کا انحصار ہے، اس موضوع پر انگریزی میں کافی کتابیں ہیں، لیکن اردو میں مواد کی بڑی کمی ہے، اس کتاب میں لائق مرتب نے پاکستان کے متعلق ضروری معلومات اور اعتراضات و جوابات سلیقہ سے جمع کر دیے ہیں، اور ششدر سے لے کر شملہ کا فرنس سٹوڈنٹس لیگ، ہندوستان کی مختصر سیاسی سرگزشت بیان کر کے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے، اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد ۱۹۴۶ء کے سر اقبال کے خطبہ صدارت کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں پاکستان کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اور اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد پاکستان کی تائید میں بعض یورپین اور ہندوؤں کے بیانات نقل کئے گئے ہیں، اور اس کی تشریح میں مؤلف نے خود اپنے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو نمیاے اسلام کے مشہور مفکر امیر شکیب ارسلان اور محبت اللہ انجیل مصری کے مضامین اور ان کی رائیں نقل کی ہیں، اور پاکستان کی مخالفت میں جو سیاسی و اقتصادی مشکلات بیان کی جاتی ہیں، اعداد و شمار سے ان کا جواب دیا گیا ہے، کتاب کے آخر میں

مسلمانوں کے مرتب کردہ پاکستان کے مختلف نقشوں اور ہندوؤں کے فارمولوں کو دیکھا گیا ہے، اس طرح اس کتاب میں پاکستان کے متعلق بہت سے ضروری معلومات آگئے ہیں، مولانا ابوالاعلیٰ کے مضمون کا تعلق مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان سے نہیں، بلکہ جماعت اسلامی کے حکومت الیہ کے تصور سے ہے، اسی طریقہ پر ایبٹیکب اور سلاک کے مضمون کا مقصد ہندوستان میں ایک مستقل اور جدا گانہ قوم کی حیثیت مسلمانوں کے کچھ کا تحفظ ہے، گو ان دونوں مضامین کی بعض جہتیں پاکستان سے مل جاتی ہیں۔

دہنماے قرآن، از ذوب سرفناخت جنگ مترجمہ ڈاکٹر میر ولی اللہ استاد جامعہ عثمانیہ قیلق چھوٹی ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ اکتبت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، پتہ ادارہ اشاعت اسلام کٹھ حین ساگر حیدر آباد دکن،

ذاب سرفناخت جنگ حیدر آباد کے صاحب علم امراء میں، دینیات اور کلام مجید پر بھی ان کی نظر ہے، اور دین و ملت کا بھی وہ در در کھتے ہیں، انگریزی کے ... نامور ادیب ہیں، انھوں نے انگریزی میں ایک کتاب ”*An Approach to Study of the Quran*“ لکھی تھی، دہنماے قرآن اسی کا ترجمہ ہے، اس میں مصنف نے قرآن مجید سے اسلامی عقائد و فاضل اخلاق اور اس کی دوسری تعلیمات کو مغربی انداز فکر میں پیش کیا ہے، خالص اسلامی نقطہ نظر سے مصنف کے بعض تصورات اور ان کی تشریحات محل نظر ہیں، اور ان کا طریقہ تعبیر مناسب نہیں ہے، لیکن انھوں نے یہ کتاب مغربی اقامت خصوصاً انگریزوں کے لئے لکھی ہے، جن کا نقطہ نظر اور انداز فکر نہایت بارہ میں مسئلہ سے مختلف ہے، اور ٹھیکہ اسلامی تصور اور طریقہ تعبیر کو ان کا ذوق قبول نہیں کر سکتا، اس لئے مصنف نے ”کلم اناس علی قدر عقولہم“ کے مطابق ان کے ذوق کا خاص لحاظ رکھا ہے، اور اس پہلو سے یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے بھی مفید ہے، مصنف کا حسن نیت اور ان کا دینی جذبہ لائق قدر ہے اس کا اجر ان کو بہر حال ملے گا، لائق مترجم نے بھی مقدمہ میں تصنیف کے اس پہلو کی جانب اشارہ

کر دیا ہے، اصل کتاب بہت افشا پر وازانہ ہے، بلکہ اس کی خاص خوبی افشا پر وازی ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے زور بیان اور اس کی لطافتوں کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

نثر ریاض خیر آبادی، مرتبہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری، تقطیع اوسطاً ضخامت ۵۱ صفحے،

کافہ، کتابت، و طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۱۰ روپے، عثمانیہ، پتہ :- نفیس اکیڈمی

روڈ، حیدر آباد دکن،

حضرت ریاض مرحوم خیر آبادی نہ صرف ایک استاد فن شاعر بلکہ اپنے دور کے سنگتہ نگار ادیب بھی تھے، ادھون نے مختلف اوقات میں متعدد اخبارات و رسائل اور شعرو سخن کے گلہ سے بکھلے جو اس زمانہ میں بہت مقبول ہوئے، اور بڑے بڑے اہل نظر ان کے قدردان تھے، لیکن ان کی شاعری کی شہرت نے ان کی نثر نگاری کے پہلو کو دبایا تھا، ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کی شاعری کا دور پیری تک قائم رہا، لیکن نثر کی رنگینی عمر کے اعطاط کے ساتھ ساتھ بھیک پڑ گئی تھی، اس لئے نئی نسل ان کے کمال کے اس پہلو سے بہت کم واقف ہے، ان کے نواسہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری نے اس کتاب میں ان کی نثر کے فحشہ نمونوں اور اہل مضامین و مباحث شعری نکات، ریاض کی زندگی سے متعلق خود ان کے تحریر کردہ واقعات اور لطائف و ظرائف، اس زمانہ کے سیاسی و معاشرتی مسائل کے متعلق ان کے تبصرے، مکاتیب اور مختلف آئینہ دکھاتے وغیرہ کا ایک خوش رنگ گلہ ستہ سجاد دیا ہے، مصنف کی فطری شوخی و ظرافت ان تمام مضامین میں نمایاں بلکہ وہی ان کی روح ہے، یہ تحریریں آج سے نصف صدی سے لے کر چوتھائی صدی پیشتر کی ہیں، اب زمانہ کا مذاق بہت بدلی گیا ہے، اس لئے بعض تحریریں شاید موجودہ مذاق سے مختلف نظر آئیں، اور طبائع پر گراں گذریں، لیکن یہ ان کا نقص نہیں، بلکہ زبان و ادب کی ترقی اور مذاق کے تغیر کا فطری نتیجہ ہے، ان تحریروں سے اس زمانہ کے بہت سے دلچسپ واقعات کی جنمیں اب دماغ بھول چکا ہے، یا تازہ ہو جاتی ہے، لائق مرتب نے اس مجموعہ کو مرتب کر کے اردو ادب و افشا کی ایک سنگتہ



کڑی کو معذکر دیا، امید ہے کہ یہ مجموعہ عام اصحابِ وقت خصوصاً حضرت ریاض کے قدر دانوں میں مقبول ہوگا،

آثار اقبال، مرتبہ جناب غلام دستگیر رشید صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ہفتامت ۳۲۰ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے، کھدار، للہ غمانیہ، پتہ: ادارہ اشاعت

اردو حیدرآباد دکن،

مؤلف کو اقبالیات سے خاص دلچسپی ہے، اور اس موضوع پر اُن کے قلم سے مضامین بلکہ مستقل

کتاب نکل چکی ہے، اب انھوں نے سر اقبال مرحوم کے ذاتی حالات اور ان کے کلام و تعلیمات کے متعلق

بہت سے اصحابِ قلم کے شائع شدہ مضامین کو آثار اقبال کے نام سے جمع کر دیا ہے، بعض مضمون نگاروں

کے نام یہ ہیں، نواب بہادر یار جنگ مرحوم، ڈاکٹر خلیفہ عبد حکیم، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا اسلم جبر چوہی،

پروفیسر محمد حبیب، پروفیسر عبدالقادر سردی، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر تیر و لی الدین

اور پروفیسر خواجہ عبد حکیم وغیرہ، خیال آتا ہے کہ بیشتر مضامین جامعہ ملیہ کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر

سے جو جو سر اقبال کے نام سے نکلا تھا، منقول ہیں، اس مجموعہ میں اقبال کے ذاتی حالات اور ان کی

شاعری سے متعلق بہت سے مفید معلومات یکجا مل جاتے ہیں،

اسلام اور مشاہیر عالم، مؤلفہ جناب مولوی حبیب اللہ بن فقیہ صاحب تقطیع اوسط،

صفحات ۱۱۶، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ: مصنف محلہ دھول

بیٹہ حیدرآباد دکن،

ایک مدت تک غیر مسلم توہین خصوصاً اہل مغرب کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر تعصب کی بنا پر

اسلام کے متعلق غلط رائے رکھتے تھے، لیکن جب اُن کی آنکھوں سے حقائق و تعصب کا پردہ ہٹا، تو

انھیں اسلام کی صداقت و حقانیت اس کے محاسن اور دنیا میں اس کی برکتوں کا اعتراف کرنا پڑا،

لائق مؤلف نے اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کی ذاتِ مبارک کا ہم مجید اور اسلام کے متعلق

دنیا کی مختلف قوموں اور مذہبوں کے فضلاء اور مشاہیر کی رائیں اور ان کے اعتراضات کو جمع کر دیا۔ خدا کا دین برحق انسانوں کی تحسین و تنقیص سے بے نیاز ہے، ان کی تحسین و آفرین سے نہ اس کی حقیقی عظمت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، اور نہ ان کی تنقیص سے اس میں کوئی کمی آتی ہے، اس لئے اسلام کے متعلق ان رایوں کی کوئی وقعت نہیں لیکن الفضل و اشددت بہ اذاعدا کے اصول پر البتہ ان کی کچھ قیمت ہو سکتی ہے۔ یا جن لوگوں کو دوسروں کے اعتراضات ہی سے تسکین ہوتی ہے، اس کتاب میں ان کی تشفی کا پورا سامان موجود ہے، فاضل مولف کا جذبہ خدمت دین بہر حال لائق ستائش ہے،

**تحلیل نفسی اور تعبیر خواب** از جناب عبدالحی حیل صاحب، علوی ایم اے صدر شعبہ نفسیات

ٹریننگ کالج کابل، تقیص اوسط صفحات ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ۸

پتہ :- اشٹراچی کوشنل سہلائی کینی، عابد روڈ حیدر آباد کوئٹہ

مکتبہ فرائضیات کی شاخ تحلیل نفسی کا بڑا عالم تھا، اس کے نظریہ کے مطابق انسان کے بشیر و جذبات و عواطف کا سرچشمہ خواہش جنسی کی طلب و تمیل ہے، خواب کو بھی اس نے اسی کا نتیجہ قرار دیا ہے، مصنف نے اس نظریہ کو اس کتاب میں نفسی کے ساتھ بیان کیا ہے، راقم اخراجات نفسیات سے بالکل ناواقف ہے، اس لئے غنی حیات سے اس کتاب کے متعلق کوئی رائے نہیں دیکتا، لیکن خواب کے متعلق اس نظریہ اور مشرقی بلکہ اسلامی نظریہ میں بڑا فرق ہے، اسلامی نقطہ نظر سے خواب دیکھنے والے کے حالات اس کی نفسی کیفیت اور خواب کی نوعیت کے اعتبار سے خواب اور اس کے اسباب اچھے اور بُرے، مادی اور روحانی دونوں طرح کے ہوتے ہیں، جو خواب مادی اسباب کا نتیجہ ہوں، انہیں اضواءِ ظلام کہ جاتا ہے، لیکن روایات صحیحہ کی حیثیت ایک گونہ روحانی کشف کی ہوتی ہے، لیکن فرائضیات کا آئنا غلبہ تھا کہ اسے ہر چیز میں اسی کا کرشمہ نظر آتا تھا، تاہم جن لوگوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہو انہیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے،

جلد ۵ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء عدد ۴  
مضامین

شذرات، سید سلیمان ندوی ۲۴۲-۲۴۴

مقالات

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ۲۵۶-۲۵۵  
صدر شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی،

اسلامی نظریہ سیاست، جناب مولانا حمید زمان صدیقی فاضل دیوبند، ۲۵۵، ۲۵۶

کتب خانہ اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ آل انڈیا مسلم جناب عبدالحمید خان صاحب ریڈر  
ایجوکیشنل کونفرنس کے چند نادرا لوجود مخطوطات شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۲۹۹-۲۹۸

دو نور بزق، ڈاکٹر میر ولی الدین استاد جامعہ عثمانیہ

دیوان عاشق و ہلوی، نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن ۳۰۴-۳۰۳

خان شہر وانی،

استفسار و جواب

متفرق سوالات، "س" ۳۰۹-۳۰۵

تخلیق عالم کا مقصد، " ۳۱۲-۳۰۹

حکومت الہیہ اور مسلمانوں کا مطمح نظر، " ۳۱۴، ۳۱۳

مطبوعات جدیدہ، "م" ۳۲۰، ۳۱۵

## شکست

خاکسار تین ماہ کے بعد دارالاضیفین کے کاموں کی دیکھ بھال اور معائنہ کے لئے حسبِ تجویز سابق آیا ہوا ہے اور ایک ہفتہ کے قیام کے بعد بھوپال واپس جائے گا، مجھے اس کے اظہارِ مینِ خوشی ہے کہ بحمد اللہ توقع کے مطابق دارالاضیفین کے علمی اور انتظامی کاروبار بدستور سابق چل رہے ہیں، اس لئے رفعا مطالعہ و تحقیق کے کاموں میں مصروف ہیں، اور مراسلت و مکاتبت سے وہ اس حقیر سے اپنے لئے مشورے حاصل کرتے رہتے ہیں،

————— ❦ —————

تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کی اکثر جلدیں تیار ہو چکی ہیں، اگر کاغذ اور سامانِ طباعت کی کمیابی اور پریس میں کاموں کے جرم کے سبب ان کے چھپنے میں اندیشہ ہے کہ کافی انتظار کرنا پڑے گا، دوسرے شہروں اور پریسوں میں بڑی بڑی کتابوں کے چھپنے اور اصلاح سنگی تصویح کا انتظام بھی ممکن نہیں، اس لئے دوسری جگہوں پر بھی چھپنے کا انتظام ناممکن نظر آتا، انہی مشینوں کی نایابی کے سبب پریس میں بھی اب تک زیرِ تجویز اضافہ نہ ہو سکا،

————— ❦ —————

خوشی کی بات ہے کہ دارالاضیفین کا سلسلہ تاریخ اسلام مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہو رہا ہے، انشاء اللہ جب یہ سلسلہ مکمل ہو جائے گا، تو معلوم ہوگا کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح یہ سلسلہ بھی دارالاضیفین کی عظیم الشان علمی و مذہبی خدمت ہوگا

————— ❦ —————

دارالاضیفین کے علمی حلقوں میں جو فروغ اور استناد حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا، کہ مشرقی و ادبی

تاریخی علوم میں سائیکس سے اس کی طرف رجوع عام ہے، ڈاکٹر ٹیٹ کے مقالوں کے امتحان کی خدمت بھی اس کے سپرد ہوتی جو اور ان علوم میں امتحانات کے پرچوں کے نمٹن بھی ہمارے رفقا ہوتے رہتے ہیں،

پچھلے مہینہ دارالمصنفین کے رفقا سے ملنے اور ان کے علمی کاموں میں مشورہ کی خاطر ہماری مجلس کے رکن مولوی عبداللہ صاحب دریا بادی یہاں تشریف لائے، اور تین روز قیام فرما کر ان کے کاموں میں مناسبت سے دیگر واپس تشریف لے گئے، اُمید ہو کہ ان کا یہ سلسلہ فیض آئندہ بھی اسی طرح اکثر جاری رہے گا،

گاندھی جی نے سنہ ۱۹۲۰ء میں جو خواب دیکھا تھا، سنہ ۱۹۴۷ء میں اس خواب کی تعبیر ان کو مل گئی، وہی قیدی و زندانی جرم جو کبھی تختہ دار کے تحت تھے، آج تخت حکومت پر تنگ ہیں، اور جو کبھی باغی قرار دیے جاتے تھے، آج انہی کو حکومت کی عنان سپرد کی جا رہی ہے، لیکن یہ تاریخ کا نیا واقعہ نہیں، دنیا میں ہمیشہ یہی ہوا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا،

اس کے ساتھ اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ اس سے ہندوستان کی سطح میں سیاسی سکون پیدا ہو جائے گا، تو وہ سخت غلطی کا ارتکاب کرے گا، دنیا میں نہ کبھی کسی انقلاب سے سب نے موافقت کی ہے، اور نہ اس پر فحاش کی ہے، کانگریس کے پیچھے پیچھے سوشیا لزم کا انقلاب اور اس کے پیچھے کمونزم کا سیلاب آنے والا ہے، جس طرح کانگریس نے سابق حکام سے آزادی چاہی، اور گویا پانی، اسی طرح آئندہ کانگریسی حکام کے مظالم کے نام سے سوشلسٹ اٹھیں گے اور سوشلسٹوں کے مظالم کے خاتمہ کے نوکیڈ نٹوں کا گردہ آگے بڑھے گا،

مجھے اس موقع پر محمد علی مرحوم کا ایک فقرہ یاد آیا، سنہ ۱۹۲۰ء کے دسمبر میں گاندھی جی جب سوراج والا رہے تھے، میں نے مرحوم سے کہا کہ مبارک! آپ کی قید و بند کا زمانہ ختم ہو رہا ہے، اب آپ ہی حکمران ہوں گے، فرمایا مجھے ملینا

کمان نصیب اب جو فریق برسر حکومت آئے گا اس سے لڑنا پڑیگا، اور اب ہم کو قید خانوں میں بھیجا کریگا، ہوجو  
سودا ج کے عہد میں دوسری سیاسی پارٹیوں سے جو سلوک ہوگا یا جو ناشرع ہوا ہے، وہ اس پیشین گوئی کی صدا  
کی دلیل ہے، اور یہ طبعی ہے،

اس نقطہ پر سب اہم مسئلہ ہندو مسلمانوں کی مصاحبت اور مخالفت کا ہے، اس مصاحبت اور مخالفت کے  
کے بغیر ہندوستان میں سکون پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ ہندوستان یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ کل ہندوستانیوں  
کی حکومت ہو، بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے انگریزوں کی حکومت تھی، اب کانگریسیوں کی ہے اور اس کا لاڈ  
نتیجہ ملک میں نئے نئے فتنوں اور فسادوں کا پیدا ہونا ہے،

—•—•—•—

چنانچہ اس کا بدترین مظاہرہ، کلکتہ، ڈھاکہ، ٹی، احمد آباد، الہ آباد اور آگرہ میں ہوا اور جو رہا ہے، ہندوؤں  
یا مسلمان اس خوفی سیلاب کی رو سے نہ دو ملک میں کوئی انقلاب کر سکتے ہیں، انگریزی اکثریت کو اقلیت سے بدل سکتے  
ہیں، نہ اس سے مصاحبت کی شرط میں آسانی پیدا ہو سکتی ہے، ہنگام کی لگی وزارت اور ٹی کی کانگریسی وزارت کے  
احاطوں میں یکساں بلوں کا ہونا دونوں ہی کے لئے مشکلات کا باعث ہوا ہے،

—•—•—•—

ریڈیو کی زبان کے متعلق نئی حکومت کے عہد میں جو فیصلہ ہوا ہے اس سے ہندی اور اردو دونوں زبانوں کے  
دعویٰ اور خوش بین یعنی یہ کہ خبروں کے علاوہ باقی تقریریں یا خالص میااری ہندی میں ہون گی، یا خالص میااری  
اردو میں، معلوم نہیں ریڈیو کے بعد عدالتوں اور کونسلوں اور اسمبلیوں اور یونیورسٹیوں اور تعلیم کا ہون  
کی زبانوں کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہوگا، یا اس سے مختلف ہوگا، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس فریق کی جیت ہو کہ  
جو ملک میں دو زبانوں کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اس کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہیں، اور ابھی اس پر  
پوری طرح غور نہیں کیا گیا ہے،

# مقالہ

## ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

المُلَقَّبُ بِهِ

كَافَعُ الضَّنْكِ عَنِ الْإِنْتِفَاعِ بِالْبَيْنِكَ

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبہ دینیات دھاکہ یونیورسٹی

حادثہ اومصلیٰ میں گذشتہ مضمون لکھ چکا تھا کہ ایک چھوٹا سا رسالہ نظر سے گذرا جس میں چند تمہیدات کے بعد یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ بینک کا سودی کاروبار جائز ہے، کیونکہ وہ سود ہی نہیں ہے، آگے بڑھ کر فرمایا ہے کہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہی

رسالہ کے مصنف ایک متقوی فلسفی عالم ہیں، اس لئے اُن سے اس کی امید تو فضول تھی کہ وہ تمہیدات میں قرآن و حدیث و فقہ سے بھی کوئی دلیل پیش کرنے کی تکلیف برداشت کریں گے، انھوں نے وہی کیا، جو اُن سے امید کی جاسکتی تھی، کہ منطقیانہ و فلسفیانہ رنگ میں اول یہ مقدمہ قائم کیا، کہ "اسلام تمدنی مذہب بھی ہے، جیسا کہ بتلی مذہب ہے، اور اس کی دلیل میں اسوہ مجدیہ (علیہ علی آداب الصلوٰۃ والاحتیاء) کو پیش کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر دیا کہ حضرت محمدیت میں بت کی شان کے ساتھ ہی ساتھ تمدن کی شان بھی اتنی روشن ہے، گویا گھٹاؤن میں بجلیاں چمک

ہی بین کبھی اچھے و کبھی کھانا کھا رہی ہیں، اچھے سے اچھا لباس بھی پہن رہی ہیں بہتر سے بہتر سولیا

ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ جاء و جلال، بڑی بڑی سے بڑی نمود و نمائش ہے، ایک مسلسل طلب تدار ہے، لگاتار

تحصیل اختیار، جو تعلیم ہے، تنظیم ہے، تقدیم ہے، تنہیم ہے، ادھ کیا چیز ہے، ایک کچے دنیا دارانہ تمدن

ہیں جو اس ذاتِ طیبہ اور حیاتِ طاہرہ یعنی مظاہرہ نامتین انا للہ وانا الیہ راجعون

اس دلیل کے رد کرنے کی مجھے ضرورت نہیں، یہ خود ہی اپنا رد ہے، جس ذاتِ طیبہ اور حیاتِ طاہرہ

کی تمام تر زندگی کی ایک ایک احادیثِ طاہرہ کر رہی ہو، کہ یہ نبوت، جو، ملکیت، مین، عبدیت ہے شہنشاہی نہیں

تکلیف، احکام الہیہ ہے اپنی نمود و نمائش نہیں، اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے، طلب اقتدار نہیں، خدمت خلق اللہ

ہے، تحصیل اختیار نہیں، اخلاص و احسان ہے، نمود و نمائش نہیں، اس میں کچے دنیا دارانہ تمدن کو

مظاہرہ نمائے، نام نہی نفسیت اور اسوہ محمدیہ سے انتہائی ناواقفیت نہیں تو اور کیا ہے،

اس کے بعد دوسرا مقدمہ یہ قائم فرمایا ہے کہ روایا سود اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعیت اور معد

کو نقصان پہنچاتا ہے، اور انفرادی دولتیت کو ضرر ناک صورت میں بڑھاتا ہے، اس کی بھی کوئی دلیل

بیانی نہیں کی گئی، محض دعویٰ بلا دلیل پر اکتفا کیا گیا ہے، تیسرا مقدمہ یہ بیان فرمایا ہے کہ

”بیک جو سود لیتا ہے، وہ سود نہیں بلکہ اس کی حیثیت کچھ تو حقِ محنت کی ہے، یعنی وہ

معاوضہ، مضام اور ادائیگی اس محنت کا جس کے بل پر بیک قائم رہتا ہے، اور چلتا ہے، اور کچھ حقِ الامانت

یعنی وہ معاوضہ جو ان لوگوں کی اعانت کا جس کے سرمایوں کو بیک قائم ہوتا اور چلتا ہے، کیونکہ بیک کے حصہ داروں کا

گروہ اس مرفوض بیک کو قائم کرتا ہے کہ علاوہ اس کے سرمایوں کی حفاظت کے دوسرے ان کی اعانت بھی ہوتی ہے“

مگر سوال یہ ہو کہ حرمِ ربانی یہ قلت کو نہی آیت یا کس حدیث سے اپنے سمجھی؟ اور جس دلیل

سے اپنے بیک کے سود کو حقِ المحنت اور حقِ الامانت قرار دیا ہے، اسی دلیل سے انفرادی رب کو حقِ المحنت

اور حقِ الامانت کیوں نہیں قرار دیا جاسکتا؟ فرض کیجئے ایک تاجر کسی کو ہزار روپیہ قرض دیتا ہے،



لمحت

سال بھر کے بعد بارہ سو روپیہ یہ لکھ وصول کرنا ہے کہ یہ دوسو روپیہ میری دکان کے ملازمین کا حق ہے جن کی محنت کے بل پر دکان چل رہی ہے جس کی آمدنی سے میں اس قابل ہو گیا ہوں کہ دوسروں کو فرض دے رہا ہوں تو فرمائیے آپ کس دلیل سے اس انفرادی سود کو بینک کے سود سے الگ کر سکتے ہیں؟ تو پھر کیا سود کو ہر حالت میں جائز کیا جائے گا، خواہ انفرادی ہو یا جماعتی ہو، اس کے آپ بھی قائل نہیں، تو یہ علت ہی کیا ہوئی، جو اس صورت کو بھی جائز کر رہی ہے، جسے آپ جائز نہیں مانتے، بلکہ حرام قطعی تسلیم کرتے ہیں، آگے چل کر دوا کے منافع اور بینک کے منافع میں جو فرق بیان کیا گیا ہے، وہ لفظی فرق کے سوا اپنے اندر کچھ حقیقت نہیں رکھتا، آپ فرماتے ہیں:-

”الف، دوا کا نائدیہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک ہوتا ہے، بینک کا نائدیہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک نہیں ہوتا، اور اس کی تقسیم ایک جماعت میں ہوتی ہے، جو بینک کی مالک اور منظم ہوتی ہے، اور اس سے جمعیت کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے، یہی حاصل دفعہ ب کا ہے، کہ دوا کا نائدیہ صرف شخصی دولت میں اضافہ کرتا ہے، بینک کا نائدیہ خود بینک کی ادارتی حیثیت کو مضبوط کرنے کا کام آتا ہے۔“

”سوال یہ ہے کہ جماعت اور فرد میں فرق کا معیار کیا ہو گا؟ یعنی اگر فرد ایک آدمی کو کہتے ہیں، تو کیا ایک سے زائد کو جماعت کہا جائے گا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اگر ننانو فاضلہ جماعت شرعی فتویٰ ہے کہ دوا دوسے زیادہ جماعت ہے، اگر آپ کے نزدیک دوا آدمی جماعت نہیں ہو سکتے تو بتلایے جماعت بننے کے لئے کتنی مقدار ضروری ہے؟ اور جو مقدار بھی مقرر کی جائے، اس پر دلیل قائم کی جائے، اگر دیکھیں آپ جماعت مانتے ہیں، تو دنیا میں کوئی سود بھی انفرادی سود نہیں، کیونکہ عموماً ہر سود خواہ کے بی بی بچے ہوتے ہیں جن کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں سود کی آمدنی صرف ہوتی ہے، ہر سود خواہ کے کچھ ملازم نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں، جن کا نفعہ اور خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے،

تو یہاں بھی سوو کے منافع کی تقسیم ایک جماعت میں ہوتی ہے، اس سے بھی فرد واحد کی نہیں بلکہ جمعیت کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بی بی بچے غنا اور فلاس میں اس کے تابع ہیں اگر باپ غنی ہے تو اولاد بھی غنی کملائی ہے، شوہر غنی ہو تو بی بی بھی غنی ہوتی ہے، اس کے مرنے کے بعد وہی اس کی دکان اور جملہ املاک کے وارث ہوں گے، اب بتلایا جائے کہ اس میں اور بینک کے منافع میں کس فرق ہوا؟ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

تجربہ کار کا زائد یہ (منافع) اس سرمایہ کا پھل ہوتا ہے، جو تجارت بنین کرتا، اس نے وہ خالص زر کا معاوضہ ہوتا ہے، اور بینک کا زائد یہ (منافع) اس سرمایہ کا نتیجہ ہوتا ہے جو تجارت کرتا ہے اس نے وہ خالص زر کا معاوضہ بنین ہوتا، بلکہ تجارت کا بھی معاوضہ ہوتا ہے، اگرچہ بالواسطہ ہوتا ہے،“

مگر سوال یہ ہے کہ اگر فرد واحد بھی تاجر ہو، اور وہ کسی تاجر ہی کو قرض دیکر نراندہ رقم لے، تو اس کو ایسے سرمایہ کا پھل کیونہ نہیں کھا جائے گا، جو تجارت کرتا ہے، تو چاہئے کہ ہر تاجر کو اپنی تجارتی رقم فرض دینے پر نراندہ وصول کرنے کا حق ہو، خواہ فرد ہو یا جماعت کیونکہ دونوں جگہ یہ قلت موجود ہے، کہ یہ نراندہ یہ خالص نراندہ کا مواضعہ نہیں بلکہ تجارت کا مواضعہ ہے پھر فرماتے ہیں :-

کاروبار کا نام یہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہوتا ہے، جو محنت کو غائب کر دیتا ہے، اس نے وہ جمعیت اور تمدن کے لئے قابل کی حیثیت رکھتا ہے، بلکہ کارنامہ یہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہے، جو سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو بھی پیٹے ہوتا ہے، اس نے کہ وہ تجارت کو بھی حاد می ہوتا ہے۔" الخ

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ اگر انفرادی ربا میں بھی فرد واحد تاجر ہو تو اس کا زائد یہ بھی سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو لپیٹے ہوئے ہی، کیونکہ وہ بھی تجارت کو جاری ہے، پھر محنت کا انحصار تجارت ہی میں

کیون ہے؟ کیا زراعت اور حرفت محنت مہین؟ پس اگر فرد واحد زراعت پیشہ ہو یا اور کسی قسم کی صنعت حرفت میں مشغول ہو اور اس کا سرمایہ بھی محنت کو ساتھ ساتھ لپیٹ ہوئے ہے، تو کیا آپ اس کے قائل ہوں گے، کہ ہر فرد واحد جس کا سرمایہ محنت سے حاصل ہوا ہو، زراعت سے یا کسی صنعت و حرفت وغیرہ سے اس کو اپنی رقم قرض پر چلا کر سود لینا جائز ہے؟ یقیناً آپ اس کے قائل نہیں ہو سکتے، اس لئے یہ دلائل سراسر لغو ہیں، جو انفرادی اور جماعتی ہر قسم کے سود کو جائز کر رہے ہیں، پھر ان تمام مقدمات سے آپ صرف ایک ہی پہلو کو ثابت کیا ہے کہ بینک کو ان لوگوں سے سود لینا جائز ہے، جو بینک سے قرض لین، دوسرا پہلو ابھی باقی ہے، کہ جو لوگ بینک میں رقم جمع کر کے اس سے سود لیتے ہیں، ان کو بینک سے سود لینا کیون جائز ہے؟ کیونکہ یہ رقم جمع کرنے والے نہ سب تاجر ہوتے ہیں، نہ سب کا سرمایہ تجارت کا پھل ہوتا ہے، بلکہ وہ تو اسی کو تجارت سمجھتے ہیں، کہ بینک میں رقم جمع کرو، اور اس سے سود لو اور یہ سود لینے والے افراد ہی ہوتے ہیں جس سے فرد ہی کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ جماعت کی دولت میں؟ اب اگر آپ اس پہلو کو بھی جائز کہیں تو مقدمات مذکورہ سب باطل ہو جائیں گے اور اگر اس کو حرام کہیں تو بینک چل ہی نہیں سکتا اس صورت میں آپ کی تصنیف کا سارا فہم ہی منہدم ہو جائے گا۔

آگے چل کر آپ نے ربا دی کا روباہ (یعنی انفرادی سود) اور بینک کے کاروبار میں اور بھی اصولی فرق بیان کئے ہیں، مگر وہ بھی سب کے سب اوس صورت میں باطل ہو جاتے ہیں، جب کہ ربا دی کا روباہ کرنے والا ایک بڑے کنبہ کا سرپرست ہو، اس کے سب لڑکے اور بھائی بند اس کی دکان یا زراعت میں لگے ہوئے ہوں، تو وہ بھی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ میرا سودی کاروبار بخشی تجارتی، زرعی، جمیعی قراج کو قوی کرتا ہے، اور میرا کڑبار بھی اپنے اسامیوں کو خوشحال بناتا ہے، اس لئے کہ وہ بخشی محنتی تجارتی، زرعی شان کا عکس اُن پر ڈالتا ہے، واللہ یہ عکس ڈالنے کی بھی ایک ہی کئی، اگر عمل سرعہ اسی کا نام ہے تو آپ نے علت کو بھی بدنام کیا، اور شریعت کو بھی، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

بنیک چند وہ مستقل فائدے بھی رکھتا ہے، جن کو جمعیت اور تمدنیت کی طرح چھوڑ دینا ممکن نہیں، مثلاً (۱) بنیک تجارت کو منظم کر تفعیل اور سہل بناتا ہے، اور اس سے تجارت غیر معمولی ترقی کر جاتی ہے، (۲) بنیک سرمایوں کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے، (۳) بنیک دولتوں کی بھی کفالت کرتا ہے، اچوری اور ڈاکو زنی کے جرائم میں تخفیف پیدا کرتا ہے، (۴) بنیک ملازمتوں کا ایک نیا وسیع صیغہ کھول کر وسیع معاش کی فہرست میں ایک نیا باب کھولتا ہے اور اس حساب سے بیکاری و بے معاشی میں بڑی تخفیف پیدا کر دیتا ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ یہ فوائد بذاتِ خود علت ہیں، کہ جہاں یہ فوائد پائے جائیں، وہ کاروبار جائز ہو گا یا پہلے ہر کاروبار کا جواز مستقل دلیل سے ثابت کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ان فوائد پر نظر کی جائے گی؟ اگر دوسری صورت ہے تو آپ کو اتنا مستقل دلیل سے بنیک کے کاروبار کا جواز ثابت کرنا چاہئے، مگر میں دکھلا چکا ہوں کہ آپ کے سب مقدمات کمزور اور نہایت ہی بدست ہیں، جن سے بنیک کے کاروبار اور بادی کاروبار میں اصلاً فرق ثابت نہیں ہوتا، اور اگر پہلی صورت ہے تو یہ سارا فوائد شراب فروشوں میں بھی موجود ہیں، ان شراب کی تجارت آج دنیا میں تمام تجارتوں سے بڑھی ہوئی ہے، اس سے تجارت کو بڑا فروغ اور عروج ہوتا ہے، وہ بھی سرمایوں کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے، کہ ہر سال ہندوستان سے کروڑوں روپیہ انگلستان اور امریکہ پہنچ جاتا ہے، شراب کی تجارت سے ملازمتوں کا بھی وسیع صیغہ کھل جاتا ہے، محکمہ آبکاری میں جا کر دیکھیے، اتنے ملازم اور مزدور کام کرتے ہیں جو شاید کسی بنیک میں بھی نہ ہوں گے، آپ کہیں گے کہ شراب سے جرائم میں تخفیف نہیں ہوتی، میں کہتا ہوں کہ بنیک سے بھی جرائم میں تخفیف نہیں ہوتی، کیونکہ جو لوگ بنیک میں روپیہ جمع کر کے سود لیتے ہیں، ان میں جو داور قسطل پیدا ہو جاتا ہے، وہ اسی سود کے سہارے بیکار زندگی گزارتے، ہزاروں جرائم کا ارتکاب کرتے اور مسلسل کرتے رہتے ہیں، اگر قہین نہ آئے، تو ضلع سورت کے دیہات میں

جا کر ان سیٹھوں کی اولاد کا حال دیکھ لیجئے جن کے بزرگوں نے بینک میں روپیہ جمع کر دیا ہے، اور یہ فوجوں اس کے سود پر زندگی گزارتے، اور دن رات کھیل تماشوں یا بد معاشیوں میں منہمک رہتے ہیں اگر ڈ بینک میں روپیہ جمع نہ کرتے، تو کچھ مدت میں سرمایہ ختم ہو جاتا، اور ان کے جرائم بھی بند ہو جاتے، اگر اب سرمایہ محفوظ ہے، سود آ رہا ہے، اور ان کی دلگاہیں رلیاں و زبردز ترقی پذیر ہیں، اسی طرح چور دن سے پوچھئے تو وہ چوری میں بھی وہی منافع بتلائیں گے، جو آپ نے بینک کے کاروبار میں گنائے ہیں، و کہتے ہیں کہ چوری سے زیادہ سرمایہ کو گردش دینے والا کوئی بھی موثر آلہ نہیں، روزانہ سرمایہ ادھر سے ادھر گردش کرتا رہتا ہے، اور چوری سے زیادہ کوئی کاروبار بھی سختی کاروبار نہیں، راتوں کو جاگنا اور کسی کے گھر میں گھسنا جس قدر بہت اور محنت چاہتا ہے، ظاہر ہے، بینک اگر تجارت کو ترقی دے، تو چوری سے ملازمتوں کا صیغہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے، ملک میں جس قدر واردات چوری کی رہا ہوں گی، اسی قدر پولیس کی بھرتی زیادہ ہوگی، اور ہندوستان کے تاجروں سے پوچھئے تو ان کے نزدیک ترقی تجارت کا سبب جنگ سے زیادہ کوئی بھی نہیں، جنگ کے زمانہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ تاجروں کو کچھ اور کروڑ پتی بن گیا، ٹھیکہ داروں نے اس قدر کمایا کہ بینک والوں نے ان کے مقابلہ میں کچھ نہیں کمایا، اگر یہ فوائد خود اپنی ذات سے علت جواز بن سکتے ہیں، تو چوری شراب فروشی، اور آقا کی جنگ کو بھی جائز قرار دینا چاہئے،

اور یہی جواب ہے اس سخت قباح کا جو کاروبار بینک کی تحریم میں آپ نے دکھائی ہے کہ غیر مسلم تو قین تو اسلام کے اس فتویٰ تحریم کی بالکل پروا نہ کرنے کے سبب بینک کے کاروبار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال کر رہی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی قوی دوتیں

۱۔ یہاں سچی بات قلم سے نکل رہی ہے، کہ کاروبار بینک کی تحریم اسلام کا فتویٰ ہے، علماء اسلام کی من گھڑت نہیں جیسا بار بار آپ کے قلم سے نکل رہا ہے، آجاد وہ جو سر پرچم کے بولے، ۱۳

ان کو بھی سیلاب اور بیابانی آگ کی مانند لگا تا دیر ہی سے آگے بڑھائی جائیگی، اور اس کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت روز بروز تنزل کرتی جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ مسلم قوم ایک دن میدان مالیات میں صفر میں گر رہ جائے گی، اور اس کے بعد اس کی مکمل بربادی قطعی بن جائے گی۔“

پھر آگے اس کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے، کہ

”جب اس شدید ترین قحطیت کا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے، اس لئے اس کے کے بینک کے ذریعہ دولت آفرینی میں تیز ترین اور غیر معمولی اضافہ کیا جائے، تب یہ ایک حقیقت ہی بنیک کے کاروبار کو کہ روزانہ شہادت کے باوجود جائز ثابت کرنے کو بالکل کافی ہوگی، اگرچہ جائزہ بدرجہ کراہت ہی کیوں نہ ہو۔“

مگر سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلم قوموں کی ترقی مال کا واحد ذریعہ صرف بینک کا کاروبار ہے؟ کیا بربادی کا دوبارہ (انفرادی سود) سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہو جو لوگ بینک قائم کرتے ہیں کیا وہ پہلے بربادی کا دوبارہ سے ترقی نہیں کرتے، کیا ہندوستان کی بنیاد قوم کا ہر فرد بربادی کا دوبارہ سے ترقی نہیں کر رہا ہے؟ اور فلسفہ اجتماع کا مسئلہ ہے، کہ افراد ہی سے جماعت بنتی ہے، جب ان کے افراد ترقی کر رہے ہیں، تو جماعت کو خود بخود ترقی ہو رہی ہے، تو کیا اسی دلیل سے آپ بربادی کا دوبارہ کو بھی جائز کر دیں گے؟ اور کیا شراب کی تجارت سے یورپ کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ ذرا محکمہ تجارت کے اعداد و شمار دریافت کیجئے، کہ سب سے زیادہ آمدنی کس تجارت میں ہو رہی ہے؟ اسی لئے حکومت مصر نے باوجود اسلامی حکومت ہونے کے شراب کی تجارت شروع کر دی ہے، اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس سال ہندوستان میں مصر سے لاکھوں روپیے کی شراب آئی ہے، انیسویں حکومت مصر کی اسلامی غیرت کو کیا ہو گیا؟ اور کیا سینما اور فلم سازی سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ اگر تحقیق کیجئے گا، تو

معلوم ہو گا کہ بینک کے کاروبار کی اوس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں جس کا اندازہ ایک ٹرسون کی تجویز سے لگایا جاسکتا ہے بینک میں اس قدر تنخواہ کسی ملازم کو بھی نصیب نہیں، جتنی وہاں ایک ایک ایکٹر کو دی جاتی ہے، تو کیا ان تمام ذرائع آمدنی کو محض اس دلیل سے جائز کر دیا جائے گا کہ غیر مسلم تو ہیں تو اسلام کی تحریمات کی بالکل پروا نہ کر کے ان ذرائع آمدنی سے سیلاب اور سیلابی آگ کی مانند بڑی تیزی سے مالی میدان میں بڑھتی جا رہی ہیں، اور ان کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت تنزل کر رہی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں ایک دن مسلم قوم میدان مالیات میں صفر بن کر رہ جائے گی۔

استغفر اللہ اگر کسی ذہنیت ہے تو آگے چل کر آپ کس کس حرام کو جائز کرتے جائیں گے؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کی ترقی مال و دولت پر نظر کر کے کبھی ان کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ ہمیشہ ان ناجائز ذرائع آمدنی کے خلاف جہاد ہی کیا ہے، جو دنیا میں رائج تھے، حریت اسی کا نام ہی، اور یہ تو سرسبز علاقہ ذہنیت ہے کہ جس ناجائز طریقے سے دوسری قومیں مالیات میں بڑھ رہی ہوں، مسلمان اسی طریقے سے بڑھنا چاہیں، اور تاویل و تحریف کے ذریعہ اوس کو جائز کرنے کی سعی کریں، اگر مسلمانوں نے اسلام کے ساتھ وہ کیا ہوتا، جو یہود و نصاریٰ نے اپنے مذاہب کے ساتھ کیا کہ

ع زمانہ باتو نہ سازد تو بازمانہ سازد

تو آج اسلام بھی یہودیت اور نصاریت کی طرح مسخ ہو کر کچھ کچھ بن گیا ہوتا، اگر خدا شاہد ہے کہ ہمارے بزرگوں نے زمانہ سازی سے کام نہیں لیا، ان کا تو عمل اس پر تھا اسے

گفتند جهان ما آیا بتومی سازد

گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ یہ ہم زن

وہ ہمیشہ زمانہ کے خلاف جہاد ہی کرتے رہے، اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا، تو لانا!

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جائزوں میں سود سے زیادہ بچے دینے والا کوئی جائز نہیں اور اس کے کھانے والے بھی بہت تھوڑے ہیں، اگر دیکھیے پھر بھی بکریوں اور بھڑوں کا شمار دنیا میں زیادہ ہے حالانکہ وہ روزانہ لاکھوں کی تعداد میں ذبح بھی ہوتی رہتی ہیں، پس آپ یورپ کے کاروبار بنک سے مرعوب نہ ہوں، بلکہ مسلمانوں کو سادہ زندگی اختیار کرنے، فضول خرچی اور عیش پرستی سے بچنے اور حلال طریقے سے روزی کمانے اور تجارت و تعلیم و صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیجئے، اور جو لوگ مسلمانوں میں سرمایہ دار اور تاجرانہ پیدا ہیں، ان کو رکاوٹ و عشر کے باقاعدہ ادا کرنے کی تاکید کیجئے، پھر دیکھیے انشاء اللہ

چند ہی دنوں میں

بسم الله الرحمن الرحيم  
الحمد لله الذي جعل المال وسيلة للبر والعدل

الصدقات، بڑھاتا ہے،

کا منظر کھلی آنکھوں نظر آجائے گا، اور اگر ان کاموں کے ساتھ سب مسلمانوں نے احکام الہیہ متعلقہ عبادت و معاملات پر بھی عمل شروع کر دیا، تو

لَنْ يَهْلِكَ مَعَ اللَّهِ أَحَدٌ  
اللہ کو ساتھ لے کر ہرگز کوئی ہلاک نہ

برباد نہیں ہو سکتا،

کا بھی اچھی طرح مشاہدہ ہو جائے گا، پھر آپ تو کہتے ہیں، کہ مسلمان بنک کا کاروبار ترک کرنے سے میدان مالیات میں صفرہ جابن گئے، اور سید طفیل احمد صاحب (علیگ) مرحوم ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ روایا کاروبار (انفرادی سود) کو ترک کر کے مسلمان تنزیل کی طرف جا رہے ہیں، اور ایک صاحب یہ کہتے ہیں کہ مسلمان پر وہ سنوان کی وجہ سے فقر تنزیل میں گرتے جا رہے ہیں، دوسری قوموں کی عورتیں بی اے، ایم اے، اکی ڈگریاں لے کر ترقی کے میدان میں مردوں کے دوش بدوش کھڑی ہیں، مسلمانوں کی عورتیں پردہ کی وجہ سے تعلیم میں بھی پیچھے اور ترقی مال سے بھی محروم ہیں، پردہ نہ ہوتا، تو یہ بھی ڈگریاں حاصل کرتی



یا کم از کم سینما اور فلم کمپنیوں میں ایکٹرس بن کر ہی ہزاروں روپیے کی تنخواہ پاتین اور اس طرح یہ قوم بھی مالیاتی میدان میں دوسری قوموں کا مقابلہ کر سکتی تھی، مصری مسلمان کتا ہے کہ مسلمانوں کو شراب کی تجارت نہ کرنے سے تنزل ہو رہا ہے، ان کو بھی دوسری قوموں کی طرح شراب فروشی کرنا چاہئے فرمائیے کس کی بات مانی جائے؟ حیرت ہے کہ آپ نے بینک کے کاروبار کو صرف جائز ہی نہیں، بلکہ واجب بنا دیا ہے اسارے رسالہ میں قرآن سے ایک دلیل بھی پیش کی تو ایسے لغو دعویٰ پر جس کو کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی تسلیم نہیں کر سکتا، فرماتے ہیں کہ

”وہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اس لئے کہ وہ اعدا والہو ما استطعتہ من قوۃ کے حکم ایجابی کے تحت میں داخل ہے، کیونکہ دولتی قوت بھی ایک قوت ہے اور برہنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دورہ دولتیہ میں دولت ہی مرکزی قوت ہے، باقی ساری قوتیں اسی قوت کی شاخیں ہیں،“

۷۰ ناطقہ سر برگ بیان کہ اسے کیا کہئے؟

ساری دنیا جانتی ہے کہ دولت کی قوت میں یہودی قوم سب سے آگے ہے، یہودیوں کے پاس اتنی دولت ہے کہ سارے یورپ کو خرید سکتے ہیں،

اَلَا تَلَوْنَ لِلْمِصْحٰتِ نَبْرَادِلْ كَ السُّودِ خَوَارِہِیْنَ

جو قرآن نے اُن کو لقب دیا تھا، آج بھی اُن پر صادق ہے، مگر کیا دولت کی قوت نے ان کو کچھ بھی عزت دی؟ حاشا وکلاؤہ آج بھی دنیا میں اسی طرح غلام ذلیل اور خانمان برباد ہیں جیسے ہمیشہ سے تھے، یورپ نے ان کو اپنے یہاں سے نکال دیا ہے، اور زبردستی فلسطین میں بسانا چاہتا ہے اور کوئی قوم بھی اس ذلیل قوم کو اپنے ملک میں جگہ دینے کو آمادہ نہیں،

مولانا کو تفسیر قرآن کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے مدیث نبوی پر بھی نظر کرنی چاہئے تھی

حدیث صحیح میں صاف تصریح ہے،

اَلَا اِنَّ الْعُقُوۃَ الرِّمٰی

سن لو کہ (قوت سے) مراد تیر اندازی ہو

یعنی طاقتِ اسلحہ،

اس زمانہ میں تیر اندازی سب سے بڑی قوت تھی اس کا نام لے دیا گیا، آج اس کی جگہ  
بندوق، دیوالور، مشین گن وغیرہ وغیرہ ہیں، قرآن میں اس کے بعد ہے

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُهْبِطُونَ ۚ

اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کے دشمن  
عداؤ اللہ وعدل وکفر

اس کا صاف قرینہ یہ کہ من قوت سے مراد عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ ہوا دینا جانتی ہے کہ اگر کسی  
قوم کے پاس دولت کے خزانے بھر پور ہوں مگر عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ نہ ہو تو اس سے کوئی  
قوم بھی مرعوب نہیں ہو سکتی، اس کے برعکس اگر طاقتِ اسلحہ کامل ہو، اور دولت زیادہ نہ ہو تو اس کا  
سب پر رعب قائم ہو جاتا ہے، یہ کتنی بڑی حجرات ہے کہ قرآن کی آیت کو ایسے معنی پر محمول کیا جا رہا ہو کہ  
جس سے مسلمان یودیون کی طرح صرت سرمایہ دار ہو کر رہ جائیں اصل حقیقت کو غماہ نہیں کیا جاتا کہ قرآن  
مسلمانوں کو عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ دنیا کرنے کی تعلیم دے رہا ہے جس سے سلاطین اسلام نے غفلت  
برتی آج دنیا کی نظردین میں کمزور گئے جانے لگے، کیا ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے پاس دولت  
کی کمی تھی؟ ہرگز نہیں مگر عسکری نظام اور طاقتِ اسلحہ سے غفلت برتی گئی، یورپ نے نئے اسلحہ ایجاد  
کیے، اور وہ اپنے پرانے اسلحہ پر ہی قانع رہے، یورپ نے عسکری نظام کو مستحکم کیا یہ اس طرف  
بفکری برتے رہے، فریضہ جہاد فی سبیل اللہ کو فراموش کر بیٹھے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو آج ہمارے سامنے ہے  
اور افسوس کہ اب بھی سلاطین اسلام طاقتِ اسلحہ میں یورپ ہی کے محتاج ہیں، بحری جہاز، ہوائی جہاز  
ہر قسم کے اسلحہ یورپ ہی سے خریدیں تو خریدیں اپنے گھر میں ان کی تیاری کا کچھ سامان نہیں، (باقی)

# اسلامی نظریہ سیاست

از

مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۳)

حریت عامہ اور اسلام | سیاست و اجتماع کے موجودہ نظریوں میں کوئی ایسا نظریہ نہیں جو نسلی قومی، لسانی اور جغرافی حدود و قیود سے آزاد اور ہمہ گیر داعیہ انسانیت کا حامل ہو، یہی وجہ ہے کہ جمہوریت جو یا اشتراکیت اپنے مخصوص دائرہ نفوذ و عمل سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکتی اور نہ یہ نظریہ ہی اپنے اساسی دستور و آئین (کانسٹیٹوشن) کے اعتبار سے اس کے مجاز ہیں، کہ وہ متعین حدود و کمرے کے تجاوز کریں آج دنیا کے جمہوریت پسند ممالک اگرچہ جمہوریت کے معنی و مصداق میں اتفاق نہ رکھتے ہوں، مگر اس امر پر سب متفق ہیں، کہ جمہوریت نام ہے ایک ایسے نظام حاکمیت کا جس میں ملک کی مختلف پارٹیوں میں اکثریت و اقلیت رکھنے والی پارٹی (مجاہڑی) اپنے تمام فیصلے خواہ وہ کتنے ہی اقلیت کش انسانیت اور ظالمانہ کیوں نہ ہوں، اقلیت رکھنے والی پارٹیوں (منارٹیز) یا مجبور ہونے کا حق رکھتی ہے اور مجاہڑی کا ہر فیصلہ قانون کا حکم رکھتا ہے، اور ملک کی اقلیتوں، یا غیر ملکی اشخاص کے سامنے دو ہی راستے ہیں، یا وہ اس ملک کو اپنے وجود سے پاک کر دیں یا اکثریت کے زیر سایہ ہمیشہ ذلت، غلامی اور محکومت کی زندگی بسر کریں، (الہجرۃ اولیٰ الاسرۃ) اس بنا پر جمہوریت کی افادیت (حریت فکر اور حریت اجتماع) ایک مخصوص خطہ و ارض کے غالب اور مطلق عنصر کے لئے تو ہو سکتی ہے، مگر انسانیت مطلق کے لئے نہیں

راحت و امن کا کوئی پیغام نہیں ہے۔

اشتراکیت (سوشلزم) میں اگرچہ ایک حد تک عمومی داعیہ کار فرما ہے مگر حیاتِ انسانی کے سیکڑوں زدایاے فکر و عمل میں سے صرف ایک ہی زاویہ اس کا منہائے مقصود ہے یعنی نظامِ اشتراکیت نے انسانیت کی فلاح و نجات کو صرف اقتصادی مسئلہ کے حل کرنے اور انسانوں میں معاشی مساوات کے قیام ہی پر پختہ سمجھا ہے، اور ان مادی اغراض کا حصول ہی اس کی حد نظر ہے، اور اس کے سارے نظامِ سیاست میں صرف یہی روح کار فرما نظر آتی ہے، نیز ان نظامات میں یہ قباحت مشترکہ پائی جاتی ہے کہ ان کا پس منظر انسانوں پر انسانوں کا تسلط و تغلب اور سلبِ حریتِ انسانی ہے۔

اُن کے مقابلہ میں اسلام کا نظریہ سیاست و اجتماع ہر اعتبار سے ہمہ گیر اور لامحدود حیثیت رکھتا ہے، اس کی افادیت نسلی اور وطنی حدود سے آزاد اور سارے عالمِ انسانیت کو محیط ہے، نیز اس کی نگاہ کسی ایک شعبہ زندگی تک محدود نہیں، بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات پر مادی طور پر حاوی ہے اور وہ انسانوں کی فکری، ذہنی، عملی، مادی، روحانی و دنیوی اور اخروی ضروریات میں سے کسی ضرورت سے بھی غافل نہیں۔

اسی طرح مسلمان جو اس عالمگیر نظریہ حیات کا علم بردار ہے کسی وصفِ خاص یا کسی ایک مخصوص خطہٴ ارض میں نہیں سما سکتا بلکہ وہ اسلام کی طرح لامکانی لامحدود اور محیط کل ہے، دنیا کی وسعتیں اس کے قلبِ نظر کی وسعت میں نہیں سما سکتی ہیں، لیکن اس کے لئے دنیا کی کوئی وسعت کافی نہیں، اس کی وسعتِ نظر پر اگر کوئی چیز حاوی ہو سکتی ہے تو وہ صرف قادر علی الاطلاق کی ہستی کا تصور ہے،

عقل خود بین و دگر عقل جہان بین گراست      بالِ بیل و گرو باز و پشاہین گراست

دگر راست آنکہ بردوان افتادہ ز خاک      آنکہ گیر و خورش از دوائے پر دین گراست

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا موضوع بحث نفسِ انسانیت ہے، اور وہ دنیا کے انسانوں کو مادی

طو پر زندہ رہنے کا حق دیتا ہے، حریتِ اجتماع اور حریتِ فکر کے لحاظ سے انسانوں کے کسی گروہ سے ترجیحی سلوک نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ اسلامی نظریہ حاکمیت کسی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا، کہ وہ احکامِ الٰہی میں کی حاکمیت میں شریک و شریک بن کر اس کے بندوں میں حاکم و مملوک کی تفریق پیدا کرے۔ انسانِ گردن اس کے تختِ جلال کے سامنے جھکے، اسلام انسانی حاکمیت مطلقہ کی صورت میں بُرا نہیں کرتا، اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ حریتِ فکر انسانی اور مساواتِ عامہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

حاکمیت اور خلافت کا فرق | دراصل خلافت اور حاکمیت دو مختلف چیزیں ہیں، حاکمیت میں یہ ضروری ہے کہ اپنے احکام دوسروں سے منوائے جائیں مگر خلافت سے مراد نیابت و جانشینی ہے، یعنی خلیفہ کو حاکم کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف نائب اور ترجمان کی حیثیت رکھتا ہے، اور جن احکام کو وہ دوسروں پر نافذ کرنا چاہتا ہے، خود بھی ان کا اسی طرح پابند ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے کہ وہ اس زمین میں خدا کی طرف سے نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے، اس کی حیثیت اس مزدور کی سی ہے جو اپنے آقا کی معین کر دے حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس اعتبار سے کہ انسانوں نے اس کو اس منصب کے لئے چنا ہے، اور اس امانت کا اہل تصور کیا ہے، اس کی حیثیت ایک امین کی ہے، اور اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اس امانت کو عدل و انصاف اور مساواتِ عامہ کی صورت میں انسانوں کو واپس کرے،

دو اصل اسلامی تصور حاکمیت کی بنیاد ہی انسانی حاکمیت کی علی الرغم خدا سے تدوین کی حاکمیت اعلیٰ پر قائم ہے، اور اسلام میں تمام انسان نفسِ انسانیت کے اعتبار سے مساوی الٰہی ہیں، اے کلک کہ بنو آدھ و آدھ من تراب“ اس نے اسلام اپنے پیروں کو ہرگز اجازت نہیں دینا کہ وہ انسانوں کے کسی گروہ کو اس کے جائز حقوق سے محروم کر دیں یا اس سے کوئی ظالمانہ سلوک کریں،

عن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: بخیر مملی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں

يَقُولُ لَا تَعَذُّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ  
الَّذِينَ يَعَذُّبُونَ النَّاسَ يَعْذَّبُهُمُ  
اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ،

پر ظلم نہ کرو، کیونکہ جو اس دنیا میں انسانوں  
کو عذاب دیتا ہے، خداوند تعالیٰ قیامت  
میں اس کو عذاب دے گا،

(آخر جہ ابو یوسف فی کتاب الخراج)

عن معدان بن ابی طلحة  
أنه قال من جملة خطبة عمر  
التي هي في أشهدك على أهل  
الأمصار فإن يمشيهم يعلمون  
الناس دينهم وسنة نبيهم  
يقيمون فيهم وليد لون  
عليهم وما أشكل عليهم يرفعوا  
إلى (أخريه مسلم وأحمد)

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا،  
اے خدا! میں صوبوں کے حاکموں پر تجھے  
گواہ بناتا ہوں، کہ میں نے ان کو معرفت  
اس غرض کے لئے بھیجا ہے، کہ وہ لوگوں  
کو دین، اور اپنے نبی کی سنت کی تعلیم دیں،  
ان میں اموالِ غنیمت تقسیم اور عدل و  
انصاف کریں، اگر کوئی مشکل مسئلہ ان  
کے سامنے آئے تو وہ میرے سامنے پیش کریں

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک تقریر میں ان الفاظ کے ساتھ امر اراد

حکام سے خطاب کیا،

ألا وإني لأعجبكم أهل الأمصار ولا جبارين  
ولكن بعثتكم أمته الهدى  
يهتدي بكم ولا تغلقوا الأبواب  
دونهم فيا كل قويم ضعيفهم

ہاں! میں نے تم کو امیر اور جابر و طاہر  
بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ اُمّہ ہدایت بنا کر  
بھیجا ہے، کہ تم سے رہنمائی حاصل کیجاؤ  
اور رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ  
طاقتور کمزور کو کھاجائے،

(کتاب الخراج)

خلیفہ دوم کے یہ الفاظ اس حقیقتِ باہرہ کا اعلان کر رہے ہیں، کہ اسلام میں خلیفہ یا امیر کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور اخلاق و سیرت کے اعتبار سے دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دے، اور ان کے اعمال کا محاسب کرے کہ کوئی بالادست زبردست پر تشدد نہ کر سکے لیکن وہ دراصل عالم نہیں ہوتا، بلکہ خدا کی طرف سے ایک محاسب و نگران ہوتا ہے،

حریتِ فکر اور مساواتِ عام | یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اسلام کو دوسرے لوگوں پر کوئی ترجیحی درجہ حاصل نہیں ہوتا، اور نہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ و برتر تصور کرے، بلکہ حریتِ فکر اور حقوقِ شہریت کے لحاظ سے وہ ایک عام شہری کی حیثیت رکھتا ہے، خلیفہ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہوئے بعد جو پہلی تقریر ارشاد فرمائی، اس کے یہ الفاظ عوام کی آزادی راے اور حریتِ فکر کے لئے برہانِ قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں،

ایھا الناس انی ولیت (امرا کو رو) مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے، حالانکہ میں  
 لست بخیر کما ایھا الناس انا تم سے بہتر نہیں ہوں، اے لوگو! میں  
 متبع و لست مجتہد ع فان احسنت کتاب و سنت کی پیروی کرنے والا ہوں  
 فاعینونی وان زعجت فقومونی اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات دین میں  
 پیدا کرنے والا نہیں، اگر میں ٹھیک ٹھیک چلون تو میری مدد کرو، اور اگر غلط راستہ

(ابن سعد)

پر چلون تو مجھے سیدھا کر دو۔

آپ نے ان الفاظ میں عوام کے اس حق کو کھلے لفظوں میں تسلیم کیا ہے کہ اگر خلیفہ اسلام کوئی غلط راستہ اختیار کرے، تو عوام اس سے باز پرس اور اس کے غلط طرزِ عمل پر ہر قسم کی نکتہ چینی کر سکتے ہیں۔  
 فتحِ شام کے بعد مجلسِ مشاورت میں ایک مسئلہ کی نسبت اختلاف رونما ہو گیا، حضرت عمرؓ نے

اس موقع پر جن خیالات کا اظہار فرمایا، اس کی مثال آج دنیا کے کسی نظام میں نہیں مل سکتی، فرمایا :-

فانی واحد کا حد کھولست      میں بھی تمہاری طرح ایک راے رکھتا ہوں  
ارید ان تتبعوا ہذا الذی      اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم صرف میری پیش  
اھوئی، (کتاب الخواج)      کی پیروی کرو

ان الفاظ میں اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے، کہ خلیفہ اسلام صرف اپنی ایک راے دینے کا حق رکھتا ہے، اور اس کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی ذاتی راے کو بائبر و دوسروں سے منوائے، اور نہ وہ معاملات عامہ میں ویٹو کا حق رکھتا ہے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ دستور تھا کہ سیاسی مسائل اور احکام و تقضایا میں عام مسلمانوں سے مشورہ لیا کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انھوں نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی، آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس طریق کو اور بھی زیادہ دوست دی، خلافت راشدہ کے اس مقدس دور میں عوام کو ہر قسم کے اظہارِ خیال کی عام اجازت تھی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ بالانعمہ میں تحریر فرماتے ہیں،

کان من سیرۃ عمرؓ اللہ کان      حضرت عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ پیش آمدہ  
یشاء والصحابۃ ویناظرھو      معاملات و مسائل میں صحابہ سے مشورہ  
حتى تنكشف الغمۃ و یاتہ      بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے، بیان تک  
التلجم فصار غالب قضا یا لا      کہ مسئلہ سے تاریکی کے پردے اٹھ جاتے  
وفتا والا متبعۃ فی مشارق      اور یقین کامل حاصل ہو جاتا، یہی وجہ جو  
الارض ومغاربھا،      کہ ان کے فیصلے اور فتویٰ مشرق و مغرب



البتہ اگر وہ اپنی فراست اور بصیرت سے کسی چیز کو مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید سمجھتا ہے جہانگیر عام لوگوں کی نگاہ میں سپردِ شکستہ، تو وہ اس وقت تک مشیروں کو سمجھاتا اور ان سے بحث کرتا رہتا، جب تک ان پر بھی اس کی مصلحت ظاہر نہ ہو جائے،

اسلام میں مساوات عامہ اور حریت فکر و رائے کو زندگی کے ہر شعبہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ معاشی اور اقتصادي طور پر بھی خلیفہ اسلام کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے، تقسیم اموال میں اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے لئے یا کسی رشتہ دار کے لئے دوسروں سے زیادہ حصہ لے سکے، اسی طرح اس کو یہ اجازت بھی نہیں کہ مسلمانوں کے قومی فنڈ (بیت المال) سے مشورۂ عام کے سوا ایک جہہ بھی خرچ کرے،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیاد ہو گئے، اور علاج میں شہد تجویز کیا گیا، مگر شہد بیت المال کے مساوی نہیں موجود نہیں تھا، آپؐ نے مجمع عام میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں شہد لے لوں، ایک مرتبہ آپؐ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا،

انی انزلت نفسی من مال اللہ خدا کی مال میں میں نے اپنے آپ کو ایک  
بسنزلۃ والی الیتیمہ ان یتیم کے والی کا درجہ دے رکھا ہے، کہ  
استغنیست استعفت وان افتقر فراغت کی حالت میں اس مال سے پرہیز  
اکلت بالمعروف، کروں، اور احتیاج کی صورت میں مرد

(اخ حبلہ البیہقی) بقدر ضرورت کھاؤں،

قادیسی کی لڑائی کے بعد قبائل عرب کی تحوالتیں مقرر ہوئیں، تو کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ امیر المؤمنین ہیں، اس لئے اپنے آپ کو ادا درجہ میں رکھیں، آپؐ نے صاف انکار کر دیا، اور فرمایا:-

ما انا نفعہ الا کاحد کھ۔ اس مال کے استحقاق میں میں بھی عام

(کتاب الخراج) مسلمانوں کا ایک فرد ہوں،

یہاں تک کہ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر کی خواہ ایک غلام زادہ اسامہ بن زید سے بھی کم مقرر کی، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمر نے عرض کیا کہ جہاں تک خدمات ملی اور شرکت جہاد کا تعلق ہو میں کسی موقع پر اسامہ سے پیچھے نہیں رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اسامہ کے برابر بھی نہیں رکھا گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

انہ کان احب الی رسول اللہ رسول خدا ﷺ تجھ سے زیادہ

صلی اللہ علیہ وسلم منک وکان ابوسا۔ اس سے محبت کرتے تھے، اور تیرے باپ

احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس کے باپ سے!

بندہ عشق شد ہی ترک نسب کن جاتی

کہ دین راہ فلان ابن فلان چیز غنیمت

منفوج اقوام سے حسن سلوک | واقعاتِ عالم کے مد و جزر کا جس قدر عمیق نظر اور متانتِ فکر سے مطالعہ

کیا جائے اسی قدر یہ حقیقت نمایاں ہوتی جائے گی، کہ دنیا سے انسانیت کو ہمیشہ جس چیز کی تلاش

دہتور رہی ہے، وہ آج تک اُسے میسر نہیں آ سکی، قرآنِ حکیم جو کائنات میں تنہا علومِ یقینیہ کا منبع ہے،

اور تاریخِ الامم میں غور و فکر کرنے کے بعد ہم صرف اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ زمانہ کے مختلف ادوار میں جب

بھی کسی قوم کو عروج و ترقی کے مواقع حاصل ہوئے، تو اس نے اپنے حاکمانہ اغراض و مصالح کے پیشِ نظر

دوسری اقوام کو مشقِ ستم بنایا، بلکہ قوم کے کسی مخصوص فرقہ و طبقہ کو اگر اقتدار حاصل ہوا تو اس نے اپنی

ہی قوم کے دوسرے فرقوں کے ساتھ ایسا سفاکانہ سلوک کیا، کہ نسلِ انسانی ان کی وحشت و بربریت

پر ہمیشہ قائم کرے گی، رسولِ عربی ﷺ کی ہشت سے قبل عیسائیت کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے،

قبیلوی اور نسلی عصبیت، فرقہ وارانہ عناد اور مذہبی تعصب کے جو مناظر اس دور میں دیکھے گئے، اُن کے تصور سے بھی رنگے کھڑے ہو جاتے ہیں، مگر انسانیت کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ کسی قوم نے اپنے جان لیوا اور سخت متعصب دشمنوں سے ہمدردانہ سلوک کیا ہو، صرف مسلمان ہی وہ سب سے پہلی اور آخری قوم ہے کہ اُس نے اپنے دشمنوں سے بھی مروت و احسان کا بے نظیر سلوک کیا، جنھوں نے مسلسل اکیس سال تک ان کو ایک لمحہ بھی امن و چین سے نہ بیٹھے دیا، اور چودہ سال تک مکہ کی بستی میں مسلمانوں پر جبر و تشدد کی انتہا کر دی تھی، آخر میں مسلمانوں نے تنگ آکر اپنے گھر دن اور مال و متاع کو خیر آباد کہا اور مدینہ منورہ کو اپنا مسکن و مستقر بنایا، مگر یہاں بھی ان کو دم نہ لینے دیا گیا،

فتح مکہ کا واقعہ اگرچہ اس سیاق سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے تاریخ اسلامی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اس واقعہ نے اس کو تاریخ عالم کا ایک بے مثال واقعہ بنا دیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ان شقی القلب اور سفاک دشمنوں سے جن کی خون آشام تلواروں سے اب تک مسلمانوں کا خون ٹپک رہا تھا، ایسا فراخ دلانہ سلوک کیا کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سہ ماہ میں افواج اسلامی نے مکہ کی جانب یلغار کر کے اور مکہ معظمہ سے قریب ایک مقام (درانظران) میں قیام کیا، ادھر مکہ والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے چند آدمیوں کو جاسوسی کی غرض سے بھیجا جن میں ابوسفیان بھی شامل تھے، اتفاقاً ابوسفیان مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہو گئے، اور بارگاہِ رسالت میں پیش کئے گئے، اور وہ اسی مقام پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے جس وقت آنحضرت ﷺ نے اسلامی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا، تو فوج کو کئی دستوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایک طرف کھڑا کر دو کہ وہ اسلامی فوج کا مشاہدہ کرے، چوتھے دست کے سردار حضرت سعد بن معاذ تھے، انھوں نے ابوسفیان کو دیکھ کر نعرہ لگایا،

اليوم يوم الملاحمة اليوم آج خونریز لڑائی کا دن ہے، آج

تستحل الکعبة، کعبہ کی حرمت اٹھا دیا جائے گی،

آخری دستہ میں خود سہرا و وجہان صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تشریف رکھتے تھے، ابوسفیان نے سعد ابن عبادہ کے یہ الفاظ آپ کے گوش گزار کئے تو آپ نے فرمایا :-

کذب سعد ولكن هذا يوم سعد نے غلط کہا ہے آج خدا تعالیٰ

يعظم الله فيه الکعبة کعبہ کی عظمت کو دوبالا کرے گا،

اور فرمایا :-

اليوم يوم يرو و فاء آج احسان اور دنیا کا دن ہے،

چونکہ غزوہ احد میں شہر کے قریب مسلمان شہید ہوئے تھے، اور کفار مکہ نے کچھ لاشوں کی بے حرمتی بھی کی تھی اسلئے مسلمانوں نے قسم کھا رکھی تھی، کہ جب ہم ان پر غالب آئیں گے تو ایک ایک مسلمان کے بدلہ میں اہل مکہ کے دود و آدمی قتل کریں گے، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی،

و ان عاقبتہم فاعقبوا و بئس ما اگر تم بدل لینا چاہتے ہو تو تمہاری بد روجہنا

عواقبتہم۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ تمہارا ساتھ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ

فَإِنْ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ، (الحمل) زیادہ بہتر ہے،

جب آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا،

لا قریش بعد اليوم آج سے قریش کا وجود باقی نہ رہے گا،

آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا،

كفوا عن القوم الا اربعة، سو اسے چار آدمیوں کے کسی کو قتل

(نرمذی) نہ کیا جائے،

ان لوگوں نے مکہ میں مسلمانوں پر چوردیا تیان کی تھیں، اُن کے تصور سے بھی سینہ کانپ اٹھتا ہے، مگر وہی مظلوم مسلمان فاتحانہ طور پر اُس شہر میں داخل ہوئے، جس سے وہ بیکسی کی حالت میں نکالے گئے تھے، اگر وہ چاہتے تو ان کینہ پر در اور منصب دشمنوں کا ایک فرد بھی زندہ نہ باقی رہتا، اور جنگ کے عین کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا جائے، مگر رحمۃ اللہ علیہم کے سامنے جب ان ظالم اور سفاک انسانوں کو پیش کیا گیا، تو آپ نے ان کی تمام سفاکیوں کو نظر انداز کر کے امن عام کا اعلان کر دیا، اور عام مسلمانوں نے ان پر مکمل قابو پالینے کے باوجود اُن کی طرف سے کچھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ صرف اس لئے کہ دنیا یہ جان لے کہ اسلام ساری انسانیت کا دروے کمر آیا ہے، اور بلا لحاظ مذہب ملت تمام نوع انسانی کے لئے ہدایت کے ساتھ امن و راحت کا ابدی پیغام ہے،

ہست این میکدہ دعوت عام است اینجا

قسمت باوہ باندا زہ جام است اینجا

اقوام عالم کی تاریخ میں اس قسم کی کوئی مثال نہیں مل سکتی، ازمنہ مظلمہ کا ذکر چھوڑے موجود مذہب اور تمدن حکومتوں کے جگہ آئین (مارشل کورٹ) کا بغور مطالعہ کیجئے، اور گزشتہ جنگوں کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنے، کہ یہاں جگہ بھر مون کے ساتھ کیا ذلت آئین اور ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے،

یہ صرف زمانہ رسالت کا ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے، ورنہ اسلام کے دوران میں مسلمانوں کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئیں، انھوں نے ہمیشہ مفتوح اقوام سے نہایت ہمدردانہ اور فراموشی کا سلوک کیا، یہاں تک کہ وہ لوگ ان کے بند اخلاق، شرافت، نفس اور کردار کی پاکیزگی کو دیکھ کر دل و جان سے ان کی حمایت کا دم بھرنے لگتے تھے، فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں فلسطین بھی اسی طرح فتح ہوا، اور خود حضرت عمرؓ نے جس روز اسی اور فرارخ دلی کا ثبوت دیا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں

آنحضرت ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب کسی علاقہ کی طرف لشکر روانہ کرتے تو امیر بجیش

کو ہر طرح محتاط رہنے کی ہدایت فرماتے،

عَنْ يَزِيدَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ

بَنِي كَرِيمٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبَّ كَيْسِي لَشَكْرِ بْنِ

مَقْرَرٍ فَرَمَاتُ تَحْتِ، تَوَاسِ كُوْخُفِ خَدَاكِي

سَرِيَّةٍ وَأَصْلًا بَتَقْوَى اللَّهِ الْحَدِيثُ ۱۰

(ترمذی)

وصیت کیا کرتے تھے،

غیر مسلم رعایا اور اسلام | جب اسلام متحارب اقوام پر غلبہ پالینے کے بعد ان کے ساتھ احسان، عروت اور رحم و مہن کی تعلیم دیتا ہے، تو یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے، کہ ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا ظالمانہ برتاؤ کیا جائے، جو باقاعدہ طور پر اسلامی حکومت میں رعیت کی حیثیت سے رہتے ہیں، اسلام نے ان کو بڑی نیا ضی سے ہر قسم کے حقوق (حریت، اجتماع اور آزادی فکر) دیئے ہیں،

اسلام میں عصمت اموال و انفس یعنی جان و مال کی حفاظت کے دو سبب قرار دیئے گئے ہیں اسلام اور معاہدہ ۱۰ اول الذکر صورت تو ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور ثانی الذکر یعنی معاہدہ کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) عہد الذمہ :- یعنی غیر مسلم اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی حکومت کے حوالہ کر دیں، اور رعایا

کی حیثیت سے نظام اسلامی کے ماتحت رہنا منظور کریں،

(۲) معاہدہ امن :- غیر مسلم حکومت اسلامی میں تجارت یا اور کسی مقصد کے لئے آئیں، اور امن

کے طالب ہوں،

(۳) سیاسی معاہدہ :- اہل کفر ایک مستقل فرقہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ جگہ نہ کر

اور عارضی یا مستقل طور پر باہم دوستانہ مراسم قائم رکھنے کا معاہدہ کریں،

جہاں تک اہل الذمہ یعنی رعایا کا تعلق ہے، اسلام نے ان کو ہر طرح کی مذہبی، اقتصادی، معاشی،

اور فکری آزادی عطا کی ہے، اور عام انسانی حقوق میں ان کو مسلمانوں کے برابر قرار دیا ہے، اس کے علاوہ معاملات عامہ میں وہ بھی ہر قسم کے نفع و ضرر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہیں، یعنی مخصوص عقائد اور عبادات کو چھوڑ کر باقی ان امور میں جن کا تعلق اجتماع (سوسائٹی) سے ہے، وہ بالکل مسلمانوں کی طرح ہیں،

قَاتِلُوا بَنِي لُؤْلُؤًا وَلِهَارَ وَالْمَسْلُومِينَ  
اگر وہ جزیہ دینا قبول کر لیں تو پھر ہر قسم  
وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَى الْمُسْلِمِينَ کے نفع و نقصان میں مسلمانوں کے ساتھ

فَاَنْ قَبِلُوا بَنِي لُؤْلُؤًا (ہدایہ کتاب الیر)

شریک ہیں،

ان کے جان و مال کی حفاظت حکومت اسلامی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مسلمانوں کی جان و مال کی، یہاں تک اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے، تو حاکم و محکوم کے امتیاز قطع نظر قاتل کو قصاص کے طور پر موت کی سزا دی جائے گی،

قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَنْ كَانَ

جو ہمارے عہد میں آجائے، تو اس کا

لَهُ ذِمَّةٌ فَدَمَهُ كَدَمَاؤِ ذِمَّتِهِ

خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی

کدیتنا دروا لا الد (قطعی فی سننہ)

دیت ہماری دیت کے برابر ہے،

خلافت راشدہ کے عہد میں ذمیوں کے حقوق کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا کہ خلیفہ دوم نے موت سے قبل ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص وصیت فرمائی،

عَنْ عُمَرَ قَالَ أَوْصَى الْخَلِيفَةُ مَنْ

میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اہل الذمہ

بَعْدِي بِأَهْلِ الذِّمَّةِ أَنْ

کے معاملہ میں وصیت کرتا ہوں، کہ ان

يُوقَى لَهُمْ بَعْدُ هَرَوَان

کے عہد کو پورا کیا جائے، اور ان کی خطا

يُقَاتِلُ مَنْ وَرَأَيْهِمْ وَلَا يَكْفُرُوا

کے لئے جنگ کی جائے اور اس کی طاقت

فوق طاقتھو، (کتاب الحزاج) زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈال دیا جائے،

فتح شام کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ کو ایک فرمان لکھا تھا، جس کے چند الفاظ یہ ہیں

وامنع المسلمین من ظلیہو مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، ان کو

والاضرار بھووا کلھووا نقصان پہنچانے، اور ان کا مال ناجائز طریقہ

واوف لھو بشرطھو الذی پر کھانے سے منع کرو، اور جس قدر حقوق

شرطت لھو فی جمیع ما اعطیتھو تم نے ان کو دیئے ہیں، اور اس ضمن میں جو

(کتاب الحزاج) شرطیں ان سے مقرر ہوئی ہیں، ان کو پورا کرو،

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سولہ میدان جنگ کے ہر مال میں انسانی جان کے

احترام کو ضروری قرار دیتا ہے، اور پھر نفس انسانیت کے اعتبار سے ہر قسم کے طبقاتی، نسلی اور قبیلوی

امتیازات سے قطع نظر تمام انسانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے مسلمان اور

ذمی کے جان و مال میں تاوفا کوئی فرق نہیں رکھا ہے، چنانچہ . . . . . قصاص و دیت میں دونوں

مساوی درجہ رکھتے ہیں، البتہ بعض ائمہ اس کے خلاف ہیں،

ان ابابکرؓ و عمرؓ کا نامی بجلان حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ یہودی اور نصرانی

دیۃ الیہودی والنصرانی کیا دیت ان کے معاہدہ ہونے کی حالت

اذا کا نامعاہدین دیۃ الحزۃ میں آزاد مسلمان کی دیت کے برابر

المسلو، (دارقطنی) قرار دیتے تھے،

اسلامی عدالت میں جب اس قسم کا مقدمہ پیش ہوتا، جس میں ایک فریق غیر مسلم ہوتا تھا، تو قانون

شرعی کے مطابق پورے انصاف سے فیصلہ کیا جاتا تھا، اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں، کہ مسلمان کے

مقابلہ میں غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا گیا،



اسی طرح مال و جائیداد کی حفاظت اور اقتصادی اور معاشی آزادی کے لحاظ سے بھی اسلام نے غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کے برابر، اور ان کے اموال کو اموالِ مسلمین کی طرح معصوم قرار دیا ہے، یہاں تک کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں مفتوحہ ممالک کی زمینیں اصل باشندوں کے قبضہ میں رہتی تھیں، اور مسلمانوں کو ان کو خریدنے سے منع کر دیا گیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اہل عرب کو زراعت سے روک دیا تھا، اور تمام انصرون کے نام احکام بھیج دیئے، کہ مسلمانوں کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں تاکہ کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر میں شریک ابن سہمی نے اس حکم کی خلافت وزری کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی،

”میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو آئندہ مسلمانوں کے لئے عبرت ہوگی“

اسی طرح غیر قوموں کی تجارت پر کسی طرح کی پابندی نہیں تھی، بلکہ بعض حالات میں مقررہ ٹیکس کی مقدار بھی کم کر دی جاتی تھی، تاکہ باہر کے تجارت پیشہ لوگ ملک میں تجارت کو فروغ دے سکیں حضرت عمرؓ نے شام کے قبلی تاجروں کے لئے جو روغن زیتون اور گہوٹوں کی تجارت کرتے تھے، عشر کو نصف کر دیا تھا، (موطا امام مالکؒ)

اسی طرح حکومت کے ان معاملات میں جن کا تعلق مفاد عامہ سے ہوتا تھا، ان کو اسے دینے کا حق ہوتا تھا، اور ان امور میں جن کا تعلق خود ان کے معاملات سے ہوتا تھا، ان کی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی، چنانچہ عراق کے بند و بست کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے دہان کے سرکردہ لوگوں کی رائے طلب کی تھی، (کتاب الخراج)

جزیرہ کی وصولی میں رعایتِ ذمیوں کے حقوق کی نگرانی اور فوجی حفاظت کے بدلہ میں ان سے نہایت حقیر رقم وصول کی جاتی تھی جس کو جزیرہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگوں سے ۴۴۴م (۱۲۲ روپیہ) سالانہ، متوسط طبقہ سے ۲۲۲م (۶۶ روپیہ) سالانہ اور عام پیشہ وروں سے ۱۲۲م (۳۳ روپیہ) سالانہ

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں سے زکوٰۃ عشر اور دوسرے صدقات کے طور پر جو رقم وصول کی جاتی تھی وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہوتی تھی،

جزیرہ کی اس حقیر سی رقم کی وصولی میں بھی انتہائی احتیاط اور نرمی اختیار کی جاتی تھی، کسی قسم کا جبر نہیں کیا جاتا تھا مگر ان کو زیادہ سے زیادہ رعایت دی جاتی تھی، اور اگر کوئی نادار اور محتاج ہوتا تو اس کے لئے بہت المال سے وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں حضرت خالدؓ کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں یہ شرط بھی داخل تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانہ خلافت میں اس کا التزام کیا، یعنی ذمیوں کے ناداروں اور مرلفیوں کے وظائف مقرر کئے گئے،

مسلمانوں کے حق کو دارِ اسلامیوں کے اس منصفانہ طرزِ عمل سے یہ لوگ اس قدر مطمئن تھے، کہ اختلافِ مذہب کے باوجود وہ مسلمانوں کی بلندی کردار کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ کی خدمت میں ایک فدایا آپ نے ارکانِ وفد سے دریافت کیا کہ کیا ذمیوں کو مسلمان تنگ کرتے ہوں گے؟ اس کے جواب میں سب نے یک زبان ہو کر کہا

ما نعلم الا وفاء و احسن مملکتہ

ہم مسلمانوں کی نسبت دفا اور حسن اخلاق

کے سوا کچھ نہیں جانتے، (طبری)

فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں جب آذربائیجان کا علاقہ فتح ہوا، تو عبدالرحمن بن ربیعہ کو اس علاقہ کا گورنر بنایا گیا، ایک دفعہ ایک سابق بادشاہ کا ایک شاہزادہ اُن کے پاس آیا، اُس کے ہاتھ میں ایک نہایت خوبصورت انگوٹھی تھی، عبدالرحمان بن ربیعہ نے دریافت کیا، کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ کہا میرے باپ نے ایک حکمران کو لکھا تھا، اس نے ایک بیش بہا میرا بھیجا، جو اس انگوٹھی میں جڑا ہے، اگر آپ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، عبدالرحمن بن ربیعہ نے جواب دیا ہرگز نہیں، مسلمان جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو اس

مقصود صل و جواہر اور سونا چاندی نہیں، بلکہ اعلاے کلمۃ الحق ہوتا ہے، ان کے اس طرز عمل سے شاہنشاہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہٴ گوش اسلام ہو گیا، اور کہا کہ اگر کوئی ایسا ان کا حکم ہوتا تو مجھ سے جبراً بچھین لیتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان کا کہہ کر اور بہت بلند ہے،

رومی اگرچہ مذہباً عیسائی تھے، مگر شام کے عیسائیوں نے رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا، اور مسلمانوں کے دست راست بن گئے،

فَلَمَّا رَأَى أَهْلَ الذِّمَّةِ وَفَاءَ      جب ذمیوں نے مسلمانوں کی دوا اور حسن

الْمُسْلِمِينَ لَهُمْ وَحَسَنَ السَّيْرَةِ      سیرت کو دیکھا تو وہ مسلمانوں کے دشمنوں

فِيهِمْ صَارُوا اِشْدَادًا عَلَى عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ      کے مقابلہ میں سخت اور ان کے خلاف مسلمانوں

وَعَوَّاهًا لِلْمُسْلِمِينَ عَلَى اَعْدَائِهِمْ      کے حامی بن گئے،

تو نخل خوش ٹرے کی سی کہ باغ دچمن      ہمہ زرخیزش برید مذہباً تو پیوستند

بین الاقوامی معاہدات کا احترام | معاہدہ کی تیسری قسم جس کو سیاسی معاہدہ کا نام دیا گیا ہے، وہ

معاہدہ ہے جو ایک یا ایک سے زائد اقوام کے ساتھ عمل میں آتا ہے، خواہ یہ معاہدہ مستقل اور غیر معین

عرصہ کے لئے ہو، یا معین مدت کے لئے اسلام میں ایسے معاہدات کا احترام ہر حال میں ضروری ہے،

جب تک کہ دوسری طرف و نقض عہد کی ابتداء نہ ہو، دوسری طرف اگر نقض عہد ہو تو اس صورت میں کسی خلائی ضابطہ کی رو سے

معاہدہ کی پابندی لازمی نہیں ہوتی اس بنا پر قرآن کریم بھی مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے، کہ وہ اس

صورت میں عہد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑے ہو جائیں،

وَأَمَّا خَائِفَتُكُمْ فَوَاحِشَةً      اگر آپ کو کسی قوم سے نقض عہد کا اندیشہ ہو

فَانْزِلْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ،      تو آپ بھی ان کے معاہدہ کو ان کے منہ

پر پھینک ماریں،

موجودہ اقوام بین الاقوامی معاہدات کی جس طرح مٹی پلید کرتی رہتی ہیں، وہ انسانیت کی پیشانی پر بدنامہ داغ اور اخلاق و شرافت کے لئے باعثِ ننگ ہے، ان کے نزدیک معاہدہ کمزوریوں اور مجبوریوں کی پیداوار ہے، اور مجبوری ختم ہوتے ہی معاہدہ کی قدر و قیمت کاغذ کے پرزے سے بھی کم رہ جاتی ہے، اس کی وجہ اقوامِ حاضرہ کی مادہ پرستی اور اخلاق و روحانیت سے بے نیازی ہے جن قوموں میں قومی اور اجتماعی مقاصد کی خاطر بڑے سے بڑا جرم بھی نیکی اور ثواب کا درجہ رکھتا ہے، اُن سے یہ کسی طرح بعید نہیں کہ وہ کسی ایسے مفاد کے لئے دو قوموں کے شریفانہ معاہدہ کے پُرزے اڑائیں آج نہیں بلکہ ہمیشہ سے اہل کفر کا یہی شعار رہا ہے،

قَاتِلُوا اَئِمَّةَ الْکُفْرِ اِنَّهُمْ  
کَرُوْا یَتَمَوْنَ کَے پابند نہیں ہیں تاکہ وہ  
یَنْتَهَوْنَ، بدعہدیوں سے باز آجائیں،

اسلامی نظریہ سیاست کی بنیاد اخلاق اور مابعد الطبیعی تصورات پر ہے، اس لئے اسلام کسی حالت میں عہد شکنی کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ عہد کی پابندی نہ کرنے والوں کو سخت سزا کی دہکی دیکھی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے متباہر اقوام کے مقابلہ میں مسلمانوں کی امداد و اعانت سے بھی منع کر دیا ہے،

وَاَنْ اَسْتَنْصِرُ وَکُمْ فِی  
الدِّیْنِ فَخَلٰیکُمْ النُّصْرُ الْا  
عَلٰی تُوْہِیْ بِنِکْمٍ وَّ بِلِیْنِهِمْ  
مِیْنًا ق

مقابلہ میں نہیں کہ تم میں اور ان میں باہم

عہد صلح کا ہو،

(انفال-۱۰)

نیز اسلام میں پابندی عہد کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اسلامی فوج کا ایک ادنیٰ فرد کفار کے کسی فرد یا قوم سے معاہدہ کر لے، تو اسلام میں تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازمی ہے،

المسلمون تتكا فؤد ماؤھو  
مسلمانوں کے نفوس دشریف ووضیح  
وسیعاً بدن متھو ادناھو  
کے علی الرغم قصاص و دیت میں مساوی  
(اے اقلھو وھو الواحد)  
ہیں، ان میں سے کسی ایک کا کفار کے  
کسی فرد یا جماعت سے عہد کرنا تمام  
(اخرجہ الدارقطنی وابن ماجہ)  
مسلمانوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے  
(باقی)

### انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جس کو پڑھکر یہ معلوم ہو سکتا ہے، کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں،  
ضمیمہ ۱۶۲ صفحہ قیمت ۴۰

### روح الاجتماع

موسیو لیبان کی کتاب جماعتوں کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، پسند و نہیانوں کی خصوصیات، اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کر گئے ہیں، ضخامت ۲۲۲ صفحے،

قیمت :- ۴۰

”نیچر“

# کتابخانه الیمی اسلامک سیرج آل ینام مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

کے

## چند نادرا و موجود مخطوطات

از

مولوی عبد الحمید خان صاحب ریڈر شعبہ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن  
 گذشتہ فردوسی مین کانفرنس کے سالانہ جلسہ سے فرانک کے بعد حضرت قبلہ نواب  
 صدیق جنگ بہادر مدظلہ العالی کے ارشاد سے کتابخانہ سلطان جہان منزل کا  
 فارسی ذخیرہ دیکھنے کی سہرت حاصل ہوئی، جناب ممدوح کا حکم تو یہ تھا، اگر عربی  
 اور فارسی کتابوں کی فہرست از سر نو مرتب کر دی جائے، مگر میرے حیدرآباد وٹو  
 میں صرف چار روز رہ گئے تھے، تین روز کی قصیدت میں سب کو فن دار ترتیب دینا  
 اور مختصر سا مختصر نوٹ لکھنا بھی دشوار تھا، اس لئے اپنی حالیہ مشغلہ اور کچھ پی کے  
 لحاظ سے فارسی کتابوں میں نفیس ان کی نمایاں یا ان کی تحریر کی مدد یا تحفہ  
 کی خوبی وغیرہ کی حیثیت سے جو نادرا اور کمیاب نسخے نظر آئے، خاص کر ان پر ملاحظہ  
 مطالعہ کے بعد جیسے کچھ توضیحی نوٹ بن چکے، لکھ کر جناب ممدوح کی خدمت میں  
 پیش کر دئے، میں جانتا ہوں کہ ان میں بہت کچھ اضافہ کی گنجائش ہے، جس کو  
 مجھ سے زیادہ فرصت اور قابلیت رکھنے والے اصحاب انشاء اللہ پوری کر دیں گے

پھر بھی اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کے لئے جناب ممدوح نے ازراہ بزرگانہ شفقت یہ عبارت  
 تحریر فرمادی جس کو تبرک کے طور پر میں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے،  
 ”میں نے فرست ہذا پر بھی، کاوش اور تحقیق سے کھنی گئی ہے، جس کی بابت شکریہ جناب فرست  
 کا نفرین ادا کیا جاتا ہے،

(حبیب الرحمن سکریٹری)

مندرجہ ذیل کتابوں پر میرے اپنے ترتیبی نمبر ہیں، اکتا بنخانہ کی فرست میں ان کے نمبر اور ہیں  
 و ما توفیقی الا باللہ،

(۱) ثنوی ولدی در بیان اسرار احدی، اس مجموعہ میں دو مثنویاں ہیں، جو حضرت مولانا  
 جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت سلطان ولد کی تصنیف ہیں،  
 پہلی ثنوی کا وزن ”فاعلاتن مفاعلن فعلی“ ہے،

سلطان ولد نے اس کی جو وجہ تصنیف لکھی ہے، وہ انہی کے الفاظ میں زیادہ لطیف لگی

غرض از انشاء ابن ثنوی ولدی در بیان	ترجمہ طعنا، ثنوی ولدی در بیان اسرار
اسرار احدی آن بود کہ حضرت و الدم و	احدی کھنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت والد
ششم سلطان العلماء و العارفین جلال اکتی	نے اپنی ثنوی میں پچھلے ادیب کے جو قصے
والدین محمد بن محمد بن حسین البیہقی، و ثنوی	ان کی کرامات و مقامات بیان کئے ہیں،
خود قصہ ہمدانی و گزشتہ را ذکر کردہ است بکرامات بیضا	اس سے ان کا مقصد اپنے کرامات و مقامات
ایشان و بیانی فرمود غرض از قصہ ہاشمیان ائمہ گرامت	اور ان ادیب کے (کرامات و مقامات)
و مقامات خود مولانا و ادیب کے ہمہ دل و ہمہ	کا اظہار تھا، جو ان کے ہمہ دل و ہمہ
بوندش سلطان الاولیٰ سید برہان الدین	ہم نشین تھے اس لئے اپنے اور ان کے

عقوت ترمذی، و سلطان المجددین المستقرین  
 شمس الدین تبریزی و قطب الاقطاب  
 صلاح الدین زرکوب قنوی و زہدۃ  
 الاولیاء و السالکین، حسام الدین چلی  
 ولد اخي اخي ترک قنوی .....  
 احوال خود را و احوال ایشان را بواسطہ  
 قصہ ہائے پیشینہ آنجا درج فرمود  
 خوشتر آن باشد کہ بہر دلران  
 گفتہ آید در حدیث دیگران  
 لیکن چون بعضی را آن فطانت و زیرکی  
 نبود کہ منہ و مہ حال را فہم کنند و غرض ادا  
 بدانند، درین تمنوی مقامات و کرامات  
 حضرتش و ازان صاحبان کہ ہمدرد بودند  
 ..... شرح کردہ شد تا مطالعہ کنندگان  
 مستحسان را معلوم شود کہ آن ہمہ احوال اُ  
 و مصاحبان بودہ است تا شبہ و گمان  
 از ایشان بردہ

اس تمنوی کا آغاز ابتدا سے ربیع الاول ۸۶۰ء میں ہوا، اور تکمیل اسی سنہ کی چوتھی جمادی الثانی  
 کو یعنی دو بیسے میں ختم ہوئی،



مطلع این بیان جان افزا  
بود در شش صد و نو دیا را  
گفتہ شد اول ربیع اول  
گر فزون گشت این مگر طول  
مقطعش ہم شد ست اسے فاخر  
چارمین مہ جاد ہی آخر  
دوسری ثنوی کی بحر ہی ہے، جو ثنوی مولانا روم کی ہے، اس کی وجہ تصنیف یہ لکھتے ہیں کہ  
بزرگے از بزرگان اہل دل بطریق اعتقاد  
دخض ترجمہ اس ثنوی کے لکھنے کا سبب  
واسدہ ماکرد و التماس نمود کہ وزن الہی ناما  
ہو کہ ایک اہل دل بزرگ نے عقیدہ زندانہ  
خواہد شائی رحمۃ اللہ علیہ کتابے انشا فرمود  
درخواست کی کہ خواہد شائی کی ثنوی الہی ناما  
واقع است کہ ہر وزن ثنوی خداوند کا مولانا  
قدس سرہ العزیز ثنوی انشا فرماید، جہت  
خاطر دو شان کہ بران وزن اللہ خواند نیاید  
خو کر وہ اندواین وزن در طبقات نشستا  
کتا بے دیگر با زید، زیرا کہ ہر نظم کہ گفتہ آ  
بطریق متبع و تشبہ حضرتش بودہ است ہمہ  
وزن کتا بے ساختن اولی بود زیرا کہ معنی  
متابعت و مشابہت درین اجل و اکمل  
بوجہ التماس آن بزرگ و جہت آن کہ  
نے بھضرت مولانا قدس سرہ العزیز فرماد  
و منسوب است این ثنوی را اندواین باب  
آغاز کردہ شد

بود در شش صد و نو دیا را  
گر فزون گشت این مگر طول  
چارمین مہ جاد ہی آخر  
دوسری ثنوی کی بحر ہی ہے، جو ثنوی مولانا روم کی ہے، اس کی وجہ تصنیف یہ لکھتے ہیں کہ  
بزرگے از بزرگان اہل دل بطریق اعتقاد  
دخض ترجمہ اس ثنوی کے لکھنے کا سبب  
واسدہ ماکرد و التماس نمود کہ وزن الہی ناما  
ہو کہ ایک اہل دل بزرگ نے عقیدہ زندانہ  
خواہد شائی رحمۃ اللہ علیہ کتابے انشا فرمود  
درخواست کی کہ خواہد شائی کی ثنوی الہی ناما  
واقع است کہ ہر وزن ثنوی خداوند کا مولانا  
قدس سرہ العزیز ثنوی انشا فرماید، جہت  
خاطر دو شان کہ بران وزن اللہ خواند نیاید  
خو کر وہ اندواین وزن در طبقات نشستا  
کتا بے دیگر با زید، زیرا کہ ہر نظم کہ گفتہ آ  
بطریق متبع و تشبہ حضرتش بودہ است ہمہ  
وزن کتا بے ساختن اولی بود زیرا کہ معنی  
متابعت و مشابہت درین اجل و اکمل  
بوجہ التماس آن بزرگ و جہت آن کہ  
نے بھضرت مولانا قدس سرہ العزیز فرماد  
و منسوب است این ثنوی را اندواین باب  
آغاز کردہ شد

اسی بزرگ کے التماس سے اور اس نے

بھی کہ (لفظاً) نے حضرت مولانا رحمہ اللہ

کے ساتھ مخصوص و منسوب ہے، اس

ثنوی کو رہا کیے لفظ سے شروع کیا گیا،

اس ثنوی کا آغاز ستائیسویں ہجری میں ہوا، اور تکمیل تقریباً ۵ مینہ میں اسی سنہ کی

ذی الحجہ کو،

رد و لغزش کش این سرور از گرہ داری در درون دریائے ناز

غزوہ شبنان شد آغاز کتاب در سنہ سبع مائتہ ہر ثواب

درمہ ذی حجب شد ہم این تمام تا نامد بر خور معنی عنمام

دو دن ثنویوں میں ہر نظم سے پہلے چند سطر کی عنوانات ہیں جن میں ان چیزوں کی

محقر تشریح ہے، جن پر اشعار میں خیال آرا کی گئی ہے،

دو دن کے ششستہ اور پختہ الفاظ اور حجت بند شین مصنف کو کمال شاعری اور پختہ شقی

کی دلیل ہیں، سہیلی ثنوی کا انداز بیان مولانا رحمہ اللہ کی ثنوی سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ اگر دونوں

کے اشعار ملا دیے جائیں تو فرق کرنا دشوار ہو جائے گا،

پہلی ثنوی کے دیباچہ میں اپنی غزلیات اور ان میں حضرت مولانا کے خیالات اور

اسلوب بیان کے ساتھ تشبیہ و تمثیل کا بھی ذکر کیا ہے، یہ ثنوی حجم میں دوسری ثنوی

سے کم ہے،

اس مجموعہ کی تیسویں تقریباً، جدیدین کاغذ اور خط بالکل یکساں ہے، چند صفحوں کے سوا

جو بچا نستعلیق میں ساری کتاب نسخ میں ہے، اور ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کتابت

اپنا نام نہیں لکھا صرف تاریخ اور ستہ کتابت لکھ کر چھپوایا ہے،

”تت الکتاب سہ شنبہ روز ہینزدہم ماہ محرم الحرام سنہ اثنین و ستین و سبعمائتہ

(۱۶۲ھ ہجری)

یہ مجموعہ ہر اعتبار سے قیمتی اور قابلِ قدر ہے،

(۲) تحفۃ الاخبار، یہ مدرّس کرناٹک اور میسور کے مقامی حالات کی عمدہ تاریخ ہے، جس کو منشی غلام حسین خان نے ایلیٹ صاحب گورنر مدرّس کے عہدِ حکومت میں لکھا ہے، اس میں پانچ فصلیں ہیں،

پہلی فصل میں ان روسا کرناٹک کے حالات ہیں جو عہدِ عالمگیری سے ۱۲۱۵ھ ہجری تک برسرِ امارت رہے ہیں،

دوسری فصل میں مدرّس کے گورنروں اور اہل ان کے طرزِ حکومت کا ذکر ہے،

تیسری فصل میں انگریزی قوانین کے متعلق اظہارِ رائے کیا گیا ہے،

چوتھی فصل میں انگریزوں کی معاملہ فہمی اور عدل و انصاف کا بیان ہے،

پانچویں فصل میں کرناٹک کے قدیم جاگیرداروں اور باجگزاروں کے حالات ہیں، یہ

حالات و واقعات کس حد تک صحیح اور قابلِ اعتماد ہیں، اس کا فیصلہ تاریخ دان ہی بہتر کر سکتا ہے،

زبان فصاحت و روان ہے، کاغذ قدیم مہتری مائل خط عمدہ اور تقیظ بڑی صفت کی تعداد

۱۶۱۷ سنہ تصنیف ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۵ء ہجری بمبئی میں لکھی گئی ہے،

(۳) لغات عالمگیریہ، فرستہ میں اس کا نام صحاح اللغات غلط درج ہوا ہے، مصنف

فاضل خان آٹرا سے عالمگیری میں سے ہے، غالباً دربار شاہی میں تحفہ پیش کرنے کی غرض سے جیسا کہ

دیباچہ میں اشارہ کیا ہے۔

”خانہ تحفۃ والہدیہ الی الملک الہمام.....“

لکھ کر اس کا نام تحفہ عالمگیر رکھا ہے،

یہ نعت کی ایک محققانہ اور بسوط کا کتاب ہے، قرآن مجید احادیث رجال و انسائیکلوپڈیا نیر  
مشائخ کے ان محاورات کی تشریح جن میں علماء کو اختلاف رہا ہے، بہت خوبی سے کی ہے، جن  
الفاظ کے ساتھ تاریخی واقعات یا مذہبی خیالات وابستہ ہیں، ان کو پوری تفصیل اور جامعیت سے  
لکھا ہے، مصنف کو زبان اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہے یہ کتاب کیا باب ہے، دیکھنا تو نہیں  
سنا ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتاب خانہ آصفیہ میں بھی ہے، تقطیع بڑی ہے، کاغذ قدیم خالی مگر خط زیادہ  
قدیم نہیں معلوم ہوتا، ناقص الآخر ہونے سے نہ کتاب کا پتہ نہیں چلا،

(۴) مکتوبات حضرت امام ربانیؒ، اس کتاب کا جامع اور مؤلف یار محمد بدخشی طالقانی ہے  
بہت عمدہ اور بے عیب نسخہ جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں کسی امیر ہدایت اللہ خان نامی کی فرمائش  
سے لکھا گیا، کاتب کا نام محمد بیگ ہے، اسنہ و تاریخ کتابت نمبر ۵ و جب شمسہ جلوس، آخری صفحہ  
پر سید غلام خواجہ جامی کی تحریر انہی کے قلم کی لکھی ہوئی عبارت ہے  
”بدست خود مہر کہ دم شب، اصغر المظفر ۱۲۴۵ھ“

(۵) تصحیح لغات فرس، یہ کتاب شاہ طہاسپ صفوی کے عہد کی تصنیف ہے، مصنف حسین  
دہلوی نے دیا چہرہ میں لکھا ہے، کہ اس کے لغات تین رسالوں سے ماخوذ ہیں جن میں سے ایک محمد بن محمد  
خز الدین ہندو شاہ منشی نے خواجہ محمد غیاث الدین محمد رشید کے نام پر لکھا ہے، دوسرا شمس خزری  
نے امیر شیخ ابوالفتح بن امیر محمود شاہ انجو کے نام پر، تیسرا شمس الدین محمد کشمیری نے،  
اکثر لغات کے شواہد میں اساتذہ کے اشعار بھی درج کئے ہیں، یہ نعت ہے تو مختصر سا مگر بہت مفید  
اور بصیرت افروز ہے، خاص بات یہ کہ ایران میں تصنیف ہوا، ورنہ فارسی کے اکثر مردچہ لغات ہندوستان

میں تصنیف ہوئے ہیں۔

تقیطیح چھوٹی کاغذ باریک اور خط پختہ ہے۔ ۱۰۰ اشوال ۹۴۱ میں تمام احمد لکھا گیا ہے۔

(۶) درج الس، مصنف سیف ظفر بہان، یہ کتاب ۳۳ ابواب مشتمل ہے، ابتدائی دس بابوں میں حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرور کائنات علیہ افضل التحیات تک انبیاء کے فضائل ہیں، باقی میں مذہبی قصص و حکایات، کتاب کا نام محمد طاہر ابن محمد حسین بن شمس الدین محمد ہے، لاہور میں ۴ رجب ۱۳۰۰ء جلوس عالمگیری میں لکھی گئی، نسخہ صاف اور خوش خط ہے،

(۷) ابیات میں کلمات الصوفیہ، یہ ایک چھوٹا سا چھوٹی سی تقطیح پر قدیم چھپا ہوا رسالہ ہے جس کو مصنف نے کسی امیر عبداللہ خان کے دربار تک رسائی کا وسیلہ بنانے کے لئے لکھا ہے، چھوٹی چھوٹی حدیثوں، اقوال صحابہ اور کلمات صوفیہ کا مفہوم چار چار مصرعوں میں ادا کیا ہے، اور چلی خط میں حدیث، یا قول صحابی یا کلمات صوفیہ لکھے ہیں، اور ان کے نیچے چار مصرعہ دیباچہ عربی میں ہے، جس کا صرف ایک درج رہ گیا، اور کتاب کے آخر میں لکھا ہوا ہے،

شاعر کے نام، تخلص اور زمانہ کا پتہ نہیں چلا، کلام کا انداز ایرانی ہے، اور طباعت بھی دہلی کی معلوم ہوتی ہے،

(۸) جنت الفردوس، مذہبی رسالہ ہے، اس کی اس تفصیل میں جن میں نماز، قرآن خوانی، اور صبر وغیرہ کے فضائل درج ہیں، کاغذ اور خط معمولی ہے، مصنف کا نام اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا، صرف اسناٹا طاہر ہوا کہ حاجی ابن ترک سلطان کمال الدین کے ایمان سے لکھا گیا ہے،

(۹) رسالہ در فقہ فارسی، ادلی اور آخر سے ناقص ہے، اس نے مصنف کے نام اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا، اس ۴۱ کے بعد والے دو صفحے غائب ہیں، کما حقہ وصیت اور قصاص وغیرہ کے مسئلے بحوالہ کتب والدہ مختصراً لکھے ہیں، مسائل کے ضمن میں بعض ائمہ فقہ کے حالات بھی درج کر دیئے ہیں، کاغذ

خانی قدیم اور رسم الخط نسخ ہے اور موجودہ صفحات کی تعداد ۲۶۱ ہے، بحیثیت مجموعی رسالہ بہت اچھا اور کارآمد ہے،

(۱۰) گننام رسالہ، فرست مین اس کا نمبر ۳۰ ہے، آگے گننام لکھا ہوا ہے، اس جلد میں پہلا رسالہ فقہی مسائل کا عربی میں ہے، جس کے نام اور مصنف کا پتہ نہ چلا، دوسرا رسالہ شیخ علی متقی کے رسالہ العبارة الفصیحة فی الوعظ والنبیحة کا پہلا حصہ ہے، مصنف کا پورا نام علی بن حسام الدین شہرہ متقی ہے، جلد ساز کی غلطی سے صفحہ ۵ اور ۶ کے درمیان ۵ ورق کسی اور رسالہ کے آگے ہیں جو عربی میں ہیں کاغذ چکنا اور قدیم ہے، تقطیع چھوٹی اور خط معمولی،

(۱۱) بدائع الانشاء اس کتاب کے سابق مالک عبدالغنی صاحب نقطہ نما پشتی قادری ساکن ننگرہ (ریاست حیدرآباد دکن) نے سرورق پر ایک مختصر سے نوٹ میں داد تحقیق یہ دی ہے کہ بادشاہ ہمایوں نے اپنے فرزند غزنی قرۃ العین رفیع الدین حسین کی تعلیم و تربیت کے لئے میرنشی یوسفی سے تصنیف کرائی، لیکن مصنف لکھتا ہے، کہ

”این رسالہ ایست مسخّی بہ بدائع الانشاء مشتمل بر محاورات خطاب و جوابی کہ بہت فرزند

غزنی قرۃ العین رفیع الدین حسین طالع عمره و سائر طالبان در حیر عبارت و قید

کتابت می آید،

اس عبارت کے انداز اور الفاظ کی نوعیت سے صاف ظاہر ہے، کہ یوسفی نے اپنے ہی بیٹے اور دوسرے طلبہ کے لئے یہ انشاء لکھی ہے، ہمایوں بادشاہ کا کوئی بیٹا رفیع الدین حسین نامی نہ تھا،

مقدمہ میں قابل مصنف نے انشاء کی تقسیم اس طرح کی ہے :-

”فن انشاء منقسم می شود، بدو قسم کیے قویات کہ مضامین آن منطقی بر مشہد و

احکام سلاطین و حکام است، و دیگر محاورات کہ ترکیب آن مواد و صور مکاتبات  
مفاوضات است"

و محاورات منقسم می شود بہ سه قسم از برای آنکہ خالی از ان نیست کہ رتبہ مکاتوب الیہ اند  
کاتبی بلند تر است یا فرد تو یا مساوی است اگر بلند تر است مراعات گویند اگر فرد کثر  
رتفاع و اگر مساوی است مراعات و ہر ایک ازین اقسام ثلثہ منقسم می شود بہ  
خطابی و جوابی"

نوند کے طور پر جتنے خطوط اور مراسلات درج کئے ہیں، ان میں الفاظ کا حسن انتخاب، فقرہوں کا  
در و بست، ان کی شستگی اور پختگی، مصنف کی اعلیٰ قابلیت اور پختہ مشقی کا روشن ثبوت ہے، سنہ تصنیف  
مصنف کے ان اشعار سے سنہ ۹۵۰ھ نکلتا ہے،

این نامہ کردست فی انشاء بہ نظام کردہ خودش بدائع الانشاء نام  
تکمرار کنی چونام اور ایک بار شک نیست کہ رہ بری بہ سال تمام  
بحساب حمل بدائع الانشاء کے اعداد ۴۰۰۰ ہوتے ہیں، جن کی تکمرار سے سنہ ہجری  
نکلتا ہے،

یہ کتاب بہت کیا ب ہے، یاد اگر غلطی نہیں کرتی، تو اس کا ایک نسخہ صرف راجپوت کے کتابخانہ  
میں سنا گیا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

صفحات کی تعداد ۲۶۲ ہے، انوس ہے کہ اخیر کے ۲۹ صفحے آدھے آدھے دیکھ کی نذر ہو گئے ہیں  
کاغذ خالی قدیم اور دیر ہے، خط نہایت عمدہ اور پختہ نستعلیق،

(۱۲) نمونہ نظامی اب تک جتنے نمونے نظر گذرے، ان میں یہ نمونہ ہر لحاظ سے بہترین ہے اس

مجموعہ میں ۶ نمونے ان ہیں،

مخزن اسرار، خسر و شیرین، پہلی تجنون، ہفت پیکر، سکند نامہ اور شرت نامہ، مندی ہفت پیکر  
 میں سات نگین تصویریں بھی ہیں جن کے رنگ و طرز سے معلوم ہوتا ہے، کہ راجپوتانہ کے انداز میں بنوائی گئی  
 ہیں، خط ایرانی ہے نہایت صاف اور بے عیب، قلم کی شان اول سے آخر تک ایک ہے، جدیدین طلائف  
 ہیں، شروع کے دو صفحے ایرانی نقاشی اور نازک ترین موقعا لاری کا بہترین نمونہ ہیں،  
 مجموعہ کے آخری صفحہ پر کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت لکھا تھا، مگر کسی احمق نے اس کو  
 اس بڑی طرح مٹایا ہے، کہ پتہ چلانا ناممکن ہو گیا ہے، ملاحظہ ہو :-

”قد فرغ الکاتب عن تسوید هذا الكتاب بعون الملک الوهاب  
 خمسة حضرات شیخ الاسلام و قطب المحققین شیخ نظامی قدس سرہ  
 العزیز علی ید العبد الضعیف الی رحمۃ اللہ الغنی .....  
 غفر ذنوبہ و ستر عیوبہ فی عاشر شہر رجب الاول سنہ ۹۶۳ھ  
 ثلاث و ستین و تسعمائة“

کاتب کی فطرت اور وراثتی روایت کے خلاف ہے، کہ وہ بجا بجا تصرف نہ کرتا جائے، اس  
 تصرف بجا و بجائیں بھی اتفاق سے شعوزمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ جاتا ہے، ورنہ اکثر دہشتیر تو  
 آسمان سے کھنچ کر زمین ہی پر آ رہتا ہے،

ان پانچوں متروکوں کے جت جت مقامات خصوصاً وہ جسے جو جامہ کے نقاب کے سلسلہ میں  
 برسوں سے زیر نظر چلے آ رہے ہیں، بخور و کیچے، حیرت بھی ہوئی، اور مسرت بھی، کہ یہ مجموعہ متداول  
 اعلاط سے پاک ہے،

(۱۳) دیوان حافظ، سورتین ایک مشہور امیر نواب غلام بابا خان گندڑی ہیں، جن کے  
 نام مرزا غالب کے متعدد خطوط اور دوسے محلی اور عود ہندی میں موجود ہیں، یہ بے فیض نسخہ انہی کے کتاخانہ



کا ہے، جو ۱۹۱۹ء میں مولوی انوار احمد زبیری مرحوم سفیر کافرئس کو ان کے زمانہ قیام سورت میں نواب مددوح کے پوتے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے عطا کیا تھا، سرمدق پر نواب میر غلام بابا خان محوم سی ای سی کی مرثیت ہے، اور اس سے اگلے صفحہ پر انوار احمد صاحب مرحوم کا لکھا ہوا یہ نوٹ ہے،

ابن نمہ نادو دیوان حافظ از کتب خانہ نواب میر غلام بابا خان "مرحوم سی ای سی بہ

اجازت نواب نادو میر حفیظ الدین خان صاحب گرفتہ و داخل کتب خانہ سلطان

جہان منزل کر دم"

(خاکسار انوار احمد زبیری ماہر وی مقام سورت ۲ جنوری ۱۹۱۹ء)

اس کے نیچے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے یہ تحریر لکھ دی ہے :-

"پاس خاطر جمعی انوار احمد صاحب بخشدیم"

(عامی سید حفیظ الدین خان)

دیوان کے آغاز میں وہی دیباچہ ہے، جو اکثر مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے، آخری صفحہ پر ایک جگہ عبارت بے جوڑ ہو گئی ہے، غالباً کاتب نے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دیا ہے، تقطیع متوسط، کاغذ سرخی، اہل بادامی بہت دیز، ہر صفحہ پر طلائی نشان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کسی شائق امیر کے لئے لکھا گیا ہے تمام جدولین رنگین، اور طلائی بین، خط بہترین نستعلیق ہے، ابتداء کے ۲ صفحوں پر کہیں کہیں روشنائی لگ گئی، بعض صفحات پر آب رسیدگی کے نشانات بھی ہیں، کہاں ادب لکھا گیا، کہاں کچھ تیز چلا، بہ حال نسخہ بہت قدیم اور نادر ہے،

(۱۴) شرح قرآن السعدین، یہ حضرت امیر خسرو کی مشہور تفسیر قرآن السعدین کی نہایت بہتر

شرح ہے، جو بعض احباب کی فرمائش سے حضرت شیخ ذوالقادر محدث دہلوی نے لکھی ہے، یہ حضرت شیخ

عبدالحی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے، تیسرا فقاری شرح صحیح بخاری کے سوا آپ کی

اور تصانیف بھی ہیں جن میں سے ایک تحقیق الروایا عربی میں ہے، غیر مطبوعہ اور کیا ہے، اس کا ایک نسخہ خانقاہ مجددیہ سرہند شریف میں موجود ہے، حضرت شیخ نورالحق حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ سے بہت تھے، اور زمرہ خلافت حضرت عردۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، مکتوباتِ امام ربانی (جلد سوم) میں مکتوب سوم انہی کے نام ہے،

اس شرح کو اہل سے آخر تک حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرما کر جا بجا جو کمی دیکھی ہوگی، اُسے پورا کر دیا ہے، خود فرماتے ہیں،

”القصۃ باذیور قبول..... آن ادب آموز

نکتہ شیخ مزین نگر دید، بہ نظر اعتماد نہ سجدیم و شایستہ اعتبار نہ انستم و بر بیاری از لطافت

کہ از کوفتی اندیشہ بدان رسیدہ بودیم، آن روز دآن کل آگئی داد“

اس کی تکمیل کی تاریخ حضرت نے خود تحریر فرمائی ہے،

شکرت اللہ کہ با انجام رسید شرح ابیات قرآن السعدین

مشرقی از پستے تاریخ تمام برہ تعمیر رفیق نہ بعین

چشم عیب انومیان بردارند میشود شرح قرآن السعدین“

شرح قرآن السعدین کے اعداد ۱۰۹ ہوتے ہیں، ان میں سے ع کے، نکال دینے کے بعد

۱۰۸ رہتے ہیں،

کاتب کے نام اور سنہ کاتب کا کہیں ذکر نہیں لکھیں، درمیان میں ہے، کاغذ خانی خطا صاف اور پختہ کہیں کہیں کرم خوردہ ہے، بڑا نادرا اور قیمتی نسخہ ہے،

(۱۵) یوسف زلیخا و جامی دلائی کاغذ پر ایرانی خط میں لکھا ہوا نہایت خوش خطا اور صاف ستھرا

نسخہ ہے، اہل اور آخرین کچھ درق غائب ہیں، بہت قدیم لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

(۱۶) منطق الطیر، اس مجموعہ کے متن میں تو حضرت شیخ فرید الدین عطار کی مشہور مثنوی منطق الطیر ہے، اور حاشیہ پر پند نامہ کاغذ و کتابت معمولی،

(۱۷) نمبر ۴۵ (مندرجہ فرست)، یہ مذہبی قصص و مباحث کا مختصر سا رسالہ ہے، مصنف

کاتب یا سنہ کا نہ ابتداء میں ذکر ہے، نہ اخیر میں،

(۱۸) نمبر ۴۵ (مندرجہ فرست) اس رسالہ کا نہ نام معلوم ہو سکا نہ یہ کہ کس نے اور کب لکھا

زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے حالات اور عجائبات خلق مذکور ہیں،

(۱۹) تفسیر حسینی اس کی دونوں جلدیں بہ خط نسخ ہیں، آیات سُرخ سے لکھی گئی ہیں، اور تفسیر

سیاحی سے، پہلی جلد سولہویں پارہ تک ہے، دوسری قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک، سب سے اخیر کا

ایک صفحہ غائب ہے، اس نے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا، تقطیع بڑی ہے، اکاغذ خانہ

چکنا اور مضبوط،

(۲۰) المعتمد فی المعتمد، یہ کتاب ابو بکر سعد زندگی والی شیراز (۸۵۰ھ - ۹۲۳ھ) کے

عہد کی تصنیف ہے، مصنف نے اس دور کے مسلمانوں کے ضعف ایمانی اور اسلامیات کی طرف سے

غفلت و لاپرواہی کا شکوہ کرتے ہوئے ایسی کتابوں کی ضرورت پر زور دیا ہے، جن میں تمام ضروری اعتقادی

مسائل صاف اور آسان زبان میں لکھے گئے ہوں،

ابو بکر سعد زندگی کے نام پر معنون کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے،

”تبادلہ آں در دہائے عوام افزوں تر باشد و خطر آن در دید و با حکم تقلید بزرگ تر

ازین وجہ آن را بہ ذکر بندہ برگزیدہ و خدایہ بادشاہی بقیہ صاحب ملک و سلاطین اسلام،

بادشاہ نیا نہ مند وین ترحم دل درویش فوا از سفر سلطان اتابک ابو بکر سعد زندگی کہ ہوارہ

در نظر و کشف خدا ہے باد منون گردانید“

سرورق پر مصنف کا نام امام تورنیشی یا تورنیشی لکھا ہوا ہے، کتاب میں تین باب ہیں، اور ہر باب میں دس فصلیں،

**باب اول** در ایمان بخدا عزوجل،

**باب دوم** در ایمان بہ فرشتگان و کتا بہا و پیغمبران،

**باب سوم** در مسائل اعتقادی، بموجب کتاب سنت و اجماع امت،

مسائل آسان اور مدلل عبارتوں میں لکھے ہیں، اس نوعیت کی کتاب بہت کم دیکھنے میں آئی ہے

کس سنہ میں لکھی گئی اس کا پتہ نہیں چلا، خط صاف اور عمدہ ہے صفحات کی تعداد ۲۴۴ ہے،

(۲۱) منظر اکتی فی اباحتہ التماع، یہ رسالہ کمال صفی حسینی قزوینی کی تصنیف ہے، جو سید السادات

حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے معتقدین میں سے تھے، ناواقف لوگوں کو روایات اور اصطلاحات فقہاء کے رد و انکار سے بچانے کے لئے لکھا گیا ہے، خط پختہ و مستطیع و آخری چند صفحے ضائع ہو گئے ہیں، اس لئے سنہ کتاب وغیرہ کا پتہ نہ چلا،

(۲۲) کلیات خزین، اس مجموعہ میں پہلے قصائد ہیں، پھر ترتیب ابجد غزلیات، غزلوں کے

کے بعد رباعیات و قطعات ہیں، سنہ کتاب وغیرہ کا پتہ نہ چل سکا، بظاہر بہت زمانہ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، شروع کے دو صفحوں پر خود شیخ خزین کا مؤلفہ دیا ہوا ہے، کا غزو لایق ہے، کھڑا سفید، خط نستعلیق،

(۲۳) نریمتہ الارواح، مصنفہ کن الدین حسین بن عالم بن ابوالحسن حسینی، تصوف و سلوک

میں ہے، ۲۷ فصلیں ہیں، جن میں متبادر سلوک، معرفت، سلوک، مقامات، سلوک، نصیحت، سالک، ہدایت، خلقت و وحدت اور نفس وغیرہ کے مباحث ہیں،

عبارتیں مغلط اور موٹے موٹے لغات سے بھری ہوئی ہیں، آخری صفحہ کی تھوڑی عبارت

ملاحظہ ہو:-

”مصنف ابن بدیع لطایف و مولف ابن غرائب و طرائف فقیر حقیر حسین بن عالم بن  
ابن الحسن الحسینی..... کہ این غرائفین البحار یعنی نفائس افکار..... وین ضعیف اند  
بعد ازاں کہ از مسند مستقر فطرت مستودع خلقت نزول کرده اند از کمال طراوت و  
نهایت لطافت بغایت رسیدہ کہ صیانت در شہور رسد احد عشر و سبعاۃ (۱۱)، شہادہ  
نشاط و فکر بر بساط این بساط گوش و گردن، ہر یک را بزور فصاحت و بلاغت متوق  
و موشخ ساخت“

عبارت مذکور میں ”تہ تصنیف ۱۱“ بتایا گیا ہے، کتاب دبیر بادامی کاغذ پر ہے، تقطیع متوسط<sup>۱</sup>  
خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہیں،  
(۲۳۲) اجمعات الشاہ ہیمہ جلد ششم، اس کتاب میں نویں صدی کے ایک برہانی و ناعی  
بزرگ سید محمد بن عبد اللہ بنی طرب بہ شاہ عالم - ہفتہ وار صحبتوں کے حالات اور اخادات کو کئی متفقہ  
نے جو اپنے آپ کو جامع کنوز محمدیہ، جامع مفوظ مبارک، اور جامع مفوظات محمدیہ کے لقب سے یاد کرنا چاہا  
جمع کیا ہے، زیر نظر حصہ یکم محرم ۱۱۷۰ روز جمعہ کے مذاکرے سے شروع ہو کر ۲۰ روزی بعد سنہ مذکور کے جمعہ  
پر ختم ہوا ہے،

ہر جمعہ کی صحبت میں شیخ برہان الدین لقب بہ میان محمد دم قاری خاص اور جامع کنوز محمدیہ  
کا ذکر ضرور آیا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالالتزام حاضر مجلس رہا کرتے تھے، لیکن کہیں  
خواجہ کریم الدین اور شیخ فرید بن دولت شاہ کا بھی ذکر ہے، ایک جمعہ کی مجلس میں باشندگان احمد آباد  
کے ہجوم کا ذکر بھی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ صحبتیں احمد آباد میں ہوا کرتی تھیں،  
اس حصہ میں برہانی (غالباً منسوب بہ قطب عالم سید برہان الدین) کے خاندان کے مختلف

شاخون کے ۴۴ شجرے درج ہیں، اور چند رسالے جادو وغیرہ کے متعلق ہیں،  
حضرت قطب عالم کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (مجتبائی) کے  
صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہیں :-

”حضرت قطب عالم نیرۂ مخدوم جہانیاں سید جلال بخاری ست از وطن اصلی خود بہ کجرات  
رفتہ وطن اختیار کردہ نام اوسید بہان الدین ست و مشہور در زبان خلایق آن دیار  
بہ قطب عالم است، و وضع اوسہ کردی از حیدر آباد ست، وفات اہم شتم ذی الحجہ سنہ  
بیع و خمین و ثمان مایہ است“

دقت کی تنگی کے باعث کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ ملا، جسہ جبہ جن عنوانوں  
پر نظر پڑی ان میں سے چند یہ ہیں :-

حقیقت فکر، اثبات رویت ملائکہ، قلب سلیم، روز قیامت، مناقب صحابہ کرام، صبر و سکون،  
مراقبہ، عبودیت، استقامت، فراست، فتوت، حقوق والدین،

ان میں سے ہر ایک پر حضرت شاہ عالم کے ارشادات بڑے عالمانہ اور محققانہ ہیں، جامع  
کتاب ہر موقع پر جن القاب اور جن ادب و احترام سے ان کا نام لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے  
کہ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم اور بڑے عالی مرتبہ صوفی تھے، اور خواص و عوام سب ان کا  
انتہائی ادب کرتے تھے،

فرصت سے بغور مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں ایسے مسائل ملین گے، جن کو زوائد  
سے الگ کر کے یک جا کر دیا جائے، تو تصوف سے ذوق رکھنے والوں کے لئے بہت مفید اور  
دھچپ ثابت ہوں گے،

کتاب میں نہ کہیں جامع کا نام ملا نہ کاتب کا، نہ سن کتابت، البتہ سر ورق پر ان اصحاب

کے نام سے سین کے درج ہیں جن کے قبضہ میں نسخہ رہ چکا ہے،

۱۔ من نعم اللہ علی عبدہ ابن شیخ بہار الدین،

۲۔ مالک ملوک اہل بیت النبوی ابو الحسن اکیسی نقشبندی مرید ہے خادم درگاہ

ابو الحسن دیوانہ،

۳۔ اللہ بھری خادم ابو الحسن ۔۔۔ درگاہ دیوانہ،

۴۔ رسالہ ہائے حضرت شاہیہ از کتاب خانہ نوابہ نیک عالم خان خواجہ عباد اللہ ہدیہ

گرفتہ، در ہراج آثار رخ غزہ جمادی الاول ۱۱۸۴ھ ہجری،

۵۔ این رسالہ جماعت شاہیہ جلد ششم از خواجہ عباد اللہ ثانیہ احوال فقیر حقیر حسین الدین

حسینی بتاریخ غزہ جمادی الثانی ۱۱۸۴ھ ہجری ہدیہ گرفتہ مرید حسین ۱۱۸۴ھ ہجری،

## کلیات فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، ثنویات اور قطعات کا مجموعہ جواب تک

متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب

یکجا کر دیئے گئے ہیں، قیمت :- پیر

## کلیات اردو

مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں ثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسوں میں

پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کاپنور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ

مسلم یونیورسٹی کے متعلق لکھی گئی ہیں، ..... قیمت :- پیر

## دُفُورِ رِزْقِ

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین اسٹاذ جامعہ عثمانیہ

حق تعالیٰ نے رزق کا خود ذمہ لیا ہے،

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا

اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں جس کے

عَلَى اللَّهِ ذَرَقَتُهَا،

رزق کا ذمہ اللہ پر نہیں،

صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا، قسم بھی کھائی ہے، اور قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا، مثال سے بھی واضح کیا ہے،

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ

اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے

فَوَدَّ السَّامِعُ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ

سب آسمان پر ہے، سو قسم ہے زمین آسمان

لَحْنٍ مِثْلَ مَا أَنْكُرْتُمْ تَطْفِئُونَ،

کے رب کی، یہ بات برحق ہے، جیسا کہ تم

بائیں کرتے ہو، (پ ۱۸۰ ع)

جملہ دارِ رزاق روزی می وہ

قسمت ہر یک پیشکش می ہند!

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ تَشِينُهُ

انامین پستی چہ بر حفسیدہ (رومی)

حق تعالیٰ ان لوگوں کو بھی رزق دیتے ہیں، جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں، فسق و فجور

میں چور ہیں، پھر وہ جو حق تعالیٰ کی اطاعت و رعایت کرتے ہیں، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہیں؟ دیکھو



جو درخت ہوتا ہے، وہی پہنچتا بھی ہے، اُعلیٰ کو وہی مدد دیتا ہے، اُن کا رزق وہی فراہم کرتا ہے، جو ان کا خالق ہے، پروردگار ہے، اُملحوق کے لئے یہ بات کافی ہے، کہ ان کا خالق ان کے لئے بہر حال کافی ہے، وانی ہے، الیس اللہ بکافیت عبدہ، !! ایجاد حق تعالیٰ سے ہے، دوام امداد بھی اُن سے ہے، اُتخلیق ان سے ہوئی، رزق کا دینا بھی ان کے ذمہ ہے، امین جانتا ہوں، کہ میں جب کسی کو گھر پر دعوت دیتا ہوں، تو اس کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتا ہوں، اسی طرح جب حق تعالیٰ نے مجھے اپنی مشیت و ارادہ سے پیدا کیا، تو رزق کی ذمہ داری بھی ان ہی پر ہے، ان ہی کے خوانِ کرم سے ہمیں برگ و فراہ حاصل ہے، اُحق تعالیٰ میرے مولیٰ ہیں، آقا ہیں، مالک ہیں، امین ان کا غلام ہوں، اُبتاقا پر غلام کا فقہ ضروری ہے، جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اگر امین ان کا مہر ہوں ان کے سوا نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں، اور نہ کسی کے آگے جبینِ نیاز خم کروں تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا حق ادا نہ کریں، اُکیا ان کا یہ قطعی وعدہ نہیں؟

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا  
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا  
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا  
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ  
وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا  
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

تعالیٰ اپنا سب کام پورا کر کے رہتا ہے، اللہ

تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے

رزق کا وعدہ قطعی ہے، اُمجھے حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہیں امین اپنا حق عبادت و عبودیت ادا کرتا رہوں گا، پھر ناممکن ہے، کہ وہ مجھے اپنے گھر بلا لیں، اور پھر اپنے احسانات سے محروم

وجود بخشی کرین، اور پھر مدد نہ کرین، بہت کرین، اور اپنے کرم سے محروم رکھین؛ اپنا حق عبادت، مجھ سے طلب کرین، اور میرا حق (رزق) مجھے نہ دین، اودہ کریم ہین اُن سے معاملہ کر کے کون خصلہ دین رہتا ہوا!

مَنْ ذَا الَّذِي سَأَلَكَ فَخَرَّمْتَهُ      وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا ہو

أَوَّلِيَّ إِلَيْكَ فَاهْصَلْتَهُ أَتَقْرَبُ      تو نے اس کو محروم رکھا، یا تجھ سے قریبی ہوا ہو

إِلَيْكَ فَابْعَدْتَهُ أَوْ هَرَبْتُ إِلَيْكَ      اور تو نے اس کو بھیج دیا، یا جو تیری قربت

فَطَرَدْتَهُ      چاہی ہو، تو تو نے اس کو دور کر دیا، یا تیری

طرد و در کر آیا ہو! اور تو نے اس کو دھتکار دیا؟  
(شیخ جلیؒ)

أَعْدَا سَامِعَ الْإِنْسَانِيَّاتِ      صمداً کانی المسماة!

حاجبتم از تو پیش می خواهم      زانکہ قاضی جملہ حاجاتی!

شکر فضل تو کے تو انم کرد      حافظاتی جمیع حالات!

ہر دعا کے می کند سعدی      استجب یا مجیب دعواتی! (سعدی)

حق تعالیٰ کے سوا جب میرا کوئی رزق دینے والا نہیں، تو اب میں رزق کے معاملہ میں

ساری کائنات سے بے نیاز ہوں، اس روز سے میں نے حق تعالیٰ کو اپنا الہ قرار دے لیا ہے، اسی روز

سے خوف کا بھاری پتھر میرے سینہ سے اٹھ چکا ہے، اب میں قطعاً کسی کا محتاج نہیں نہ مجھے کسی

امید ہو جائے، اور نہ کسی سے خوف دہراں! میرا تعلق راست حق تعالیٰ سے قائم ہو چکا ہے، غیر اللہ

سے قطعاً کٹ چکا ہے، حق تعالیٰ میرے لئے کافی ہیں، اکفی باللہ وکیلاً!

رزق از دے جو، مجھ از زید و عمر      مستی از دے جو، مجھ از بنگ و خمر

منعی زو خواہنے از گنج و مال      نفرت از دے جو، نہ از غم و حال

جب سے کہ حق تعالیٰ سے میں نے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے، ان ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے، مجھے

اس کا یقین ہو گیا، کہ میرا رزق مجھ پر عاشق ہے، مجھ سے جدا کیسے ہو سکتا ہے! بے خزن و غم، بے فکر و تردد، بے رنج و دالم، میرا رزق مجھے پہنچ کر رہے گا، عاقبت رومی نے بھی تو اسی ماز کی طرف اشارہ کیا ہے :-

مین تو کل کن ملزمان پا دوست      رزق تو بر تو ز تو عاشق تراست!

گر ترا صبر دے، رزق آدے      خویش را چون عاشقان بر تو زد (رومی)

بہر حال اتباعِ نبوت میں رزق کی طلب میں اسبابِ قطعی کی حد تک کوشش بھی کر دینا

لیکن اپنے قلب کو فکر و تردد سے فارغ رکھ کر اس کے حصول کا کامل یقین رکھ کر! اُجھلوانی اطلب

کا حکم میرے پیشِ نظر رہے گا، طلب کو رزق کے حصول کا مستقل سبب یا قطعی علت نہ قرار دے گا، کیونکہ

مجھے معلوم ہے کہ بعد از طلب می یا ہم امانہ بطلب می یا ہم، یعنی طلب و جستجو مراد یا بلی کی مستقل علت نہیں

معاملہ نفل پر منحصر ہے، ہاں جستجو ضرور کی جائے، عادتِ الہی یہی ہے کہ حرکت میں برکت دیتے ہیں

بجستجوئے نہ یا بد کے مراد دے

کے مراد بیا بد کہ جستجو دار د!

میرے صحیح عقیدے، صحیح فکر، اور خالص عمل و مجاہدہ نے مجھ میں وہ مفناطیسی قوت پیدا کر دی کہ

کہ رزق دوان دوان مضطربانہ انداز میں مجھے تک پہنچ رہا ہے، افزائے مل رہا ہے، کمی اور قلت کا کوئی

شائبہ نہیں! وجہ خیر میں اس کو جتنا خرچ کر رہا ہوں، اتنا ہی زیادہ عطا کیا جا رہا ہے، اَلْفَقُّ اَلْفَقُّ

عَلَيْكَ کا وعدہ پورا ہو رہا ہے نعمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے، احق تعالیٰ کی عطا غیر منقطع ہوتی ہے!

لَا تَخْشَى مِنَ ذِي الْعَرْشِ اَقْلًا ۱۱ صاحبِ عرش خدا سے قلت کا ڈر مت رکھ

این زمین و ممتیان پڑہ است دس      اصل روزی از خدا دان ہر نفس

کہ اصول دخل اینہا بودہ اند      ہم از ینہان کی کشاید رزق مند!

میں حق تعالیٰ کا ان نعمتوں کے لئے جو ہر روز بارش کی طرح مجھ پر برس رہی ہیں، شکرا و اکراموں اور چاہتا ہوں کہ دوسرے بھی ان نعمتوں سے سرفراز کئے جائیں، دفعہ رزق میں اس لئے بھی چاہتا ہوں کہ شکر نعمت میں "پوشش ہر تنگ دست و فرش ہر ویرانہ" بن جاؤں اور یہ ثابت کر دوں کہ اتفاق و احسان سے رزق میں اضافہ ہوتا ہے، کئی نہیں ہوتی، کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کا ہمیں یقین دلایا ہے:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ

وَهُوَ خَيْرُ الْمَوَازِينِ،

اور جو چیز تم خرچ کر دو گے، سو وہ اس کا

عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے،

ز احسان می شود صاحب اسم را و او افزون  
شکر کے طریقوں سے میں اپنی نعمتوں میں اضافہ کرتا جاؤں گا، حق تعالیٰ کا یہ قطعی وعدہ ہے  
جس میں کسی استغفار کی گنجائش نہیں، کہ وہ شکر کرنے والے کی نعمتوں میں ترقی دیتے ہیں،  
لَنْ يَشْكُرَكَ كَافٍ تَكْمُرُ  
یعنی شکر کے معاملہ میں زیادتی نعمت کا

حصول بلا تکلف ہے،

اسی لئے حضور انور ﷺ نے تاکید فرمائی ہے کہ

النعمة وحشية قيد وها بالشكر  
نعمت ایک وحشی قید و اسے شکر کی زنجیروں  
میں اس کو باندھ رکھو۔

باز نعمت چوہست وحشی را

صید از قید شکر کن اور ا

چون گذاری تو شکر استیزو

در شوی ناسپاس بگریزو

شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ نعمتوں کا استعمال حق تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کیا جائے  
جن کاموں میں ان کو صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان ہی میں ان کو صرف کیا جائے، سبب نعمت

کا موجب ہمارا ہی کوئی ناشائستہ فعل ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے واضح طور پر ہم کو تنبیہ کر دیا ہے۔

ذَٰلِكَ بَآئَ اللّٰهَ لَعْنًا مُّغَيَّرًا      یہ بات اس سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی

نِعْمَةٍ النِّعْمَہَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی يُغَيِّرُوْا      نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں

مَا بَا نَفْسُہُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَزِیْزٌ      بدلتے، جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی

اَعْمَال کو نہیں بدل دیتے، اور اللہ تعالیٰ (رپ ۱۰ ع ۲)

بڑے سنے والے اور بڑے جاننے والے ہیں

اِذْ اَکُنْتَ فِیْ نِعْمَۃٍ فَاَرَحَہَا

فَاَنَّ الْمَعَاصِیَ تَزِیْلُ الْعِصْرَ

جب تجھے کوئی نعمت حاصل ہو تو اس کی رعایت کر گناہوں کو نعتیں نازل ہو جاتی ہیں،

تقویٰ، عمل و مجاہدہ اور صبر و شکر کی وجہ سے حق تعالیٰ کی تمام نعمتیں میری ہیں، اور مجھ میں موجود

ہیں،! جب بھی مجھے ان کی احتیاج ہوتی ہے، حق تعالیٰ انہیں خارج میں ظاہر فرما دیتے ہیں، ہر دوس

نعمت کے لئے جو مجھ پر ہے، میرا قلب حق تعالیٰ کے آگے مڑ جھک دے،! از زندگی چشمہ مسرت کی طرح

، دان ہے، اور میری زبان پر یہ نغمہ جاری ہے،

بے لطف تو من قرار تو انعم کرد      احسان تو شمار تو انعم کرد

گر بہ تن من زبان شود ہر ہو      یک شکر تو از ہزار تو انعم کرد

(ابوسعید ہمدانی)

رَحْمَتِ اللّٰہِ عَلَیْہِ الصَّلٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے عام فہم اور سادہ زبان میں سرور عالمؐ

کی سیرت خجانت ۲۰۰ صفحے، قیمت مجلد ۱۰، غیر مجلد ۵ (طبع چپارم)

# دیوان عاشق دہلوی

تلمیذ

امیر خسرو دہلوی

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا صیب الرحمن خان شروانی

میر غفر گنجائین اس دیوان کا ایک قدیم نسخہ ہے، میں ضخیم مذکرۃ اشعار عاشق دہلوی کے ذکر سے خالی ہیں، دو قلمی ریاض اشعار والہ داغستانی، مجمع الغرائب احمد علی سندیلوی ایک مطبوعہ مجمع انصاف رضا قلی خان تخلص بہ ہدایت،

دیوان خط اور کاغذ دونوں کے لحاظ سے پرانا لکھا ہوا ہے، مگر سنہ تحریر نہیں، اس لئے کہ نسخہ ناقص ہے، عنوان پر درج ہے، "دیوان عاشق دہلوی تلمیذ مولانا حضرت امیر خسرو دہلوی طوطی ہند" اس نیچے ہرے بخا نستعلیق خوشخط، اس میں نام عبیدۃ بن العابدین "درج ہے، تقطع ۵۶ ۱/۵ - ۱۵ - ۱۶ ہے، تعداد اوراق موجودہ ۸۶ ہے، اور تلمیذ کا ثبوت اشعار ذیل سے ہوتا ہے،

عاشق این رنگ سخن راز کجا یا خست  
این ہمہ از چمن خسرو چیدہ گل لعل

ایک قطعہ امیر خسرو کی شان میں لکھا ہے اس کا پہلا شعر ہے،

چو خسرو شاعر از ہند برخواست  
کہ قدر شاعران اصفہان کاست

مقطع ہے :-

ہمنشیں بس دلیل پیشوانی کہ عاشق پیر و گشت را در است

اس دیوان کا قیاساً زیر مطالعہ مولف رہنا محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ تقلم مصنف لکھا ہوا ہے، قرآن یہ ہیں،

خط کی روش و قسم کی ہے، شفیعا اور نستعلیق، بسا اوقات نستعلیق میں شفیعا کا رنگ آجاتا ہے اور قہم کی پوری غزل ملاحظہ ہو، جو نستعلیق شفیعا کی ہے، شعر محتسب دس انجمن لفظینا اورستان، اگلے شعر میں لفظی انجم کی تحریر میں شفیعا کی رنگ نمایاں ہے، نیز ورق ۷۴ کی پوری غزل میرے دعویٰ کی شاہد ہے، ورق ۶۷ کا چھٹا شعر ملاحظہ ہو، پہلا مصرعہ نستعلیق ہے، اور دوسرا مصرعہ شفیعا قلم اور روشنائی اور اگلے شعر کی ایک ہے، ورق ۸۷ کا چھٹا شعر نستعلیق شفیعا کی ہے، گویا کاتب و دفون قسم کی تحریر پر پوری قدرت رکھتا ہے، عموماً بعض مصرعون یا الفاظ کی تبدیلیاں بخط شفیعا کی ہیں، کہیں کہیں بعض الفاظ یا مصرعہ کی تبدیلی بخط نستعلیق بھی ہے، مصرعہ یا الفاظ کی تبدیلی سے مضمون میں تبدیلی آتی اور جتنی پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ تبدیلی اصلاح ہے نہ تبصیح،

پہلے نوشتہ کو قلم زد کر کے دوسرے الفاظ بدلنا مضعف بھی کر سکتا ہے، دوسرا شخص اصلاح تو کر سکتا ہے، مگر قلم زد کرنے کا حق حاصل نہیں، ورق ۷۷ ملاحظہ ہو، مصرعہ،

چلویم دگر مطبے نیستم

خط شفیعا کی قلم زد ہے، بجائے اس کے حاشیہ پر قلم زد کر یہ مصرعہ تحریر ہے، ع

نہا شد دگر غیر ازین مظلوم

ورق ۷۸ کی پشت پر یہ شعر بھی ملاحظہ ہو،

در دیک جشی کند چشم دگر را در و ناک ہمنشینان را بدر و درخ دیدن مشکل است

ثانی مصرعہ بغیر قلم زد کے اس طرح تبدیل کیا ہے،

”مردم یک خانہ را در رنج دیدن مشکل است“

ورق ۲۱ پر ۲۰ ع

”عاشق بہشت را نہ پسندد و گریہ پیش“

کو بدل کر ع

”عاشق بہشت را نہ پسندید بہر او“

بنایا ہے، مگر پہلا مصرعہ بھی قلم زد نہیں، ورق ۲۸

خار خار سے بہ دل از در شک فدا ہوتا  
تا بہ طرتِ گلست جاے گزید گلِ لعل  
اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلا ہے جو یقینی اصلاح ہے، نہ تصحیح، دیکھو مصرعہ کتنا بلند ہو گیا  
خار خار سے بہ دل خون شدام افادہ است

نمونہ کلام

زہے لبِ لبیک خندِ راحت بانہا	گلِ عذارِ تو در شکِ گلِ گلستانہا
لبت چو گاہِ حکمِ گہرِ بقیشاں	شود پیر از گہر آبدار دمانہا
دیکھ میرِ روانِ تو جلوہ گر گردد	از چوبِ خشک دہیاد و سرِ دستانہا
چہ فتنہ است تا غمِ بچاکِ دمانت	کہ چاکِ گشتہ کسانِ از دگر میانہا
تمست نکلے تازہ بر جواحتِ بخت	کہ رنجیندہ بچاکِ سیمکِ دمانہا
دو اس در دِلِ نازید و ادبِ است	چرا کشیم عبتِ شنتہ ز درِ دمانہا

سرے کہ خاکِ روہ دستِ گشتِ چون عاشق

سرے نہ ارد با ساز و برگِ سامانہا

آمد بہارِ خرم ساغ و کشانِ مبارک  
دلہا ز غمِ سبکِ کردِ دلِ گرانِ مبارک



اذہر بیاہر انگن شد تازہ صحن گلشن  
 مشاطہ بہاران رخسار گل بیاہر است  
 باران فکندہ روغن اندر چراغ لالہ  
 ساتی پیالہ در کف مطرب نشہ باد  
 بادہ غذا سے روح ستی باعث فتوح است  
 نادر بیاہر گلشن بچین زہرہ دامن  
 شیش ریاسہ امروز از زہر تو بہ نمود  
 کردند عند لیبان بر باغبان مبارک  
 آئینہ گشت شبنم امی بلبلان مبارک  
 شد دشت در چراغان بر شب ان مبارک  
 خیل طرب دہ صف اہل جہان مبارک  
 ہان ساعت صبح سپہ پر مخان مبارک  
 بشنود کوئی و برزن بر میکشان مبارک  
 خرقہ بی بیالودی خار گلان مبارک

عاشق بت تو مست ست جام میں بدست

بتان پیالہ از دے کن نوش جان مبارک

مژدہ اشک بار را ناما زم  
 نیست در اختیار صبر و خرد  
 غنی از سیر لالہ زارم کرد  
 کار مارا بھی کشی بگذاشت  
 رگ ابر بہار را ناما زم  
 دل بے اختیار را ناما زم  
 سینہ داغدار را ناما زم  
 گردش چشم یا را ناما زم

خاک گردید دجربخاک نساخت

عاشق خاکسار را ناما زم

## متفرقات

در یاکیشم و چرخ نرید بایاغا  
 گم گشتہ ایم و خضر نیا بد سراغا

اس شعر کے ساتھ امیر خسرو کا یہ شعر پڑھا، اسٹا ووشا گردی کی گئی محسوس ہوئی،  
 خضر دی ست و مطرب تو مست و یار سرخوش  
 ہان در چنین نشاط یک رقص عاشقانہ

کے گل چیند از بستان یکے گلدرستی بند  
تو اے نازک بدن جائے گل گلدرستی مارا  
برافند چون نقاب از ماہ روت  
نیار دوید چشم کس بسویت  
وہ انداز ہر سیر خارے گل مطلب پیش  
بند ہر کہ براہ طلبت گامے چند  
ور دل از یاد وخت بجز تکی موج زد  
جوشش نورست از فوارہ مرقان را  
مکن فکر علاج و در کمال در کوشش کن  
کہ چون شد در کمال خود بخور ماں سوسپا  
عاشق از غنی غم فرما دوار  
مرگ را بر خود چہ شیرین کنی  
نامم ہر کہ پیرسد گویم  
عاشق زارے سینہ دنگا رے

## مباحبین

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرامؓ کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نور و عمل ہوئی، اس لئے سیر الصحابہؓ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ، حضرت حسن بصریؓ، حضرت اویس قرنیؓ، حضرت امام زین العابدینؓ، حضرت امام باقرؓ، حضرت امام جعفر صادقؓ، حضرت محمد بن حنفیہؓ، حضرت سعید بن مسیبؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت محمد بن سیرینؓ، حضرت ابن شہاب زہریؓ، امام ربیعہ رافعیؓ، امام کحل شنائیؓ، قاضی شترجیؓ، وغیرہ چھیا نوے اکابر تابعین کے سوانح ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کائنات کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

صفحات ۱۰۰، قیمت :- للہ مر

”منہج“

# استفسار و اجاب

## متفرق سوالات

جناب محمد ریاض احمد صاحب رضوی { بخدمت حضرت مولانا مولوی صاحب مدظلہ  
میر لاجپت مکھ سا دھوان لاہور { السلام علیکم وعلیٰ آلکم وعلیٰ ربکم

عرض ہے کہ براہ مہربانی چند مسائل کا جواب ارشاد فرمائیں، بندہ کو تحقیق حق معقود ہے،  
اللہ تعالیٰ جل شانہ جزا سے خیر عطا فرمائیں گے،

(۱) میرے والد صاحب میر عبد الرشید صاحب، ٹھیکیدار ہیں، ہر ماہ دو سو روپیہ بچاتے ہیں، ایک  
سال بعد ۲۴۰۰ روپیہ جمع ہوتا ہے، زکوٰۃ کتنی ادا کی جائے اور کس حساب سے،

(۲) کیا قرآن کی آیت مبارک رضی اللہ عنہم و عنہم اعدائے تمام صحابہ مع امیر مہمادین عمر بن  
الخاص، ابوسفیانؓ والد امیر معاویہؓ، وحشیؓ، نعمان بن بشیرؓ قطعی طور پر جنتی ہیں؟ محمد بن ابی بکرؓ بھی

اللہ تعالیٰ گستاخی معاف فرماوے تو تاریخ سے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق دل میں بہت

شکوک پڑتے ہیں، اس لحاظ سے نہیں کہ انھوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی بلکہ چاہیں جو انھوں نے

چاہیں، حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکالمہ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ، اور اس میں حضرت

عمرو بن العاصؓ کا پھر جانا، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حمایت میں تھے، محمد بن ابی بکرؓ

نے حضرت سیدنا امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک کو پکڑا، اور قاتلین کی عات

میں شامل تھے، گو بعد میں بھاگ گئے، یہ تمام عمر حضرت علیؓ کے پروردہ تھے، یہ آپس کی

آئی مخالفت سمجھ میں نہیں آتی،

(۳) آج میں حضرت شیخ النذر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے والا قرآن پڑھتا تھا، تو اس میں سورہ فاتحہ کی آیت اَیَّاکَ نَعْبُدُ وَاَیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اگر کسی بزرگ کو غیر مستقل سمجھ کر اور محض واسطہ رحمت الہی سمجھ کر مدد مانگی جائے تو وہ عین ذات باری تعالیٰ سے مدد مانگتا ہے، اس مسئلہ کے متعلق مجھے بڑی تشویش ہے، اگر اُن کی زیارت نصیب ہوتی تو ضرور پوچھتا کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادًا مِّثَالُکُمْ

(۲) اِنِّیْ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِی

(۳) ادْعُونِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (العوین)

(۴) مَا نَعْبُدُ هُوَ اَلَّا لَیْقَرَّبُوْنَا اِلٰی اللّٰهِ ذَلْفِی (الزہر)

(۵) یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ مَا لَا ینْفَعُھُمْ (الفرقان)

(۶) وَاِنْ یَمَسَّکَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اَلَّا هُوَ وَاِنْ یَمَسَّکَ

خیر فلا راد لِفَضْلِہ (یوسف)

(۷) مَنْ یَشْرِکْ بِاللّٰهِ فَکَانَ مِمَّا خَرَوْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَ تَخَطَّفَتْ الطَّیْرُ وَ تَهْرَى

بِہ الدِّمِجِ، الْاٰیۃ (الحج)

اتنے بڑے بزرگ موجد کے کلام پاک سے ایسی تفسیر، میں تو حیران ہو گیا ہوں، کیونکہ

یہ تو صریح شرک ہے،

(۸) کیا قرآن کریم میں اب بھی کوئی آیت ایسی ہے جس پر عمل نہ ہو سکتا ہو، فسوخ کے

کہا معنی ہیں، کتنی آیتیں منسوخ ہیں، صاحب نورالانوار رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث قرآن

منسوخ کہا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ نے پانچ آیتیں منسوخ کیں ہیں،

(۵) قرآن میں اہمیت و حرمت بیویوں کے حق میں استعمال ہوا ہے جس میں سے

نواسے اور داماد خارج ہیں، البتہ لڑکے لڑکیاں اور بیویاں خاندانیہ لوگ اہمیت میں

شامل ہیں، تو خواہ مخواہ حضرت حنین و حضرت علیؓ کو شامل کیوں کرتے ہیں قرآن کے خلاف

کوئی بات بھی قابل قبول نہیں،

براہِ مہربانی ان کا جواب باصواب ارشاد فرمائیں اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمادے گا،

**معارف:-** مکرم اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللہ

جوابات حسب ذیل ہیں،

۱۔ پورے چوبیس سو پرزور کوۃ واجب ہوگی،

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح و تدح کرنے سے ہر مسلمان کو اپنی زبان روکنی چاہئے، اگر

آپ کو ان کا کوئی سیاسی پہلو پسند نہیں ہے، تو اس سے ان کے دیگر فضائل و خوبیوں میں ہوجانے، آج ہی

دیکھئے کہ علماء اور زعماء سیاست میں کس قدر مختلف رائے رکھتے ہیں، لیکن اس سیاسی اختلاف سے کسی جہنمی

یا جنتی ہونے کا فیصلہ یا خروجی قتل کا حکم درست نہیں، کیونکہ باوجود ان سیاسی اختلافات کے حضرت

صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ اپنے مخالفوں میں سے کسی کو قتل کیا نہ ناستی کیا، جہنمی بنایا، پھر ہم کو اور آپ

کو اس کا کیا حق حاصل ہے؟ ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، آپ سے ان کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا،

آپ اپنی خبر لیجئے، کہ آپ سے آپ کے متعلق ہوا خذہ اور سوال بارگاہِ الہی میں ہوگا، تو اس وقت آپ

اور ہم کیا جواب دیں گے، تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُنْصَلُونَ

عما کا نوا بعلو ن (آخر پارہ ۱۴)

۳۔ حضرت شیخ الحدیث کا مقصود یہ ہے کہ اگر وہ عیون مانگی جائے کہ اے بزرگ آپ خدا کے



تو وہ احکام بھی اٹھ جائیں گے، یہی نسخہ ہے، مثلاً ضرورت پڑے، تو مسلمانوں کی قلت تعداد کے وقت ایک مسلمان دس کافر کا مقابلہ کرے گا، پھر جب کثرت ہوگی تو وہ حکم ہوگا، جس میں ایک مسلمان کو دو کافروں کے مقابلہ کا حکم ہے، علیٰ ہذا القیاس، دوسرے مسائل ہیں جن کی تعداد ۵ کے قریب ہے، بقول شاہ ولی اللہ صاحب، اور بعضوں کے نزدیک اس سے کم و بیش ہے،

۵۔ اہل البیت کا لفظ بے شبہ قرآن پاک میں بیویوں کے لئے آیا ہے، مگر طبعا اور ضمناً اولاد بھی داخل ہو سکتی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تفسیر میں اصل مقصود از وراجِ مطہرات ہیں، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعا اور ضمناً اولاد بھی داخل ہے، جیسا کہ ہم اردو میں گھڑا لے کتے ہیں جن سے اولین مقصود از وراج اور ضمناً اولاد بھی ہوتی ہے،

والسلام "س"

## تخلیق عالم کا مقصد

مخدومی و محترمی

السلام علیکم

ڈاکٹر عین الدین صاحب فرموی

کیپ حیدر آباد سندھ

ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ سوال کھٹک رہا ہے، کہ تخلیق عالم خصوصاً تخلیق انسان کا مقصد کیا ہے؟ کون سی ایسی ضرورت اور مجبوری پیش آئی کہ یہ عالم، عالم دجڑ میں لایا گیا، انسان کو پیدا کیا گیا، اور پھر خیر و شرنیک و بد اور عذاب کا چکر گردش میں آیا، اس سلسلہ میں جہاں تک مطالعہ اور پہنچ کا تعلق ہے، میں نے کتابوں اور عالموں سے اس سلسلے میں تشقیق چاہی، لیکن افسوس کہ اب تک کوئی ایسی کتاب یا عالم دین نہیں مل سکا، جس سے میرا دل مطمئن ہو سکتا، ما خلقناک للجنۃ والانس انم ینبذنک سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اور اس کی ضرورت کیوں ہوئی، حل طلب مسئلہ رہا جائے؟

آپ کی مصروفیتوں کا مجھے علم ہے، اسی وجہ سے اب تک آپ کو زحمت نہیں دی لیکن چونکہ یہ سوال یکسوئی میں نفل و اتق اور ایمان و عمل میں رخصتہ انداز ہوتا ہے، اسلئے مجبوراً آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا، کہ اس وقت میری نظر اور علم میں آپ سے زیادہ واقف دین اور دینی علم کوئی دوسری ہی موجود نہیں، امید کہ آپ میری رہنمائی فرما کر داخلِ حنات ہوں گے، جواب کے لئے لفافہ مع ٹکٹ حاضر خدمت ہے،

نیا زمند بن الدین رضوی

معارف :- محترم دام لطفکم

السلام علیکم

غایت نامہ ملا تھا، مگر اپنی مصروفیتوں کے سببے جواب میں تاخیر ہوئی، آپ کی الجھن آپ کی تنہائیں، بلکہ تمام اہل عقل کو جو عقل کو نقل کا معیار بنانا چاہتے ہیں، یہ اور اس قسم کی دوسری الجھنیں پیش آیا کرتی ہیں، ہمارے دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی الدین القیم کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، اور دفتر الفرقان بریلی سے دس بارہ آنے یا روپیہ میں مل جائے گی، آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں، اس کا مستقل فلسفہ ہے، اور اس میں اسی فلسفہ کی بنیاد بہت سے مسائل کا جواب ہے،

میرا ایک خطبہ ابجد و ابجد و المعاش و المعاد کے نام سے معارف میں چھپا ہے، الگ بھی ملتا ہے، دار المصنفین اعظم کٹہ میں اسلم صاحب کو لکھنے یا رازیر ضلع سورت میں مولوی محمد سعید صاحب کو لکھنے وہ بھیجیں گے،

حاصل یہ کہ خلق عالم سے غرض خالق تعالیٰ کو معاذ اللہ اپنے لئے کسی تمکیلی شان کا حصول نہیں

اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے بے نیاز اور غنی ہو

اِنَّ اللہ غنی عن العالمین



اس کو کسی چیز کی حاجت نہیں، محتاج ہم ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسرار و صفات میں کامل ہے کمال طبعاً ظہور کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسرار و صفات کا ملہ نے جب ظہور کیا تو یہ سارا عالم نمود میں آگیا اس عالم نمود میں انسان مرکز کی حیثیت کھتا ہوا اس لئے کہ اس عالم نمود کا ہر جز انسان کے علاوہ اول ہی ذرا کامل بنایا گیا و آفتاب جیسے بڑا تھانا جو زمین جیسی بڑی بنی ہوئی اشیاء کے خواص جیسے بنائے گئے بنے ہیں، مگر انسان کو ایک خاص حالت سادہ میں بے انتہا کمالی امکانات کے ساتھ پیدا کر کے چھوڑ دیا گیا، اس کو معاشی کمال کی فطری عقل غایت کر دی گئی، کہ وہ اس کی زندگی اور محیثیت کی کفالت کرے اور معادی کمال کی رہبری وحی کے ذریعہ کی گئی کہ وہ عقل کی دست رس سے باہر تھی، اور ان دونوں سے مقصود انسان کی معاشی اور معادی تکمیل ہے، معاشی تکمیل کا ظہور تو اسی دنیا میں ہو رہا ہے جس کا نام تمدن ہے، لیکن معادی تکمیل جس کا نام تہذیب ہے، اس کے نتائج کا ظہور اس عالم میں ہوگا، جو اس عالم نمود کے بعد قائم ہوگا، جس میں معادی تکمیل یافتہ افراد اپنے کمال کے ادج پر پہنچیں گے، جس کا نام حُبّت ہے، یا اسفل سافلین کے حنیف بن پہنچ جائیں گے جس کا نام دور رخ ہے،

خود فرمائے اگر یہ عالم نمود اور پھر یہ عالم آخرت پیدا نہ کئے جاتے تو اللہ تعالیٰ کے اسرار و صفات کا ظہور اور پھر عالم انسانی کی تکمیل کا ظہور کیونکر ہوتا،

اللہ تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو قرآن پاک میں جابجا الحق فرمایا ہے، اور اس کے بطلان کی نفی فرمائی ہے،

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ

اے ہمارے پروردگار تو نے اس کو

باطل نہیں بنایا ہے،

اور اس کی تردید فرمائی ہے، کہ انسان بے مقصد اس عالم میں نہیں لایا گیا ہے،

أَلَمْ نَبْقِئْكُمْ إِنْسًا خَلَقْنَاكُمْ كَوَاعِبًا ۖ

کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث بنایا،

وَ اَنْكَحُوا لِيْنَآلَا رَحْمٰنٍ ، اور تم یہاں لوٹ کر نہیں آؤ گے ؟  
 اِیْحِبُّوْا الْاِنْسَانَ اَنْ یُّتْرَکَ کیا انسان بھٹکا ہے کہ وہ بے کار  
 سُدی ، چھوڑ دیا جائے گا ،

یہی عالمِ حق جو خاص مقصد کے ساتھ بنا ہے ، دوسرے عالم مقصد کے ہونے کی دلیل ہے  
 کہ اگر وہ عالم انصاف و داد نہ ہو ، اور جزا و سزا کی دنیا نہ آئے تو اس عالم کی خلقت اور نمود  
 بے غایت ہو کر رہ جائے گی ، ”س“

## حکومتِ الیہ و مسلمانوں کا مطمح نظر

محرمی :-

السلام علیکم ،

جناب حکیم محمد حسین صاحب  
 گھوڑا گلی ، مری پور ،

نبوت سے مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطہ نظر کو پیش  
 کیا ہے ، اس مضمون میں بھی اسلامی سیاست پر بحث کی گئی ہے ، ایسے مضامین میں عموماً یہ فراموش  
 پائی جاتی ہے کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے ، کہ جس سے یہ ظاہر  
 ہوتا ہے ، کہ حکومت و سیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے ، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اسلام  
 کا اصلی مقصد توحید الہی ، ایمان و عمل ، تزکیہ اخلاق و تخلیہ روح وغیرہ ہیں ، حکومت  
 و سیاست اس کا ایک نتیجہ ، اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے ، جسے غلطی سے  
 اصل قرار دے دیا جاتا ہے ، (معارف جلد ۵ نمبر ۲ ، اگست ۱۹۶۶ء)

خاص سے عام تک ، مقید سے مطلق تک پہنچ جانے اور سیاق و قرآنی سے قطع نظر کر کے  
 آیت کے ایک ٹکڑے کو متعلق حکم سمجھ لینے کا جو مضامین شدید پہلی صدی ہجری ، بلکہ خلافت  
 راشدہ ہی کے دورِ آخرینِ خوارج کو پیش آیا تھا ، حالانکہ اس میں بھی ٹیڑھے بڑے عابد و زاہد

مشقی موجود تھی، اسی نوعیت کی غلطیوں میں آج مولانا مودودی کی جماعت بھی باوجود اپنے اخلاص کے گرفتار ہے۔

(صدق لکھنؤ ۱۹۴۶ء ص ۲، کالم ۲)

ان اقتباسات میں جو چیز مشترک ہے، وہ بظاہر یہ ہے کہ اسلام کسی ملک میں یا تمام دنیا میں ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانوں کا مطمح نظر نہیں قرار دیتا، جس کے ماتحت دنیاوی قوانین و احکام کے بجائے الٰہی قوانین و احکام کا عمل درآمد ہو اور کہ اسلام کا اصل مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہے۔ اس خیال کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت ہے، اس طرف محض اشارہ کر دینا کافی نہیں، کیا معارف میں ایک مستقل مضمون اس پر نکلے تو بہتر نہ ہوگا، جو لوگ مودودی صاحب کی تحریریں پڑھتے ہیں، ان کی رہنمائی کے لئے بھی اس موضوع پر مفصل اور مدلل بحث کی ضرورت ہو، اگر آپ اس کے لئے خود وقت نکال سکیں، تو بہت ہی خوب ہو، فقط

وَالسَّلَامُ

معارف :- جناب کو غلط فہمی ہوئی، میں نے یہ نہیں کہا کہ اسلام کسی ملک یا تمام دنیا میں ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانوں کا مطمح نظر نہیں قرار دیتا، جس کے ماتحت دنیاوی قوانین و احکام کے بجائے الٰہی قوانین و احکام کا عمل درآمد ہو، اور کہ اسلام کا مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہے۔ یہ کہنا ہے کہ حکومت و سیاست اسلام کا مقصد اول نہیں، بلکہ ثانی ہے، اور وہ بھی اس بنا پر کہ یہ بہت احکام الٰہی کے نفاذ و اجراء کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

مثال اس کی یہ ہے کہ نماز مقصود اول ہے، اور وضو اس مقصود کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ اور اسی حیثیت سے وہ ثانوی ہے، تو داعی و تکمل اسلام کا فرض ہوا کہ وضو کو ایسی اہمیت نہ دے کہ وہ مقصود اصلی ہو جائے، خواہ اس سے نماز پڑھی جائے یا نہیں، اسی طرح حکومت و سیاست کو وہ اہمیت دینا چاہیے

کہ دین کے اجزاء روحانی، اس کے قوانین دنیاوی سے کم تر اور یکے اور بے اثر ہو جائیں، ورنہ وضو کے بحیثیت ذریعہ نماز ہونے کی اہمیت سے جس طرح انکار ممکن نہیں، اسی طرح تنفیذ احکامِ الہی کے ذریعہ ہونے کے کما حقہ سے حکومت و سیاست اسلامی و الہی کی اہمیت سے کسی کو قطعاً انکار نہیں کرنا چاہئے اسی طرح فرد کی روحانی اصلاح جماعت کی روحانی اصلاح کا مقدمہ ہے، جماعت افراد ہی سے مرتب ہوتی ہے جب چند افراد صالح ہو جائیں گے تو جماعت صالح پیدا ہو جائے گی، اور جب امت کے اکثر افراد صالح بن جائیں گے تو امت صالحہ کا وجود ہو جائے گا، اجتماعی احکام بھی اسلام میں ہیں، جو جماعتوں سے متعلق ہیں اور ان کی اہمیت بھی کم نہیں ہے،

معموم صدق کی تحریر کا مقصد تاویل و تفسیر کے طرز سے ہے، خوارج نے آٹا ز اسلام میں جو طریقہ تاویل اختیار کیا تھا، ویسے ہی اس کے خیال میں بعض لوگ آج اختیار کر رہے ہیں اور اپنے سواہر تک کو خارج از ملت بتا رہے ہیں،

”س“

## عائشہ رضی اللہ عنہا

کا

### جدید اڈیشن

آئم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علی کا زمانہ اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی مکتبہ نجیان اور مترجمین کے جوابات، آخر میں علامہ سیوطی کا رس الہ عین الاصابہ فی مسند ذاک عائشہ بھی ملتی ہوئی قیمت :- یہ سیرِ نجات ۱- ۲۲۹ صفحے، طبع سوم باضاد حاشی،

”مینجر“

## مطبوعات جدیدہ

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک  
 { انمولانا مسعود عالم تدوین، تقطیع بڑی ضخامت ۱۷۵ صفحے، کاغذ  
 کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ دار الاشاعت  
 نشاۃ ثانیہ، حیدرآباد دکن،

ہندوستان میں مسلمانوں کی دینی تجدید و اصلاح اور ان کی سیاسی سر بلندی کے پہلے داعی اڈ  
 مجاہد حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسماعیل شہید تھے، ان کے بعد ان کے خلفاء اور توفیقین نے بھی اس سلسلہ کو  
 جاری رکھا، اول الذکر دونوں بزرگوں کا جہاد سکھوں کے تعالہ میں تھا، اور ان کے بعد کے مجاہدین کی فکر  
 انگریزوں سے ہوئی، اور اس راہ میں انھوں نے بڑی قربانیاں کیں، اور بڑی سختیاں جھیلیں، حضرات شہیدین  
 کے حالات میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور اب ان کے متعلق اردو میں کافی معلومات ہیں، مگر ان کے بعد کے مجاہدین  
 کے متعلق جبہ متفرق معلومات کے سوا مفصل و مرتب حالات نہیں ملتے، لائق ملاحظہ نے اس  
 کتاب میں اس پورے سلسلہ کی تاریخ قلمبند کی ہے، اور اس سلسلہ میں جو غلط فہمیاں ہیں، ان کو دور  
 کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً عربین شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک تجدید اور ہندوستان  
 میں مولانا سید احمد بریلوی کی تحریک اصلاح و جہاد دونوں تقریباً ایک ہی زمانہ میں تھیں، اس لئے عام  
 سے آخر الذکر کو اول الذکر سے ماخوذ اور اس کا ضمیمہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ دونوں تحریکیں علاحدہ علیحدہ مستقل  
 حیثیت رکھتی تھیں، اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ یہ تحریکیں انگریزوں کے مصالح کے خلاف تھیں، اور شیخ  
 محمد بن عبد الوہاب کی تحریک عربین ترکوں کے بھی خلاف پڑتی تھی، اس لیے انھوں نے ان تحریکیں کو

بذم کرنے اور مٹانے کی پوری کوشش کی، اور ان کے خلاف خود مسلمانوں میں ایسا پروپیگنڈا کیا، کہ وہابی کا لقب نہ صرف باغی، بلکہ عام مسلمانوں کے دشمن کا حوادث بن گیا، ہندوستان میں حضرت سید احمد بریلویؒ ان کے اتباع کو بھی اسی لقب سے بذم کیا گیا، لائق توفیق نے اس پروپیگنڈے کے اسباب پر بحث کر کے دونوں غلط فہمیوں کو دور کیا ہے، اور بعض دوسری غلطیوں کی تصحیح کی بھی کوشش کی ہے، اور حضرت سید صاحب کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور ان کے خلفاء اور متوسلین کے مجاہدات اور کارناموں کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور جن جن طریقوں سے ان کو مٹایا گیا، اس کی تفصیل ہے، مصنف نے بڑی تلاش و جستجو سے یہ حالات فراہم کئے ہیں، اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس ہندوستان میں مسلمانوں کی تجدید و اصلاح اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کی نہایت اہم کڑی جو عام ملک و ہون سے مستور تھی، سامنے آگئی، اور اس حیثیت کو مصنف مسلمانوں کے شکریہ کے مستحق ہیں، البتہ کتاب میں کہیں کہیں جذبی اختلافی نو مسائل ہیں، بھی مصنف کا لہجہ ذرا سخت ہو گیا ہے، جو ان کے شدت ایمان کا نتیجہ ہے،

**تدوین حدیث** از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صد شہید و نبیات عثمانیہ

یونیورسٹی، قلعہ چھوٹی، ضخامت ۶۰ صفحے کا غذا کتاب و طباعت بہتر قیمت ۱۲ روپے۔

ادارہ دعوت الحق، بنگلہ بازار کوچہ گھاس منڈی، حیدرآباد دکن،

دینی علوم میں علوم القرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، بلکہ اس حیثیت سے وہ بھی علوم القرآن ہی میں شامل ہیں کہ حدیث کلام مجید کے مجال کی تفصیل و تشریح اور بہت سے قوانین اور تعلیمات کا ماخذ، اگر حدیث کو الگ کر دیا جائے، تو اسلامی تعلیمات کے بہت سے اوراق سادہ روہ جائیں گے، اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور عہد رسالت کی پوری تاریخ کا مدار تمام تر حدیث پر ہے، اس لئے وہ مذہب اسلام اور عہد سعادت کے حالات و قانون کا سب سے بڑا ماخذ ہے، حدیث کے بغیر ہم کو سیرۂ نبوی

ہمک کا حال نہیں معلوم ہو سکتا، اسی لئے صحابہ کرام تابعین و تبع تابعین اور ائمہ اسلام نے حدیث نبوی کی تعلیم اس کی حفاظت اور اشاعت میں جو اہتمام کیا، وہ دنیا کے کسی تحریری و تاریخی سرمایہ کے لئے نہیں کیا گیا۔ اس کے باوجود کچھ تاریخ حدیث سے ناواقفیت، کچھ یورپ کی صدائے بازگشت کے اثر اور زیادہ تر مذہبی پست اور عقل پرستی کی بنا پر موجودہ دور کے خود ساختہ مجتہدین حدیث کی صحت اور اس کے حجت شرعی ہونے کے منکر ہیں، بہت سے علمائے اس فتنہ کے انہاد کی کوششیں کیں، زیر نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک اہم اور دقیقہ کوشش ہے، اس میں فاضل مصنف نے مذہبی عقیدت سے قطع نظر عقلی، ادراستی اور تاریخی خشیت سے احادیث نبوی کی صحت اور اس کو لائق اعتماد ہونے پر محققانہ بحث کی ہے، اور حدیث کی حقیقت و اہمیت اس کے رد و اثبات کی خصوصیات، اس سے صحابہ تابعین اور تبع تابعین کا عشق، اور اس کی تعلیم حفاظت و اشاعت میں ان کا اہتمام تدوین حدیث کے قدرتی اسباب و وسائل، حدیثوں کا توازن، اس کی تدوین کی تاریخ دنیا کے دوسرے تحریری ذخیرہ کے مقابلہ میں حدیث نبوی کے امتیازات وغیرہ ان تمام پہلوؤں کو جو کسی تحریری اور تاریخی سرمایہ کی صداقت اور اس پر وثوق و اعتماد کے لئے ضروری ہو سکتے ہیں، اس مدلل طریقہ سے دکھایا ہے، عقل پرست سے عقل پرست کے کو بھی احادیث نبوی کی صحت نقل سے انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ اس غلط فہمی کو خاص طور سے دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کی تدوین دوسری اور تیسری صدی میں عمل میں آئی، اس لئے موجودہ کتب حدیث لائق اعتماد نہیں جن لوگوں کو ناواقفیت کی بنا پر حدیث کی صحت کے متعلق شکوک و شبہات ہیں، ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس خدمت کی جزا سے خبر دے،

**حقیقتِ عبودیت**، مترجمہ مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی قیطع چھوٹی،

صفحات ۱۶۴، کاغذ کتابت، و طباعت بہتر قیمت :- غیر پتہ دار الاشاعت

نشاۃ ثانیہ خیر آباد دکن،

یہ کتاب علامہ ابن تیمیہ کے رسالہ الجود یہ کا ترجمہ ہے، یہ رسالہ بھی علامہ کی دوسری کتابوں کی طرح اپنے موضوع پر نہایت حاوی اور فصیح عقائد کے لئے بہت مفید ہے اس میں عبودیت کی حقیقت اور اس کے تمام اجزاء و تعلقات کی تشریح کے ساتھ منافی عبودیت عقائد و اعمال کی بھی پوری تفصیل اور عبودیت ہی اسلام کی اصلی روح ہے، اور اس کی دوسری تمام تعلیمات اسی کے مظاہر ہیں، اس لئے اس رسالہ میں گویا اسلامی تعلیمات کی پوری روح اگنی ہے، اس میں بھی جابجا مصنف کے مسلک کی شدت نمایاں ہے ترجمہ کے متعلق مترجم نے خدیہ وضاحت کر دی ہے کہ ترجمہ آزاد ہے اور عموماً مباحث کے اصل مفہوم و منشا کو لے کر اور دین متقل کر دیا گیا ہے، اور کہیں کہیں حذف و اضافہ اور تلخیص سے بھی کام لیا گیا ہے بہر حال جو جو صورت میں ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ ہے،

**حلیۃ النبی** از مولانا سید احمد صاحب قادری مدرس مدرسہ اسلامیہ س احمدی پٹنہ قیطع چھوٹی ضخامت ۶۔ صفحہ کاغذ، کتابت و طباعت بہترین سرپتے شاد بک ڈپو مندر پٹنہ اور کتبہ دین و دانش کھنیاں کنواں روڈ پٹنہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جس طرح کمالات نبوت کی جامع تھی، اسی طرح حسن و جمال ظاہری میں بھی ع-۱

انچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق اور مردانہ حسن کامل کا پیکر تھی، اردو میں سیرت نبوی کی کتابوں میں ضخماً حلیۃ مبارک کے متفرق حالات ملتاے ہیں لیکن غالباً اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہیں ہے، الا ان مؤلف نے اس کتاب میں حدیث و سیر کی مستند کتابوں سے حلیۃ اقدس کے مفصل حالات تحریر کئے ہیں، جس موضوع نے قدرۃ قلم میں دل آویزی پیدا کر دی ہے، اور تحریر میں خاصی ادبی چاشنی موجود ہے، یہ رسالہ عام طور سے مسلمانوں خصوصاً شیعہ گان رسول کے مطالعہ کے لائق ہے،



وامن تھی) از جناب مبارز الدین رفعت صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۹ صفحہ کاغذ کتابت و

طباعت بہتر قیمت مجلد ۱۰ روپے اشاعت ایجوکیشنل سپلائی کمپنی عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور صاحب قلم ہیں، اس کتاب میں انھوں نے انسانی زندگی کی ناکامی خصوصاً

نوجوانوں کے عوصلوں اور جذبات کی نامرادی، اور من و عشق کی وارداتوں کو خطوط کی شکل میں بیان

کیا ہے، اور اسی قبیل کے چند شاعرانہ اور فلسفیانہ افسانے بھی ہیں ان افسانوں میں بہترین کو آپ بینی کی

جھلک نظر آئے گی، مصنف نے اس کتاب پر خود یہ تبصرہ کر دیا ہے کہ اس میں کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے

کچھ طرز اول ہے، گو یہ کتاب لطف اور دلچسپی سے خالی نہیں ہے، لیکن مصنف اپنے سنجیدہ قلبی

دائریہ میں ادب اور افسانے سے زیادہ کامیاب رہتے،

اشعار جناب مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۰ صفحہ کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ روپے، مکتبہ دہلی، اور اس کی شاخیں نئی دہلی

لاہور، لکھنؤ، اور بمبئی، نمبر،

لائق موصوف نے اس کتاب میں سب اشعار اللہ خان کے حالات، ماحول شعرا کے ساتھ

ان کے معرکوں اور ان کے لطافت و خرافات کو اپنے مخصوص دلکش انداز میں لکھا ہے اور ان کے کلام کے مختلف

نمونے دیے ہیں، اشعار اللہ کے حالات اور فرحت اللہ کا قلم بشار اللہ نے سونے پر سماگہ ہے، اس میں

شبہ نہیں کہ اشعار اپنے علم و ذہانت و طباعی، شوخی و ظرافت، شکل پسندی اور ماحول میں سے تجزئی میں

اپنے تمام معصروں میں نمایاں ہیں، لیکن ان اوصاف کو چمکانے میں آزاد کی ٹیس سازی کو بھی جڑاؤ ہے

مصنف نے اس کی حقیقت بھی ظاہر کی ہے، کتاب کا یہ حصہ خالص طور سے مفید ہے،

نامہ تنقید آزاد، محمود رضویہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۰ صفحہ کاغذ کتابت و طباعت اوسط

قیمت عاریتہ، ہندوستانی ادب اشاعت انجمن ترقی اردو کراچی

لائق مؤلفہ روزناس لکھنے والی ہیں، اس سے پہلے ان کی بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے تاریخ اسلام کے ابتدائی دور یعنی تبلیغ اسلام، غزوات نبوی، فتنہ ارتداد، فتوحات عراق و ایران و شام و مصر کے متفرق حالات اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اخلاق و سیاست کو ذاتی خصوصاً اہمات المؤمنین کا صحابیات اور سلمان خواتین کے سبق آموز واقعات کو جمع کر دیا ہے، یہ واقعات زیادہ تر صحیح ہیں لیکن بعض جو غالباً واقعی وغیرہ کے بیانات سے ماخوذ ہیں، افسانے زیادہ نہیں، انخاص اور مقامات کے ناموں میں جا بجا غلطیاں ہیں مجموعی حیثیت کتاب لائق ستائش اور عورتوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

**اللہ کے رسول**، از جناب شرافت حسین صاحب رجم آبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۲ صفحے کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت بہتر، ارد شہ حسین صاحب، مکتبہ دین و دانش مکارم نگراں لکھنؤ،

مصنف نے اس کتاب میں بچوں کے لئے سادہ اور آسان زبان میں سیرت پاک کے سبق آموز واقعات و حالات تحریر کئے ہیں، اردو میں اس مقصد کے لئے بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن وہ مذہبی معلومات کے لئے تو مفید ہیں، مگر ان میں تعلیمی اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اور یہ کتاب اس تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے نفرد میں انفاذ کی نگہ رکھی گئی ہے جس سے وہ بچوں کے ذہن نشین ہو جاتے ہیں اس لئے یہ کتاب مذہبی اور تعلیمی دونوں حیثیتوں سے بچوں کے پڑھانے کے لائق ہے،

**مقامات** از جناب احسان دانش تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت

بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ: مکتبہ دانش فرنگ لاہور،

مقامات جناب احسان دانش کے کلام کا نیا مجموعہ ہے ان کلام کی خصوصیات اتنی معلوم و مشہور ہیں کہ ان کے کو کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں اس مجموعہ میں بھی یہ تمام خصوصیات موجود ہیں، شاعری کے انواع کے اعتبار سے اس میں دینی اخلاقی سیاسی اور اصلاحی منظومات اور مختلف النوع خیالات جذبات و تاثرات پر تجزیہ اور تنقید نظر میں ہیں، جا بجا غزلوں کی رنگینی بھی نظر آتی ہے، امید ہو کہ اصحاب ذوق میں یہ مجموعہ مقبول ہوگا، م۔

جلد ۵۸ "ماہ ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۶ء" عدد ۵  
مضامین

شذرات شاہ معین الدین احمد ندوی ۳۲۲-۳۲۳

مقالات

حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، سید سلیمان ندوی ۳۲۵-۳۲۶

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ۳۲۳-۳۵۹

صدر شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی،

اسلامی نظریہ سیاست جناب مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل ۳۶۰-۳۶۴

دیوبند،

براکھان کی کتاب کا نیا ایڈیشن پروفیسر زبیر احمد صاحب الہ آباد یونیورسٹی ۳۶۸-۳۶۹

آثارِ علمیہ

مکاتیب مولانا عبدالحی فرنگی محلی ۳۴۰-۳۸۴

استفسار و جواب

شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں "اج" ۳۸۵-۳۸۴

نہایت کی اصلیت، "ر" ۳۸۶-۳۸۹

عقوق والدین " ۳۸۹-۳۹۲

بحم خنزیر کی حرمت " ۳۹۲

ادبیات

عرض حال جناب ڈاکٹر ۳۹۳-۳۹۴

کیف انظر اب جناب انور کرمانی ۳۹۴-

مطلبہ عات بہار ۳۹۵-۴۰۰ م

## شکست

ہندو مسلمانوں میں جو انوشاک اختلاف اور جنگ و خونریزی رہا ہے، مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت سے اس کے ختم ہو جانے کی توقع پیدا ہو گئی ہے، بشرطیکہ دونوں میں اخلاص کے ساتھ اتحاد و اتفاق باہمی اعتماد اور اشتراک عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے، گو مصالحت کی ذمہ داری دونوں پر ہے، لیکن اقلیت کو خطرات اکثریت کی جانب میں اس لئے اس پر ذمہ داری زیادہ ہے، اور اس کے لئے ضرورت ہے فرقہ وارانہ تنگ دلی و تنگ نظری کو چھوڑ کر تسبیح قلب اختیار کرنے اور اقلیت کے خطرات کو دور کر کے ہر طرح سے اسے مطمئن کرنے کی اس کے بغیر اصل بنائے نہ ختم نہیں ہو سکتی،



اسی کے ساتھ ان تمام باتوں سے احتراز فرمنا ہی ہے، جن سے کسی جماعت کے جذبات متعلیٰ ہو جوتے ہوں، ہو جماعت کو اپنے نصب العین، اور طریقہ رسد کار کی صحت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا حق ہے، لیکن دوسروں کی تنقیص و ذمت سے نہیں، بلکہ دلائل و عمل سے ذمت و دل آزاہی سے اختلاف کی آگ اور بھڑکتی ہے، اور اس غلطی میں ذمہ دار غیر ذمہ دار فرقہ پرست و قوم پرور لیڈروں اور اخبارات سب کا حال یکساں ہے، اللہ ما شاء اللہ،

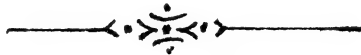


کالمکاتہ کے ہنگامہ سے لیکر اس وقت تک جو دشمنانہ خونریزی جاری ہے، وہ حد درجہ قابل ملامت اور ہندو مسلمان دونوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے کسی انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پھر دور وحشت لوٹ آیا ہے، لیکن ایسے موقع پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی بڑے برے نتائج پیدا کرتی ہے، انوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ اس سلسلہ میں نہ صرف غیر ذمہ دار اشخاص و جماعتوں بلکہ قوم پرور جماعتوں تک کا رویہ نامناسب رہا، اور ان کے

ذمہ داریڈرون کے بیانات نہایت غیر متاطا، بلکہ اشتعال انگیز ہیں،



اس قسم کے فتنہ و فساد کا مجرم کسی خاص جماعت کو قرار دینا صحیح نہیں ہے، ورنہ یوں تو ہر جماعت دوسری کو ملزم بنا سکتی ہے، اور اس کے دلائل بھی رکھتی ہے، اور حقیقت یہ ہنکائے ہر جماعت کے فتنہ پرست عنصر کی مشترک شر انگیزی کا نتیجہ، اور سب کے نزدیک یکساں قابلِ ملامت ہیں، اس کا الزام تنہا کسی ایک جماعت کے سر منڈھ کر اس کی تشہیر کرنا عوام کو انتقام کے لئے ابھارنا ہے جس کے نتائج بہارِ مین ظاہر ہو رہے ہیں، معلوم نہیں ان کی ذمہ داری کسی کس کے سر ہو گی ؟



ہندو مسلمان دونوں کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو ٹا نہیں سکتا، نہ اکثریت اقلیت کو پامال کر سکتی ہے، اور نہ اسے نظر انداز کر کے تنہا ملک کی کوئی مفید خدمت انجام دیتی ہو، اور نہ اقلیت محض فحش لغت اور مزاحمت سے اکثریت کو نقصان یا اپنی قوم کو حقیقی فائدہ پہنچا سکتی ہے، اور نہ عزائم کی پالیسی ہمیشہ چل سکتی ہے، دونوں کو اسی سر زمین میں رہنا ہے، دونوں کے بہت سے سیاسی و ملکی مفاد مشترک ہیں، اس لئے تحفظ حقوق کی پوری ضمانت کے ساتھ باہم اتحاد اور اشتراک عمل ضروری ہے،



ایسی دو قومیں جن کا چولی دامن کا ساتھ ہو، ہمیشہ برسرِ پیکار نہیں رہ سکتیں، اگر ابھی وہ ملک کی بھلائی کے لئے کشادہ دلی سے متحد نہیں ہوتیں، تو ایک نہ ایک ان جنگ و جدال سے تھک کر خونریزی و بد امنی اور جانی و مالی نقصان سے گھبرا کر ملنے پر مجبور ہوں گی، اس لئے جو صورت بعد از خرابی بسیار ہونے والی ہو، اس کو پہلے ہی زیادہ خوشنما طریقہ سے کیوں نہ اختیار کر لیا جائے، اس وقت ایسا موقع آگیا ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کے لیڈر ہوشمند سی سے کام لیں تو موجودہ صورتِ حال بدل سکتی ہے، اسی پر دونوں کی فلاح منحصر ہے،



میر لڑ ٹیمپو نیویارک کے ایک نامور نگارِ ازلن ریٹائڈ جنھوں نے حال ہی میں ٹرکی کا سفر کیا تھا وہاں کے حالات پر اخبارِ مذکور میں ایک مضمون لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی میں بڑا اندھی انقلاب رونما ہو رہا ہے اور گزشتہ لائسنسیت اور بے دینی کی جگہ ہر طبقہ میں ایک عام مذہبی رجحان پیدا ہو گیا ہے مارشل چٹاق جو جدید ٹرکی

کی ایک نمایان و متاثر شخصیت ہیں، اس کا عقیدہ مسلمان ہیں، ادبیات سے لیکر شہر و نگر تک کی مسجد میں ہر طبقہ کے نمازیوں سے بھری رہتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ٹرکی کا پرانا مذہبی دور لوٹ آیا ہے،



غیبت ہو کہ جذبہ ہی برسوں کے تجربہ کے بعد ترکوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا، اور ان کو معلوم ہو گیا کہ ان کی فلاح نہ قدیم تورانیت کی جانب رجعت تعمیری میں ہے، اور نہ مغربیت کی اندھی تقلید میں، کوئی متمدن قوم اپنے دور و دشت پر فخر نہیں کر سکتی، اور نہ اس کے احیاء سے اس زمانہ میں کوئی فائدہ پہنچ سکتا، مغرب پرستی کا بھی پورا تجربہ ہو چکا، کہ اس سے نہ وہ مغربی اقوام میں مثال ہو سکتے ہیں، اور نہ ان کی نگاہ میں ان کی وقعت بڑھ سکتی ہے، اور جب بھی کوئی موقع آئے گا، تو ان کے ساتھ وہی سلوک ہو گا جو مشرقی قوموں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے، اگر کوئی مغربی قوم کسی موقع پر ان کی حمایت بھی کرے گی، تو ان کی ہوا و آہ میں نہیں، بلکہ اپنے مفاد کے لئے، اور جب مفاد بدل جائے گا، تو اس کا رخ بھی بدل جائے گا، جو قوانین اپنی مجلس کمرہ قوموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتیں، ان سے دوسروں کو کیا توقع ہو سکتی ہے، اس لئے ترکوں کی دنیاوی فلاح بھی اسلام ہی سے وابستہ ہے، اس سے وہ دنیا کی ایک عظیم الشان قوم کی برادری میں شامل ہوں گے، اور ساری دنیا سے اسلام کی ہمدردی ان کے ساتھ ہو گی، جو بے اثر چیز نہیں،



جدید تحریکوں کے اثر سے ہندوستان کے نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان بھی جزائی قومیت و وطنیت سے شلزم، و کمبوزم وغیرہ کی طرف بھٹک رہے تھے، خوشی کا مقام ہے کہ اب وہ اسلامی قومیت کی طرف پلٹ رہے ہیں، اور ان میں مذہبی رجحان مذہبی معلومات کے حصول کا شوق اور اپنی قوی روایات کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے، اور اب وہ اپنی مسلمان کہلانے پر شرم نہیں بلکہ فخر کرتے ہیں، گویا ابھی ان کی مذہبیت زیادہ تر سیاسی رنگ کی ہے، لیکن اگر ان کی صحیح رہنمائی کی جائے تو وہ اس راہ سے خالص مذہب کی طرف آسکتے ہیں،



## مقالہ

### سیرۃ نبوی جلد ہفتم کا ایک باب

حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے؟

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ ۚ

آیت بالا میں ارشاد خداوندی ہے کہ حکم کسی کا نہیں مگر اللہ تعالیٰ کا ہے، اس لئے اسلام میں حاکم حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے لیکن احکام الہی کی دو قسمیں ہیں، ایک تشریعی یعنی وہ احکام جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے شریعت بن کر نازل ہوتے ہیں، اور دوسرے تکوینی یعنی وہ احکام جو فطرتِ حشریت سے مخلوقاتِ عالم میں ودیعت رکھے گئے ہیں، ان دونوں قسموں کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے اور اسی کا حکم جاری و ساری ہے، دنیا میں ایسے بادشاہ گذرے ہیں جنہوں نے فرو و فرعون بن کر دعوائے بادشاہی کیا، مگر ان کو بھی تکوینی احکام الہی کے آگے سرنگون ہو کر جان دینی پڑی، اور یہ شہد ان سلاطینِ عالم کو اس لئے پیش آتا ہے کہ وہ اپنے تشریعی احکام اور فرامین کے آگے جب خدا کے بندوں کو مطیع پاتے ہیں، تو غرور سے تکوینی احکام کا اصرار بھی اپنے کو جاننے لگتے ہیں، اسلام نے شکِ شبہہ کے اس رشتہ کو کاٹ ڈالا ہے، اس نے یہ قرار دیا ہے کہ سلاطین نہ تشریعی اختیار رکھتے ہیں، اور نہ تکوینی، زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اوس کی ہے اور امر تکوینی جو یا تشریعی، اوس میں اسی کا فیصلہ فیصلہ ہے، اس میں کی قرآن پاک کی کئی آیتیں ہیں،

اِنَّ الْحَكَمَ لَا لِلّٰهِ (یوسف) حکم نہیں مگر اللہ کا،  
اَلَا لَہُ الْحُکْمُ وَهُوَ اَسْتَعِجُ الْحَاسِبِیْنَ (النّار-۸) اُن اُسی کے لئے حکم کرنا ہے اور حساب کرنے والوں میں سے تیز دے،  
لَہُ الْحُکْمُ وَالِیْہِ تَرْجَعُوْنَ اوسى کا حکم کرنا ہے اور اوسى کی طرف لوٹاے جاؤ گے (قصص)

اگر کوئی فطری میں تو انسان کی ناچاری و مجبوری ظاہر ہے کہ وہ زمین آسمان اور خاک و باد و آب و آتش اور جسم و جان میں ایک ذرہ کی کمی بیشی بھی نہیں کر سکتا، نہ اشیاء کے خواص کو بدل سکتا ہے، نہ اس کی صفات میں تغیر کر سکتا ہے اور نہ اس کے قواعد و قوانین میں ایک ذرہ کی کمی و اضافہ کر سکتا ہے۔ ان احکام کے آگے سب ہی سرانگندہ اور ناچار ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں ایک بادشاہ نے جب خدائی کا دعویٰ کیا، تو اپنے اس کو اسی دلیل سے خاموش کر دیا، فرمایا:-

فَاِنَّ اللّٰہَ یَا تِیْ بِالْشَّمْسِ مِنْ الْمَشْرِقِ تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے  
فَا تِیْ بِہَا مِنْ الْمَغْرِبِ فَبُہِتَ تو تو اس کو پچھم سے نکال، تو وہ کا فر  
الَّذِیْ کَفَرَ (یقرۃ-۳۴) لا جواب ہو گیا،

حکومت و سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، دنیا میں بھی جو لوگ حاکم کہلاتے ہیں، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے ہوتے ہیں،

اللّٰهُمَّ مَا لَكَ الْمُلْكُ تَوْتِی الْمُلْكُ اے اللہ سلطنت کے مالک تو جس کو چاہے  
مَنْ تَشَاءُ، سلطنت دے،

اس لئے ان میں راہ صواب پر وہی ہیں، جو اپنے کو اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینی کی طرح اس کے احکام تشربی کے بھی تابع سمجھتے ہیں، اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اسی لئے دی ہے کہ



وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دنیا میں رائج اور شائع اور اس کی شریعت کے مطابق احکام کو جاری کریں، اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ مانا جاتا ہے کہ احکام کے اجرا اور قوانین کے وضع کا اصلی حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں احکام اور قوانین میں جو کلیات اور قواعد بیان فرمادیئے ہیں، اُن کے متبع سے اہل علم اور مجتہدین دین نے نئے نئے احکام جزئیہ متفقہ کر سکتے ہیں ان احکام الہی کی نسبت اس حیثیت سے کہ ان میں عقلی مصلحتیں ہوں اور طبعی نفع و ضرر پر مشتمل ہوں بے شبہ اہل عقل اپنی عقل و فہم سے فیصلہ کر سکتے ہیں لیکن شریعت میں احکام کا مدار صرف اسی حیثیت پر نہیں ہے، بلکہ اس سے اہم حیثیت یہ ہے کہ ان میں سے کس بات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا شامل ہے، یا یوں کہئے کس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب یا عقاب مرتب ہوتا ہے، اس کا حال صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اہل عقل اپنی ناقص عقل سے جو کچھ کہتے ہیں، اگر وہ حکم الہی کے مطابق نہیں ہے، تو گو اس میں کچھ ظاہری مصلحتیں ہوں، مگر حقیقی مصلحتوں کے جاننے کے لئے امر غائب اور مستقبل کا صحیح علم ہونا ضروری ہے، اور یہ انسان کے بس سے باہر کی بات ہے، اس لئے حقیقی مصلحتیں اسی حکم میں ہیں، جس کو خدا سے عالم آئینہ نے نازل فرمایا،

ان تمام مذکورہ بالا امور کے لحاظ سے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ قانون کا حاکم اور امر و نہی کا واضع مقرر اللہ تعالیٰ ہے، قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں اس حقیقت کو مختلف پیرایوں میں ادا کیا گیا ہو، عام طور سے فقہانے اس پر ان دو آیتوں سے استدلال کیا ہے،

۱۔ اِنْ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (انعام و یوسف) حکم صرف اللہ کے لئے ہے،

۲۔ اَلَا لَیْلَ الْخَلْقِ وَالْاٰخِرِ، ہاں اسی اللہ کے لئے ہے، پیدا کرنا اور

(اعراف) حکم دینا،

سیرۂ نبوی جلد ہفتم کا ایک باب

یہ دونوں آیتیں جن موقعون پر وارد ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اور امر کو بنیاد اور حاد ث عالم سے متعلق ہے، پہلی آیت دو جگہ ہے، سورہ انعام اور سورہ یوسف میں، سورہ انعام کا موقع یہ ہے کہ کفار نبی کی صداقت کے ثبوت میں عذاب کا جلد مشاہدہ چاہتے ہیں، اس کے جواب میں ہے،

مَا عِندَ حِیِّ مَّا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ اِنَّ  
الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ لَیْقِصَّ الْحَقَّ وَهُوَ خَبِیْرٌ  
الْفَاصِلِیْنَ

(الغافر - ۷۰) وہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے،

دوسری جگہ سورہ یوسف میں اس موقع پر ہے، جب حضرت یعقوبؑ بیٹوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہوتا کہ کسی آفت میں نہ پھنسو، پھر فرماتے ہیں، کہ یہ تو انسانی تدبیر ہے، مگر ہوگا وہی جو اللہ چاہتا ہے،

وَمَا غَنٰی عَنْكَوَمِنَ اللّٰهِ شَيْءٌ ۚ اِنَّ  
الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَ  
عَلَیْہِ یَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ

اور خدا کے حکم کو میں تم سے نہیں ڈال سکتا،  
حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے، (باوجود  
اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اس پر  
بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ  
رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے،

(یوسف - ۸۰)

دوسری آیت کا موقع یہ ہے،

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ  
وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی  
عَلٰی الْعَرْشِ یَغْشِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ  
بَیِّنًا ۚ سُبْحٰنَہٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۚ لَیْسَ لَہٗ  
کُفُوًا شَیْءٌ ۚ سِیِّئٌ مَّا یَعْمَلُ الْکٰفِرُوْنَ

بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے  
سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا  
کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے،

يَطْلُبُهُ حَيثُ شَاءَ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ  
وَالنَّجْمُ وَمُسَخَّرَاتِ بَاطِنِهَا  
لَهُ الْخَلْقُ وَالْآخِرُ تَبَارَكَ اللَّهُ  
رَبُّ الْعَالَمِينَ  
(اعراف - ۷)

شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس  
دن کو جلد ہی لے آتی ہے، اور سورج اُ  
چا نہاؤ دوسرے تار دن کو پیدا کیا اُسے  
پر کسب اسی کے حکم کے تابع بن یا د رکھو  
اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اُ  
حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے ساتھ بھرے  
ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے

صاف ظاہر ہے کہ اس امر کا تعلق خلق و تکوین سے ہے، اہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لفظ آخر اور جُکو  
نوی دست کی بنا پر امور شرعی کو بھی کسی درجہ میں شامل ہو جائیں لیکن قرآن پاک اور احادیث میں جب  
دوسرے تصریحی دلائل اس دعویٰ پر موجود ہیں، تو اس تصریح کو چھوڑ کر صرف اجمالی دلیل پر قناعت  
کیون کی جائے،

عبادت کے معنی صرف کسی کو معبود بنا کر پجارتے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ اگر کسی کو زبان سے  
معبود نہ بھی کہا جائے، اور اس کی ظاہری پرستش نہ بھی کی جائے لیکن اس کے احکام کی مش خد کے  
حکم کی متعللاً اطاعت کی جائے، تو یہ بھی عبادت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے  
ادا ہوتا ہے،

لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ (ماریو) شیطان کی عبادت نہ کرو،  
دوسری جگہ ارشاد الہی ہے :-

أَنْ لَا تَعْبُدَ الشَّيْطَانَ، (یسین) یہ کہ شیطان کی عبادت نہ کرو،  
ظاہر ہے شیطان کی عبادت کوئی نہیں کرتا، لیکن جو شیطان کی باتوں پر عمل کرتا، اور اس کے

حکون کو مانتا ہے، وہی شیطان کی عبادت کرتا ہے، اس لئے حکم الہی ہے،

وَقَضَىٰ رَبِّيَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا  
اللَّهَ، (اسرائیل ۳)

اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہو چکا کہ اللہ  
کے سوا کی عبادت نہ کرو،

سورہ کہف میں ہے :-

وَلَا يَشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ (۲)

اور نہ اللہ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہو،

سورہ کے آخر میں ہے،

وَلَا يَشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِمْ

اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک

أَحَدًا (کہف - ۱۶) نہ کرے،

یہ عبادت ہر قسم کی اطاعت کو شامل ہے، قرآنِ پاک نے دوسرے موقع پر تصریح کی ہے کہ

شرک صرف یہ نہیں ہے کہ ایک خدا کو دو خدا کہا جائے، بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت بلا واسطہ میں کسی اور

کو شریک ٹھہرایا جائے، سورہ انعام میں حلال اور حرام کھانے کی تفصیل کے بعد ارشاد ہے کہ

وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ

اور بے شبہ شیطان اپنے دوستوں کو سکھاتے

لِيَجْعَدُوا لَهُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ

ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں، اور اگر تم ان کی

إِنْ كُنْتُمْ لَمَشْرُكُونَ، اطاعت کر لو، (ان کی بات مان لو) تو

(انعام - ۱۴) یقیناً تم مشرک ہو جاؤ،

اوپر کی آیتوں سے واضح ہوا کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، یہاں سوال پیدا ہو گا، تو پھر سلام

میں انبیاء اور ائمہ زمانہ اور خلفاء کی اطاعت کا حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، جواب یہ، یہ کہ بے شبہ اسلام

میں اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور دوسروں کی اطاعت احکامِ الہی کی تبلیغ اور احکامِ الہی کے اجراء

تفہیم میں حکمِ الہی کے تحت میں ہے ارشاد الہی ہے،

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور

وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ

اولی الامر کی اطاعت کرو،

اول الامر کی اطاعت خواہ اس سے مراد علماء ہوں یا حکام خدا کے احکام کے تحت اسی کے حکام کی تنفیذ اور اجراء میں ہے، اور رسول کی اطاعت بھی احکام الہی کی تسلیم اور تنفیذ ہی کی خاطر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :-

وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع

اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے، اور

اللَّهُ، (نساء - ۵۸)

اللہ کی اطاعت کی،

اس سے پہلے اسی سورہ میں ہے،

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا

اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا، لیکن اس لئے

لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ،

کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے

یہود اور نصاریٰ نے احکام الہی کو چھوڑ کر اپنے راہبوں اور کاہنوں اور پوپوں کی اطاعت کو دین

بننا رکھا تھا، اور ان کا حکم، حکم خدا سے ماخوذ و متبیط نہیں، مستقل حکم کے طور پر ہی لایا جاتا تھا، اس لئے اللہ

تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کو شرک کا ملزم قرار دیا ہے، اور ان سے جزیہ یا قاتل کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے :-

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

اہل کتاب ہیں سے اُن سے لڑو جو اللہ

کے دین کو اور آخر کو لا چھوڑتے ہیں

اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، اور نہ

مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَ

جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام

نہ کیا، ان میں سے جو دین الحق میں ہیں

کیا، اس کو حرام مانتے ہیں، اور نہ

أُولَئِكَ الْكُفَّاءُ (توبہ - ۱۷)

وہ دین حق کی اطاعت کرتے ہیں،

ان آیات میں اہل کتاب پر ایمان نہ رکھنے کا جو الزام قائم کیا گیا ہے، وہ اسی لحاظ سے ہے کہ

وہ صریح حکم الہی کے پابند نہیں ہیں، بلکہ یہ مرتبہ انھوں نے خدا کے بندوں کو بھی دے رکھا ہے، چنانچہ اس کے بعد اس کی تصریح ہے،

اتَّخَذُواْ أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ  
ارْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ  
عَرْصَةِ وَمَنْ أُمِرُواْ أَكْفَرُواْ لِيَعْبُدُواْ  
الْهَآؤَاحِدَ  
اور انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے مالکوں اور  
راہبوں کو رب بنا رکھا ہے، اور مریم کے  
بیٹے مسیح کو خالاکہ اُن کو صرف یہ کہا  
گیا ہے، کہ ایک ہی معبود برحق کی

(توبہ - ۵) عبادت کریں،

مالکوں اور راہبوں کو رب بنانا اسی بنا پر ہے کہ وہ اُن کے حکم کو بھی مستقلاً خدا کا حکم تسلیم کرتے تھے، کیونکہ ان کو یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبی طور سے اپنے حکم کو سے اور معاملات کے فیصلوں سے مطلع فرماتا ہے، اسلام نے اُن کو دوسری سورہ میں اس شرک سے باز کرنے کی دعوت دی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ  
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا  
نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ  
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا  
أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ  
اے کتاب والو! ایک بات کی طرف  
جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں  
مانی ہوئی ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی  
اور کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ  
کسی کو شریک بنائیں، اور نہ خدا کو چھوڑ کر

(آل عمران ۷۰) ہم میں ایک دوسرے کو رب بنائیں،

یہ رب بنانا اطاعت ہی کی بنا پر ہے، تہذیب اور مسند احمد میں ہے کہ جب عدی بن حاتم جو  
ایک عیسائی عرب امیر تھے، آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنے اُن کے سامنے  
سورہ توبہ والی آیت نہ کہڑ پڑھی، تو عدی نے کہا "وہ اُن کو معبود نہیں بناتے"، فرمایا کیوں نہیں انھوں نے

ان کے احکام کو مانا، یہی ان کو مجود بنانا ہے الفنا یہ ہیں، فذلک عبادتھم یا اھم، تو آدمی کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہتے تھے، تو یہ حلال مان لیتے، اور جب حرام کرتے ہیں تو حرام سمجھ لیتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو حلال یا حرام ٹھہرانا کسی انسان کا کام نہیں، بلکہ خدا کا ہے۔ اور اسی کا نام وضعِ حکم ہے۔ اس تحلیل اور تحریم میں کسی کو شرک ٹھہرانا عین شرک ہے، اسی طرح خدا کے علاوہ یا خدا کے حکم کے ساتھ بلا واسطہ حکم خداوندی بالاستقلال کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت بھی شرک ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرب اور یہود و منافقین کو جو قانونِ الہی کی سختی سے بچنے کے لئے یا عدم ایمان کے سبب اپنے مقدمات یہود و یون کی رواجی عداوت میں عرب کا ہونے کے پاس یہ جانتے تھے، نجرہ و تیغ فرمایا اور ان کے اس فعل کو کھلا نفاق اور شرک فرمایا، چنانچہ بعض اصولی احکامِ عدل و انصاف اور طریقِ اطاعتِ احکام کے ذکر کے بعد ارشاد ہے :-

اَلْعَرَّزُ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ  
 اٰمَنُوْا بِمَا اَنْزَلَ اِلَيْكَ وَمَا اَنْزَلَ  
 مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَخْلَعُوْا  
 اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُخْرِجُوْا  
 يَكْفُرُوْنَ وَاٰيٰهٖ

کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا، جو گمان کرتے  
 ہیں کہ وہ اُس پر جو تیری طرف اتارا گیا،  
 اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا ایمان لا چکے ہیں،  
 وہ چاہتے ہیں کہ طغوت کو اپنا حاکم بنائیں،  
 حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے، کہ وہ اُس

(نساء-۹) کونہ نامین،

طاغوت لغت میں ہر اُس شے کو کہتے ہیں کہ جس کو خدا سے تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنایا جائے یا نہ بنے۔

۱۰ تفسیر جامع کثیر ۱۱ ترمذی تفسیر بیت توبہ ۱۲

اور کبھی یہودی حاکمون کو مراد لیا ہے، اس نے اس کا مشترک مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے احکام کو قانون کا درجہ دیکر اطاعت کی جائے، اور اس کے مطابق فیصلہ چاہا جائے، وہ طاغوت ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ سات جگہوں پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس سے مراد حاکم باطل اور معبود باطل لیا گیا ہے، قوانین الہی کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور فیصلہ چاہنا فسق ہے، اور اس کا ترک فاسق کہلائے گا،

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ مَا نَزَلَ اللَّهُ  
فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ  
اور اللہ نے جو اتارا ہے اس کے رو سے جو  
فیصلہ نہیں کرتے، وہی فاسق ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کا دوسرا نام حدود و ارشاد فرمایا ہے، حدود وہ نشانات ہیں، جہاں تک آگے بڑھنے کی انسان کو اجازت ہے، اور جس سے تل بھرا گئے بڑھنے کی جرات گناہ اور عصیان ہے، یہ حدود اللہ تعالیٰ ہی کے بتاؤ ہو، اور آتا ہے ہو، قرآن پاک میں سورہ بقرہ اور نسا اور طلاق میں احکام الہی کے بیان کے بعد ارشاد ہے،

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ  
يَتْلُوكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُتَعَدَّ  
حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ  
یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں،  
یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں، جو ان  
حدوں سے آگے بڑھے گا وہ اپنے آپ  
پر ظلم کرے گا، (طلاق)

سورہ نسا میں وصیت کے قواعد کی تفصیل بتا کر آخر میں ارشاد ہوتا ہے :-

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ  
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي  
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں، جو اللہ اور  
اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اللہ  
اُس کو جنت میں داخل کرے گا، جن کے



وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وَمَنْ يَعْصِ  
 اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ مَا  
 يَدْخُلْهُ نَارُ آخِلَادٍ فِيهَا وَ  
 لَعَنَ ابْنُ مَرْجَيْنٍ (نساء - ۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان حدود پر عمل اللہ و رسول کی اطاعت اور اس کی جزا جنت کی نعمت ہے اور ان سے انحراف اللہ و رسول کی نافرمانی اور اس کا نتیجہ دوزخ کی سزا اور ذلت کی مار ہے اور رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے،

قانون و شرع کی حقیقت تکمیل و تحریم ہی ہے اور یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے انسان اگر اپنی طرف سے کسی قانون کو وضع کرے اور بلا سند الہی کسی شے کو حلال یا حرام کرے تو اس کا نام "افرا علی اللہ" خدا پر جھوٹ تہمت باندھنا ہے، ارشاد ہوا :-

وَلَا تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْصِفُ الْكَذِبِ  
 هَذِهِ آيَاتُ اللَّهِ وَهَذِهِ آيَاتُ  
 لِيَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ  
 الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ  
 لَا يُفْلِحُونَ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ  
 عَذَابٌ أَلِيمٌ (نحل - ۱۵)

اس آیت پاک میں نہ صرف یہ کہ اس حلال و حرام کی شریعت کو اپنے لئے مخصوص فرمایا، بلکہ یہ بھی پیشین گوئی فرمادی کہ جو لوگ شریعت الہی کو چھوڑ کر خود اپنی شریعت بنائیں گے، گو ان کو تھوڑے دن کا فائدہ حاصل ہو جائے، مگر وہ ان کے لئے عذاب ہی ثابت ہوگا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت الہی کے منظر تھے، اور ہندون کو احکام الہی سے آگاہ فرماتے تھے، اور اس حیثیت سے آپ کا ہر حکم، حکم الہی ہے، لیکن حکم الہی کے بغیر ایک مرتبہ ایک چیز کو اپنے لئے اپنے حرام قرار دیا، تو عتاب الہی آیا،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ

اے پیغمبر! تو کیوں اس کو حرام کرتا ہے؟

اللَّهُ لَكَ (تحریر)

جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا،

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ استحقاق بالاستعمال بنی کو بھی حاصل نہیں، حالانکہ شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مباح چیز کا استعمال اپنی کسی ذاتی مصیحت کی بنا پر ترک کر دے، مگر جب رسول نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حق کے استعمال سے آپ کو منع فرمادیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس سے دو نقصان تھے، ایک یہ کہ نبی کا ہر شرعی فعل جو اس کے لئے مخصوص نہ ہو، اتنت کے لئے تحت حکم الہی شرع کا حکم کہتا ہے، اس قاعدہ کی بنا پر آپ کے اس ترک سے اتنت اپنے لئے بھی ایک حلال چیز کو حرام سمجھ لیتی، دوسرے یہ ثابت ہوتا کہ نبی کو بغیر اذن الہی کے بھی حق تشریع ہے جو صحیح نہ ہوتا، اسی لئے نبی کی تشریحی حیثیت یہی ہے کہ وہ شریعت الہی کا مبلغ اور قانون ربانی کا شارح اور منظر ہے، قرآن پاک کی اس آیت میں ہر ذکا لا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ اور یہ دو نصاریٰ اے حرام نہیں کرتے،

جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے (توبہ - ۴)

اس آیت میں رسول کی طرف جو تحریم کی نسبت ہو وہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مبلغ تھے جن کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس طرح احکام میں اور الامر کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے کیونکہ وہ رسول ہی کے لئے جوئے احکام کو پیش کرتے ہیں، اسلامی علوم کی تدوین کے زمانہ میں یہ مسئلہ کہ حاکم شرع اللہ تعالیٰ ہے، اصول کا مسئلہ بن گیا ہے، چنانچہ علم عقائد اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ پر بحثیں موجود ہیں،

علم اصول فقہ میں یہ مسئلہ اس حیثیت سے زیر بحث آیا ہے کہ واضح قانون صرف اللہ تعالیٰ ہی اور اسی کے امر و نہی سے بند و ن نے فرض و واجب اور حرام و حلال کو جانا،

علامہ آمدی المتوفی ۱۲۳۲ھ اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں لکھتے ہیں،  
 اَعْلَمُوا أَنَّهُ لَا حَاكِمَ سِوَى اللَّهِ جانا چاہئے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ کے  
 تعالیٰ وَلَا حُكْمَ إِلَّا مَا حَكَمَ بِهِ سوا کوئی نہیں، اور حکم وہی ہے جس کا اللہ  
 وَتَقِيضُهُ عَلَيْهِ إِنَّ الْعَقْلَ لَا يَحْنُ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، اور اسی اصل پر یہ  
 وَلَا يَتَّبِعُهُ، وَلَا يُوجِبُ شُكْرَ الْمَنَعِ مسئلہ متفرع ہے، کہ عقل نہ کسی کو اچھا کہتی  
 وَأَنَّهُ لَا حُكْمَ قَبْلَ وَرُودِ الشَّرْعِ ہے، اور نہ بڑا، اور یہ کہ محسن کا شکر عقلاً نہیں  
 ہے، اور یہ شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہیں

مقصود یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانون شرعی کا واضح صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسی کا حکم حکم ہے،  
 اور اسی کا قانون قانون ہے، اس بنا پر شرع کے نزول سے پہلے تنہا عقل کے رو سے کوئی حکم فرض واجب  
 نیست، مستحب یا حرام ناجائز و مکروہ کی صورت میں جس کے فاعل پر ثواب یا عقاب کا حکم عامہ کیا جائے  
 نہیں ہو سکتا، اور نہ عقل اپنی تنہا کوشش سے کسی بات کو بہ اعتبار ثواب یا عذاب کے اچھا یا بُرا  
 کہہ سکتی ہے،

علامہ ابن ہمام حنفی المتوفی ۱۱۵۰ھ تحریر میں لکھتے ہیں،

الْحَاكِمُ لَا خِلَافَ فِي أَنَّهُ دَبَّ اس میں اختلاف نہیں کہ حکم کا واضح  
 العلّٰمِینَ (صفحہ ۹۰) پر دروگاہ عالم ہے،

قاضی بیضاوی المتوفی ۷۵۸ھ کی منہاج الاصول کی شرح میں علامہ اسنوی واضح کرتے ہیں  
 "حسن و قبح اور نیک و بے ہوشی کے ایک معنی یہ ہیں کہ اُس نے کو فطرت پسند کرتی ہو

یا اوس سے نفرت رکھتی ہے، جیسے ڈوٹون کو پانی سے باہر نکالنا، اچھی بات ہے، اور کسی کا مال ظلم سے لے لینا بُرا ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک کمال کی صفت ہے، اور دوسری نقص کی، جیسے علم اچھا ہے، اور جبل بُرا ہے، ان دونوں معنوں کے لحاظ سے ان کے اچھے یا بُرے ہونے کا عقل کے رو سے فیصلہ کرتے ہیں، اس میں اختلاف نہیں ہو، اختلاف اس میں ہے کہ کسی فعل پر ثواب اور کسی پر عذاب کے ترتیب کا فیصلہ صرف شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے، اشاعرہ (اور عام اہل سنت) کے نزدیک حسن و نجس کے یہ دونوں فیصلے صرف شرع پر موقوف ہیں، اور معتزلہ کہتے ہیں کہ عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے، اور اس فیصلہ کے لئے حکم الہی کے وجود کا انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے مصالح و مفاسد کی مراعات (بحفاظ کرنا) واجب ہے، شریعت کے نزول و عقل کا فیصلہ مضبوطاً مستحکم ہو جاتا ہے، (صفحہ ۳۷۰ بر حاشیہ تحریر ابن ہمام)

معتزلہ نے حقیقت میں الٹی بات کہی ہے، ہے یہ کہ شریعت کے فیصلہ سے حکم کی معرفت ہوتی ہے، اور عقل سے اس کی مصلحت قیاس و تجربہ کی بنا پر اہل عقل کے نزدیک مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے، اور یہی اہل سنت میں سے متاخرین مائتہ یہ (خفیہ) کا مسلک حق ہے، واللہ اعلم باللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۵ھ مسلم البیروت میں کہتے ہیں،

”حکم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کمال نقص اور دنیاوی غرض و مصلحت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ عقل سے ہوتا ہے، اختلاف اس میں ہے کہ کسی فعل کے کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نجس یا مذمت کا مستحق ہونا عقل کے رو سے سمجھا جاسکتا ہے یا صرف شرع سے تو اشاعرہ کے نزدیک وہ صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھا فرمایا، وہ اچھا ہے، اور جس کو بُرا فرمایا وہ بُرا ہے، اور اگر

اللہ تعالیٰ اس کے خلاف فرماتا تو وہی اچھا یا برا ہوتا، اور ہمارے لئے مارید یہ، اور معتزلہ کے نزدیک وہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن مارید یہ اور معتزلہ میں فرق یہ ہے کہ معتزلہ امامیہ اور کرامیہ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، اسی کے مطابق حکم دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، وہ پہلو اس بات کا مستحق ہے، کہ اللہ حکیم و دانالما حکم، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ دے تو کوئی حکم محض عقل سے نہیں ہو سکتا،

(المقالة الثانية في الاحكام)

بعض اہل بھول نے معتزلہ کی طرف جو یہ نسبت کی ہے، کہ وہ حاکم قانون عقل کو سمجھتے ہیں، مولانا بجز العلام نے شرح مسلم الثبوت میں اس مسئلہ کی شرح میں اس کی تردید کی ہے، فرماتے ہیں، "اس مسئلہ پر کہ حکم صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، تمام امت کا اجماع ہے، اور ہمارے مشائخ کی بعض کتابوں میں جو یہ لکھا ہے، کہ یہ ہمارے نزدیک ہے، اور معتزلہ کے نزدیک وادفع قانون و حاکم عقل ہے، یہ غلط ہے کیونکہ ایسا کہنے کی جرات کسی ایسے شخص کو نہیں ہو سکتی جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو، بلکہ معتزلہ یہ کہتے ہیں، کہ عقل بعض احکام الہی کو جان سکتی ہے، چاہے شرع میں وارد ہو، یا نہ ہو اور یہی ہمارے اکابر مشائخ کے نزدیک بھی ثابت ہے،"

قاضی شوکانی المتوفی ۱۲۵۷ھ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے اختلافات

انھما کے موقوفین حسب ذیل فرق ہے۔

"اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ نبی کی بعثت اور اس کی دعوت کے پہنچنے کے بعد

حاکم قانون صرف شرع ہے، اختلاف اس زمانہ اور حالت سے متعلق ہے جب

نبی کی بخت نہ ہو، یا اس کی دعوت کسی تک نہ پہنچی ہو، تو شاعرہ کے نزدیک اس وقت کسی حکم کا کوئی محکمہ نہیں ہے، نہ کفر حرام ہے اور نہ ایمان واجب ہے، اور معتزلہ کے نزدیک اس وقت بھی عقل کے رو سے جو حکم ہو اس کے ساتھ حکم الہی کا تعلق سمجھا جائے گا،

(ص ۱۶، ارشاد الفول، مصر)

اب آخرین ہم حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول فیصل نقل کرتے ہیں

جو ان تمام مباحث کا بخوبی خلاصہ ہے،

”اللہ تعالیٰ کے مسا کوئی حاکم نہیں، اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، اور عقل وغیرہ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں، کہ وہ کسی حکم کو ثابت کرے، اللہ تعالیٰ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ جس کا حکم دیا، وہ درحقیقت حسن (اچھا) ہے، عام اس سے کہ وہ لذت حسن ہو یا اپنے کسی وصف یا کسی متعلق کی بنا پر، اسی طرح جس سے منع فرمایا، وہ (بیج) برائے تو افعال کا حسن و قبح کے ساتھ انصاف امر و نہی سے پہلے ہی عالم حقیقت میں ہو چکا تھا، اور اسی کی رعایت کر کے اللہ تعالیٰ نے امر و نہی فرمایا ہے، عقل کبھی ان کے حسن و قبح کو معلوم کر لیتی ہے، تو اس موقع پر اس حسن و قبح کو عقلی کہہ دیتے ہیں، لیکن شرع کے درود سے پہلے کوئی حکم نہ تھا، تو یہ مذکورہ بالا حسن و قبح بندوں کے حق میں تھا، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے، پس احکام بندوں کے حق میں صرف شرع الہی پر مبنی ہیں“ (ص ۱۲)

حضرت مولانا شہید کا یہ رسالہ اصول فقہ و حقیقت اصول فقہ کی تہذیب ہے، اس فن

سے تہذیب منطق میں ایک مختصر متن میں کام ہے، جس میں بڑے بڑے فیصلوں کو جن پر مباحث کے دفتر ہیں ایک ایک فقرہ میں ادا کر دیا گیا ہے،

سکے بڑے بڑے مسلمان کو ایک ایک دو فقروں میں طے فرما دیا ہے، اور کی عبارت میں مصنف نے جو کچھ کہا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ قانون کا وضع درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے، یہ حق مخلوقات میں سے کسی کے لئے ثابت نہیں ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی فرمایا ہے، وہ تمام حرکات اور بندوں کی مصلحت پر مبنی ہے عقل کبھی اس حکمت و مصلحت کو پالیتی ہے، تو اس کو عقلی بھی کہہ سکتے ہیں، ورنہ عقلی کہنے کا یہ منشا نہیں کہ عقل اس قانون کی واضح اور آمر ہے،

اس تفصیل کی ضرورت اس لئے پیش آئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے ماہرین قانون نے شروع سے اخیر تک اس اصول کو مان لیا ہے، کہ اسلام میں وضع قانون کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی ایک حاکم امر اور واضح شرع ہے،

اس موقع پر بعض صاحبوں کو یہ شبہ پیش آئے گا کہ یہ قانون شرع تو کسی قدیم زمانہ میں ایک وقت خاص میں نازل ہوا، وہ زمانہ کی ہر ضرورت اور نئی حالات کے مناسب قیامت تک کے لئے کیونکر ہو سکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہیں قانون کے اصول اور کلیات اور دوسرے ہیں اس کے فروع اور جزئیات، دنیا کے ہر قانون کے اصول و کلیات خواہ وہ عقلی و تجربی ہی ہوں ہمیشہ یکساں رہتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، تغیر تبدیل اور تجدد یعنی نئی نئی صورتوں کا پیش آنے یہ واقعات اور حوادث میں ہوتا ہے، جو انہی کلیات کے اندر مندرج ہوتے ہیں، جیسے فن طب جب بھی بنا ہو، لیکن اس کے اصول و کلیات پرانے اور غیر تبدیل ہیں، اب جو بھی بیماریاں ظاہر ہوں، قدیم اصول کے تحت ان کا بیان طب کی کتابوں میں موجود ہے، مثال کے لئے بون سمجھے کہ قتل ناماق کی منراقص اور دیت اور کفارہ وغیرہ شرع میں مقرر ہے، اب یہ صمدین کہہ قتل پہلے تیرا تلو اور سے ہوتا تھا، اور اب ہندو سے تپتہ سے رید اور سے توپ سے، گولہ سے اور مختلف نئے نئے اوزاروں سے ہو کر رہا ہے، لیکن یہ تغیر مسلک کی صورت میں فرق نہیں پیدا کرتا، کسی کی سواری

سے کسی کو نقصان پہنچ جائے، تو اس کا اصولی جواب شرع میں موجود ہے، پہلے یہ سواد ہی جانوروں کی صورت میں محدود تھی، اور اب کھڑکی، سائیکل، موٹر، ریل وغیرہ کی صورتوں میں یہ حادثے پیش آئیں تو اصول کلیہ میں کوئی فرق نہ ہوگا،

دوسرا شبہ یہ پیش آسکتا ہے، کہ اگر یہ اصول صحیح ہے، تو ہر زمانہ کے مجتہد نئے حالات کا حکم جاپنے اجتہاد سے بتاتے ہیں، کیا وہ نیا حکم نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہد وہ ہیں جو احکام کے اصول و فروع پر پوری نگاہ رکھتے ہیں، اور آیات و احادیث سے احکام کے اصول کلی اور ان کے علل و اسباب اور مصالح و مفاسد کو معلوم کرتے ہیں، اور ان کے مطابق نئی پیش آنے والی چیزیں صورتوں کا فیصلہ کرتے ہیں، اس بنا پر ان کا اجتہاد اور قیاس کسی نئے حکم کا دافع اور فخرع نہیں بلکہ منظر ہے یعنی وہ حکم کا اختراع نہیں کرتے، بلکہ یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ مقررہ احکام الہی کے تحت میں اس نئی صورت کا یہ جواب ہے، اہل اصول کے اس مسئلہ کے کہ قیاس حکم کا صرف منظر ہے، یہی معنی ہیں کہ وہ بتاتا ہے کہ یہ نیا جزیہ فلاں اصول کلی کے ماتحت ہے، انہی اصولوں کی بنا پر ہمارے فقہانے فتاویٰ کا پورا دفتر مرتب کیا ہے جس کے مطابق ہر زمانہ میں ہر ضرورت کا جواب دیا جاسکتا ہے، اور جس پر دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں کی عظیم الشان حکومتیں اور عدالتیں قائم ہوئیں اور اب بھی ہیں،

## سیرت سید بن عبد العزیز

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے

قیمت :- پندرہ روپے (بدلیطع بیسوم)

”منہجر“



# ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

المُلقب بید

دافع المضنك عن الانقاع بالبنيك

از مولانا ظفر احمد صاحب غفمانی صدر شعبہ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اس کے بعد کاروبار بینک کے جو ان کی ایک اور خوبصورت دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ مسئلہ فضل کی فرع ہے، جس کی شرح یہ ہے کہ جب قرض لیا جائے اور پھر ادا کیا جائے تو اصل کے ساتھ کچھ ڈاؤ بھی ملا دیا جائے، یہی فضل کا اصول ترقی پا کر بینک کا قالب اختیار کر گیا ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ پھر باودی کاروبار (انفرادی سود) کو بھی مسئلہ فضل کی فرع کیونکہ کہا جائے؟ اس کا یہ فلسفیانہ جواب دیا گیا ہے جس کو سن کر افلاطون کی روح بھی تڑپ جائے گی کہ

”شاید یہ اب تک ایک راز کی صورت میں چھپا رہا ہے (جس کا ترجمہ سود پرستی کے بعد صرف حضرت علامہ ہی کے فلسفی دماغ پر منکشف ہوا ہے) وہ یہ ہے کہ وہ ایک جبری زائد یہ ہونے

سے حدیث یا قرآن سے اس مسئلہ کو ثابت کرنا متدل کہ پہلا فرض ہے، یہ دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ قرض کے متعلق حدیث و قرآن میں یہ الفاظ ہرگز نہیں اور جو کچھ حدیث میں ہے اس کی شرح میرے یہ سالہ کشف الدجی عن وجہ لربا میں مذکور ہے، ضرورت ہوئی تو معارف میں بھی اعادہ کر دیا جائے گا، اگر علامہ صحنی طیب نے دوبارہ اس بحث پر قلم اٹھایا اور تواتر تشریح الی تفسیرہ فی آخر ہذا المقالة ایضاً نقلاً عن المبدع والبدائع وغیرہما والحق تلخیص الاشارة ۱۲۱

کے علاوہ تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے یعنی وہ مستقل نظام اعانت کی بنیاد نہیں رکھتا اور تعمیر نہیں کرتا، اس کے برعکس اصولِ فضل علاوہ رضائی زائد یہ ہونے کے تعمیری و تاسیسی

شان کا بھی مالک ہے۔

کوئی جو اس راز و رون پڑھ کر داد دے؟ ربا دہی کا دوبارہ بیک کے کاروبار میں پہلا فرق تو یہ تھا یا گیا ہو کہ ربا دہی کا دوبارہ جو سود لیا جاتا ہے وہ چری و ادبیک کے کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ رضائی ہو یعنی وہان جبراً زیادہ لیا جاتا ہے، یہاں خوشی سے لیا جاتا ہے، امر بانی فرما کر ذرا اس جبر و رضا کی شرح بھی فرما دیجائے، اگر یہ مطلب ہے کہ بیک جب کسی کو قرض دیتا ہے، تو اپنی طرف سے سود نہیں لگاتا نہ سود کی شرط کرتا ہو، یونہی بلا شرط قرض دیدیتا ہے، لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ ادا کر دیتا ہے، تو یقیناً آپ بیک کے کاروبار سے قطعاً ناواقف ہیں، بیک جب بھی کسی کو قرض دے گا، سود کی شرط سے دیگا، اور اسی وقت سے قرض لینے والے کے نام پر سود لگنا شروع ہو جائے گا، اور قرض میں زائد کی شرط لگانا ہی شرط قرار ہوا اور حرام ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ ربا دہی کا دوبارہ میں گسو نہ ادا کیا گیا تو قرض دینے والا عدالت میں ناش کر دیتا ہے، اور قرض لینے والے کی جائداد قرق کر لیتا ہے، سو جاننے والے جانتے ہیں، کہ بیک بھی ایسا ہی کرتا ہے، ہمارے سامنے ایسے زمینداروں کی نظائر موجود ہیں، اچھی کی لاکھوں کی جائداد بیک نے اپنے سودی قرض میں قرق کر لی ہے، اور آج ان کی اولاد ان شہینہ کی محتاج ہے، اگر یہ مراد ہے کہ ربا دہی کا دوبارہ میں ڈنڈے کے زور سے سود وصول کیا جاتا ہے، بیک ایسا نہیں کرتا، تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے، بنیاد پر سودی بڑی خوشامد اور چالوسی سے سود وصول کرتے ہیں، جب اس طرح کام نہیں چلتا، تو عدالت کے ذریعہ وصول کرتے ہیں، البتہ سرحدی پٹان ڈنڈے کے زور سے وصول کرتا ہے، مگر وہ اس کو سود ہی نہیں سمجھتا، اس کے نزدیک تو مولانا گیلانی کے فتوے کے مطابق اہلِ حرب سے جو کچھ بھی عقد ربا کے ذریعہ وصول کیا جائے، ربا ہی نہیں

اوی طرح رہائیں جس طرح عبد مولى کے درمیان رہائیں جس کا جواب مفصل عرض کر چکا ہوں،

دوسرا فرق یہ بتلایا گیا ہے، کہ رباوی کا روباہ تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے، بینک کا کاروبار تعمیری و تاسیسی شان کا مالک ہے، مولانا کا فرض ہے کہ اس مقدمہ کو کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ اگر قرض میں زائد یہ کی شرط تعمیری و تاسیسی شان سے ہو تو وہ سود نہیں پھر یہ بھی بتلایا کہ اگر رباوی کا روباہ کرنے والا بھی روپیہ میں سے ایک آنہ یا دو آنہ تعمیری کاموں کے لئے نکالتا ہو تو کیا اس صورت میں وہ رباوی کا روباہ کر جائز کر دیں گے؟ مشاہدہ تو یہ ہے کہ رباوی کا روباہ کرنے والے بینک والوں سے زیادہ تعمیری کاموں میں حصہ لیتے ہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں، کہ کانگریس کو تعمیری کاموں کے لئے لاکھوں روپیہ کی تھیلیاں کلکتہ کے ماڈل وارڈیون اذنبئی کے دروازوں ہی سے وصول ہوتی ہیں، اور ان ہی کی آمد کے سہارے کانگریس نے ترقی کی ہے، تو کیا ان لوگوں کے لئے رباوی کا روباہ کو جائز کر دیا جائے گا؟ اس کے بعد اپنے ایک اور قاعدہ سے بینک کے کاروبار کو جائز کرنے کی کوشش کی ہے، کہ

”اسلام میں عموم بلوی اور تعامل ناس کا اصول موجود ہے، جس کا منشا یہ ہے کہ

جس چیز کی حرمت منصوص نہ ہو، صرف قیاس سے حرمت میں شامل کر دی گئی ہو، اگر

مطالع عام اور عمل عمومی اس کو معمول بہا بنا ڈالیں تو وہ حرمت سے نکل جائے گی،“

آپ کو تسلیم ہے کہ یہ اصول وہاں ہے جہاں کسی چیز کی حرمت منصوص نہ ہو مگر ہم کو یہ تسلیم نہیں

کہ بینک کے کاروبار کی حرمت غیر منصوص ہے، اور محض قیاس سے اس کو حرمت میں داخل

کیا گیا ہے، کیونکہ بینک بھی رباوی کا روباہ والوں کی طرح لوگوں کو قرض دیتا ہے، اور قرض سے زائد

وصول کرتا ہے، لوگ بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں، اور اس سے سود لیتے ہیں، اور اس کی حرمت منصوص

ہے، رہا یہ کہ رباوی کا روباہ میں فرد کا معاملہ ہے، اور بینک میں جماعت کا تو اس سے حرمت منصوص

منصوصہ میں فرق نہ آئے گا، بلکہ جرم قوی تر ہو جائے گا، اگر ایک آدمی کی جگہ ایک جماعت خاص نظام و انتظام کو ساتھ ڈاکہ ڈالنے لگے، تو کوئی عارض بھی یہ نہ کہے گا کہ ڈاکہ کی یہ صورت منصوص نہیں، بلکہ ہر شخص کے گا، کہ یہ صورت پہلی صورت سے بھی زیادہ بڑی ہے، اگر صورت کے بدلنے سے حوت منصوصہ بدلے لگے، تو شاید آپ فلم کہنیوں میں عورتوں کے اپنے گانے اور پارٹ ادا کرنے کو بھی جائز کہہ دیں گے، کیونکہ وقص و سرود کی یہ نئی صورت نزول قرآن و حدیث کے وقت، کہاں تھی؟ پھر عوم بلوی اور تعامل نامس اوس وقت دلیل بن سکتا ہے جب کہ عام طور پر مسلمان اس وعوام علماء و ہعلما اور جملا سب ہی کسی کام کو اپنا معمول بنالین، جس سے علی اجام کی نشان پیدا ہو جائے، اور اس امت کا اجماع حجت ہو، لیکن اگر یہ نہ ہو، بلکہ صرف ایک طبقہ نے کسی کام کو معمول بنایا ہو تو اس کو عوم بلوی اور تعامل نامس میں ہرگز داخل نہیں کیا جاسکتا، اب مجھے بتلایا جائے کہ بینک کے کاروبار کو مسلمانوں کے کس طبقہ نے معمول بنایا ہے؟ صرف ایک طبقہ نے یعنی تجار نے اور ان میں سے بھی سب نے نہیں، بلکہ بڑی تجارت والوں نے اور ان میں سے بھی صرف عوام غیر اتقیا نے تو اس کو عوم بلوی میں داخل کرنا محض فلسفیانہ مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟ حالانکہ اب تک مسلمانوں نے خود اپنا ایک بینک بھی قائم نہیں کیا، بینکنگ کے جواز کے لئے آخری اصول آپ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ

الضرورات تلج المحذورات . ضرورتین ممنوعات کو مباح بنا ڈالتی ہیں

مگر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ نے اس قاعدہ فقہیہ کا مطلب نہیں سمجھا، یہاں ضرورت سے مراد حاجت اضطرار ہے، جیسے کوئی پیاس سے مرنے کے قریب ہو جائے اور پانی آس پاس نہ ہو کسی کے پاس نہ رہے تو اس وقت شربت پیاس بچھالنا اور جان بچالینا جائز ہو یا نہیں چاروں کے فائدہ سے جان بلب ہو تو ہر دار کھا کر جان بچ سکتا ہو یا ناقابلِ برائت تکلیف مراد ہی جیسے بیمار کو روزہ کا افطار جائز ہو جبکہ ناقابلِ برائت تکلیف ہونے لگے، بینکنگ کو اس درجہ میں داخل کرنا نہ فلسفہ خوش رویت نہیں خصوصاً جبکہ نظام بینک میں درسی تبدیلی کر کے اسکو جائز کر دیتے

ڈھالا جاسکتا ہے، جیسا کہ آئندہ بتلایا جائے گا، اخیرین کا رد بار بینک کو حرام بتلانے والوں سے ایک سوال کیا گیا ہے کہ

”کیا ادھون نے بہتری ایسی باتیں جو انگوں کے میان ممنوع تھیں مشروع نہیں ٹھہرائیں مثلاً مٹی کا معاوضہ انگوں کے میان ممنوع تھا، اور پھلون نے اس کو مشروع اور معمول ٹھہرایا، اور اس کی توجیہ کیا کی؟ ضرورت کی شدت، ضرورت کی شدت، بینک کے معاملہ میں بھی دامنگیر ہے؟“

اس مثال کا جواب یہ ہے کہ استیجار علی الطاعات یعنی عبادات اور طاعات کے کاموں پر اجر ملتا ہے فقہائے اسلام میں مختلف فیہ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ اس کو جائز کہتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ نے اس کو ناجائز فرمایا ہے، تو یہ ایسا فعل نہیں ہے جس کی حرمت پر نفس قطعی قائم ہو یا اجماع ہو چکا ہو بلکہ مختلف فیہ اجتہادی مسئلہ ہے اور ایسے مسائل میں شدت ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتویٰ دینے کی فقہانہ گنجائش ہے، بینک کا کاروبار مختلف فیہ نہیں بلکہ صریح رہا ہے، صورت کے بدلنے سے حقیقت نہیں بدل سکتی، جیسا کہ تفصیل سے عرض کر چکا ہوں، اس لئے اس کو قیاسیات اور اجتماعات میں شامل کرنا قطعاً غلط ہے، ادھنی کے معاوضہ پر قیاس کرنا تو غلط در غلط ہے، خاتمہ کلام پر تو آپ نے ایک ایسی بات فرمادی ہے جس نے سارا بنانا یا قلعہ ہی منہدم کر دیا، اسلامی بینک قائم کرنے کی ضرورت اور غیر مسلم بینکوں کی خطرناک حالت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :-

”پھر کیا تم اس متوکی کو بھی نہیں سمجھتے، کہ بینک جہاں ایک پہلو سے خاٹات کی جگہ ہے ایک دوسرے پہلو سے ہلاکت کی جگہ بھی ہے، اور اس تفریق کا دار و مدار نظام کے کچھ بھیدوں پر ہے جن کی قبریں مرثیہ نشین ہونگے کے سینے میں،

بحان اللہ! اس نظام کو آپ کبھی مسئلہ نفس کی فرع قرار دینا چاہتے ہیں، کبھی الغفورات

نیج المظورات کے تحت میں لانا چاہتے ہیں، کبھی اعداء والہو عا الشد طعہ من قوتہ کے تحت میں داخل کر کے واجب قرار دینا چاہتے ہیں، کیا ان اصول اسلامیہ کی کوئی بھی فرع ایسی ہے جو ایسے بھید و نپیش ہو، جو ایک پہلو سے حفاظت کا سامان ہوں، اور دوسرے پہلو سے ہلاکت کا سامان

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالہجی است

ایسے گورکھ دھندے اور اندھے نظام کو اصول اسلامیہ کے تحت میں داخل کرنا اسلام پر بدنام داغ لگانا اور اس کو بدنام کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ جب بینک کے نظام میں ہلاکت کا سامان بھی ہے، اور اس کے بھید و ن کی قبریں صرف منتظمین بینک کے سینے ہی ہیں، تو یقیناً اسلامی بینک قائم کرنے والوں کے سینے بھی ان بھید و ن کی قبریں ہوں گی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ اسلامی بینک کسی وقت مسلم قوم کی پوری دولت یا بہت بڑی دولت کو اپنے شکون میں نہ رکھ کر سطح ہضم نہ کر جائیں گے، کہ ڈکار بھی نہ لیں، کیا آپ کے نزدیک اسلامی بینک قائم کرنے والے سب فرشتے ہی ہوں گے، اگر یہ کہا جائے کہ ہم اسلامی بینک کو ان بھید و ن سے پاک کر کے نیا نظام قائم کر دیں گے تو میں کہوں گا کہ جس وقت آپ ایسا نظام قائم کر لیں گے، اسی وقت اس کو اسلامی اصول کے تحت میں داخل کرنے کا حق بھی ہوگا، اس سے پہلے تو آپ کو یہ حق ہرگز نہیں اور موجودہ نظام بینک کو جو اس وقت دنیا میں رائج ہے، یقیناً خلافت اسلام اور ناجائز و حرام ماننا پڑے گا، مقام شک ہے کہ بالکل آخرین اپنے انصاف سے کام لے کر سچی بات کہہ ہی ڈالی، کہ بینک کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں، ایک جائز اور مفید، دوسری ناجائز اور مملک، پہلی قسم کا نام ”اسلامی“ بانی بینک رکھا گیا ہے، اور دوسری ”کانفسانی“ اسلامی بینک کے امتیازات حسب ذیل بیان کئے گئے ہیں :-

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ میں اس شرط کی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروع تجارتوں

کو اختیار کرے گا، نامشروع تجارتوں کو اختیار نہ کرے گا،

ج ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروط طریقہ تجارت کو اختیار کرے گا،  
نا مشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کر کے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہیں بنائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستی حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانوں کے ساتھ وصول کرے گا،  
د :- اس اصول کو بھی جاری رکھتا ہے کہ حصہ داروں کی طرح جمع کنندہ دن کو بھی اس کے تجارتی

نقصانوں میں شریک ہونا ضروری ہے، جیسا اس کے تجارتی منافع میں،

ح :- وہ اس اصول کو بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ جمع اور قرض کے منافع کو متعین نہیں کرتا، صرف نفع (ربح) کے زائد یہ کو متعین کرتا ہے تاکہ اصول فضل کی بھی رعایت رہے،

و :- وہ اپنے گمراہی و غل و غل (دھوکہ خیانت) سے پاک رکھتا ہے، اور کوئی ایسا بھید نہیں کھتا جو ناواقفوں کو بونٹنے کے کام آئے،

ز :- وہ اصول ربوبیت کو بھی اپنے بنیادی اصولوں میں شامل رکھتا ہے، اور اس کو برتنے کے لئے اپنے نفع کا ایک حصہ مخصوص کر دیتا ہے، نفسانی بنیک ان لطافتوں کو برداشت نہیں کرتا،

مین ناظرین سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان شرائط کے ساتھ دنیا میں کوئی بھی بنیک موجود ہے؟ اس کا یقیناً جواب نفی میں ہے، تو سارے سالہ کا خلاصہ یہ ہو کہ بنیک کے کاویا کی موجودہ صورت تو ناجائز اور حرام ہے، اور جو صورت جائز ہو سکتی ہے وہ موجود نہیں،

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

جو چیرا تو اک قطرہ خون نکلا

اب حضرت علامہ کا اسی رسالہ کے اندر ایک جگہ یہ فرمایا کہ  
 "یہ سچ ہے کہ بینک کے شرعاً جائز ماننے میں بہترے علماء اسلام کو تردد ہے، بہترین کہ  
 اختلاف ہے لیکن ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس تردد اور اختلاف کا سبب ان کا علم نہیں، ان کا  
 وہم ہے، افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے علماء اسلام عموماً وہ ہیں جن کے لئے علماء اسلام  
 کا لقب مشکل سے موزون ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ نہ اسلام سے واقف ہیں، نہ دنیا سے جہان  
 اسلام اترا، نہ انسانوں سے جن کے لئے اسلام اترا، ان کا علم اپنا اختراعی اور من گھڑا  
 جو اعظم اسلام ہے، یا ناسنایا، جو اعظم اسلام ہے، حقیقت سے سیکھا ہوا اور حقیقت پر بکھرا  
 علم اسلام نہیں ہے"

یہ نری فلسفیانہ تعلی نہیں، توادر کیا ہے، آخر آپ ہی نے اپنے علم سے کونسا تیر مار لیا جس کا ردِ با  
 بینک کو علماء اسلام حرام کہہ رہے تھے، آخرین آپ نے بھی اس کو حرام اور نفسانی تسلیم کر لیا، اور  
 جس کو آپ جائز کہہ رہے ہیں اس کا وجود اب کس تو دنیا میں اور کم از کم ہندوستان میں ہے نہیں،  
 نہ اس کے متعلق کسی نے علماء اسلام سے استفتاء کیا، نہ انھوں نے اس کے عدم جواز کا ابھی تک  
 فتویٰ دیا، علماء اسلام نے جس کا ردِ با بینک کے عدم جواز اور حرمت کا فتویٰ دیا تھا، آپ اس کے  
 کسی دلیل سے جائز ثابت نہیں کر سکے، اور آخرین ان کے فتویٰ کی صحت ماننے پر خود ہی مجبور ہو گئے،  
 اب تو آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس رسالہ کے شروع اور وسط میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ  
 سب اُس غلامانہ ذہنیت کے تحت لکھا گیا ہے، جو یورپ کی مادی ترقی کی چکا چوندھ سے عموماً  
 عقول عامہ پر چھا رہی ہے، آخرین کچھ حریت کی شان پیدا ہوئی، تو سارے بنے بنائے قلعہ کو خود  
 ہی مہمند کر کے دی کہنے لگے، جو علماء اسلام فرما رہے تھے، اس کو کہتے ہیں، ۵

جادوہ جو سر پر چڑھ کے بولے



آپ نے اسلامی بینک کے شرائط میں دفعہ د کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسلامی بینک کو شیر ذکینی ہونا چاہئے جن میں رقم جمع کرنے والے اس کی تجارت کے حصہ دار ہو کر نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوں، فرمایے شیر ذکینی کو کس عالم اسلام نے حرام کہا ہے؟ آپ تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ شیر ذکینی میں بہت سے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے کہا ہے، آپ نے اسلامی بینک کی تشکیل کی بحث کو تشنہ چھوڑ دیا ہے، جی چاہتا ہے کہ میں اس کی تکمیل کر دوں،

اسلامی بینک کی تشکیل | اسلامی بینک ان اصول کے ساتھ قائم ہونا چاہئے دفعہ الف اور جب آج تو وہی بین جو آپ نے تحریر فرمائی ہیں، یعنی

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ میں اس شرط کی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع تجارتوں کو اختیار کرے گا، نامشروع تجارتوں کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع طریقہ تجارت کو اختیار کرے گا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کر کے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہیں بن جائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈبا ہوا قرض درستی حالت کے بعد رنہ رنہ وصول کرے گا، یا آسانوں کے ساتھ وصول کرے گا،

د :- اسلامی بینک کسی کو قرض دیکر زیادہ وصول نہ کرے گا، بلکہ جو شخص بینک سے رقم لینا چاہے، اس کو مضاربت پر یہ کہہ کر رقم دیکھائے گی، کہ تم اس سے تجارت کر دیا کوئی صنعت و حرفت اختیار کرو، اور اس کے منافع سے بینک کو نصف یا ثلث یا ربع (یا جتنا مناسب سمجھا جائے) مقرّر کر کے بتلادیا جائے گا، کہ اتنا) دیتے رہو، اور اگر مقدار مقرّر کر دیا ہے کہ ماہوار یا سالانہ اس قدر رقم

دینا ہوگا تو گو خفیہ کے نزدیک مضاربت میں نفع کا حصہ اس طرح مقرر کرنا جائز نہیں مگر بعض فقہاء اسلام کے یہاں جائز ہے، تو اس کی بھی گنجائش دیا جاسکتی ہے۔

۴۔ بینک کے حصہ دار اور جو لوگ اس میں اپنی رقم جمع کریں، سب کے سب بینک کے تجارتی کاروبار میں شریک ہوں گے، اور نفع و نقصان دونوں میں حصہ لیں گے، اس طرح اسلامی بینک کی شکل شیرز کمپنی کی ہوگی،

۵۔ اسلامی بینک اپنے حصہ داروں اور شرکاء کے لئے منافع کی مقدار متعین نہ کرے گا بلکہ ہر سال جس قدر نفع تجارت میں ہوگا اسی کے موافق نفع دیا جائے گا، جو کبھی کم ہوگا، کبھی زیادہ ایک مقدار پر نہ ہوگا،

۶۔ اسلامی بینک اپنی تجارت کی زکوٰۃ بھی سالانہ ادا کرے گا، یعنی سال پورا ہونے پر جس سرمایہ موجود ہو، اس کی قیمت لگائی جائے، اور جس قدر نقد موجود ہو اور جو روپیہ لوگوں کو مضاربت پر دیا گیا ہو سب کی مجموعی مقدار کا چالیسواں حصہ نکالا جائے گا، جو تمام حصہ داروں اور شرکاء کی اجازت سے یتیموں، یتیم خانوں، نوجوانوں کی امداد اور غریب لوگوں کی اولاد کی تعلیم، نوجوانوں کی تعلیم تربیت وغیرہ میں خرچ کیا جائے گا،

۷۔ جن لوگوں کو روپیہ مضاربت پر دیا جائے گا ان کی جائیداد یا مکان یا زیورات وغیرہ اس رقم کے عوض کمفول کرنے جائیں گے، تاکہ اصل رقم ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے،

۸۔ جو لوگ بینک کے حصہ دار بھی ہوں، اور کام کرنے والے بھی ہوں، ان کی تنخواہ مقررہ نہ کی جائے، بلکہ منافع تجارت میں سے ان کا حصہ دوسروں سے کچھ زیادہ مقرر کر دیا جائے، مثلاً یہ طے کر لیا جائے گا کہ سب سے پہلے منافع کا دسواں حصہ کام کرنے والوں میں حسب لیاقت تقسیم کیا جائے گا، اس کے بعد باقی منافع کو ہر شخص کی جمع کے موافق بقدر حصہ سب بانٹ دیا جائے گا، اور

اگر کام کرنے والوں کی تنخواہ ہی مقرر کرنا ناگزیر ہو تو گو حنفیہ نے اس کو منع کیا ہے، مگر دوسرے ائمہ کے قول پر گنجائش نکل سکتی ہے۔

یحیٰی :- اسلامی بینک کے حصہ دار اور کارکن اور اس میں رقم جمع کرنے والے، اور اس سے مضامین پر رقم لینے والے سب مسلمان ہون گے، غیر مسلموں کو اس میں شامل نہ کیا جائے، تاکہ زکوٰۃ نکالنے میں دشواری نہ ہو، اور بینک کا تمام سرمایہ پاک ضمانت رہے،

احی :- اسلامی بینک کے سرپرستوں میں چند مستند علماء بھی شریک کئے جائیں گے، جو بینک کے معاملات کو شرعیت اسلامی کے اصول پر چلاتے رہیں، اور جان بینک کو کچھ دشواری پیش آئے اس کو فقہ اسلامی کی مدد سے حل کر سکیں،

سردست :- چند دفعات بطور اصول کے کافی ہیں، غالباً اس پر یہ اشکال وارد کیا جائے گا، کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ جو بینک قائم ہو گا، اس سے صرف تجارت ہی کا طبقہ فائدہ اٹھا سکے گا، کیونکہ مضامین پر رقم لینے والے تاجر ہی ہوں گے، اور جو لوگ اپنی خانگی ضروریات، بچوں کی شادی یا تعلیم وغیرہ کے لئے قرض لینا چاہیں وہ اسلامی بینک سے رقم نہ لے سکیں گے، پھر مضامین پر رقم دینا اور شرائط مضامین کی رعایت کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہے، بینک والے اور اس سے رقم لینے والے ان شرائط کی رعایت کیونکر کر سکیں گے ؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اسلامی بینک کی ضرورت زیادہ تر تجارت ہی کے لئے ہے، چنانچہ رسالہ زیر نظر میں بھی اسی پر زور دیا گیا ہے، کہ آج کل تجارت کی ترقی بدون بینک کے نہیں ہو سکتی، پس اگر غیر تجارت کو بینک سے نفع نہ پہونچے تو کچھ مضائقہ نہیں، رہا یہ کہ شرائط مضامین کی رعایت کرنا آسان نہیں تو اس دشواری کو دور کرنے ہی کے لئے دفعہ نمبر ۱۱ کا اضافہ کیا گیا ہے، پس جو دشواری بھی پیش آئے، اس کو علماء کے سامنے پیش کیا جائے، انشاء اللہ وہ جملہ مذاہب فقہاء کو سامنے رکھ کر

ہر شکل کو حل کر دین گئے، اور اگر غیر تیار کو بھی نفع پہنچانا ضروری ہو، تو اوس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اُن لوگوں کو بینک سے روپیہ قرض دیدیا جائے، اور عینی رقم دی جائے اسی قدر وصول کیجا زیادہ وصول نہ کیجائے اگر ایسا کرنے سے بینک کے کاروبار کا نقصان ہو تو یہ دوسری صورت یہ ہے کہ بینک کی طرف سے لوگوں کو روپیہ بطور بیع سلم کے دیدیا جائے، کہ مدت معلوم پر رقم لینے والا بینک کو اوس رقم کے عوض فلاں قسم کا غلہ یا فلاں قسم کا کپڑا یا چمڑا یا گلٹ کی ریز کار یا یا تانبہ کی ریز کار دی وغیرہ اس بہانے سے جو رقم دینے کے وقت ہی مقرر کر دیا جائے، ادا کرے گا، اس صورت میں بینک کو نقصان ہوگا، بلکہ بیع سلم سے جو نفع تجارت کو ہوا کرتا ہے، وہ حاصل ہو جائیگا اور اگر سلاطین اسلام اپنی اپنی سلطنتوں میں اور ہندوستان کے مسلمان حصول پاکستان کے بعد ہندوستان میں بیت المال قائم کر دین، جو کسی خاص جماعت کا نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا خزانہ شمار ہوگا، تو اس وقت بیت المال کی طرف سے جو بینک قائم کیا جائے گا، اس میں رقم جمع کرنے یا اوس سے قرض لینے میں مضاربت یا بیع سلم وغیرہ کا جھگڑا باقی نہ رہے گا، کیونکہ بیت المال سے قرض لے کر جو کچھ اوس کو زیادہ دیدیا جائے گا، وہ کسی دوسرے کو نہیں، بلکہ اپنے ہی کو دیدیا جائیگا اور بیت المال میں رقم جمع کر کے جو کچھ اس سے زیادہ لیا جائے گا، وہ کسی دوسرے سے نہیں، بلکہ اپنے ہی سے لیا جائے گا، کیونکہ بیت المال سب مسلمانوں کا ہے، اور سب کا اوس پر حق ہے، اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ جائز ہے، مبطوطہ سرخسی میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے،

۱۵ مبطوطہ سرخسی اور بدائع وغیرہ سے بیت المال کے ساتھ اس قسم کے معاملات کا جواز جو باہم مسلمانوں میں جائز نہیں میرا استنباط ہے، جس میں دوسرے علماء محققین کی تائید کا مجھے انتظار ہے آج حضرت حکیم الامت قدس سرہ موجود ہونے تو ان سے مراجعت کی جاتی، اور معاملہ سہل ہو جاتا، اب اگر دوسرے علما نے بھی میری موافقت کی تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ نہیں، اس کی اشاعت سے میری غرض فتویٰ دینا نہیں، کیونکہ ہنوز بیت المال

قَالَ أَمَّا الْخِيَّانُ فَلَا يَجُوزُ اسْتِقْرَاضُ شَيْءٍ مِنْهُ عِنْدَنَا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يَجُوزُ  
 إِلَّا فِي الْجَوَارِي لَا قَهْرَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْرَضَ بَكْرًا وَدَّرَسَ بَاعِيًا (دنی روایت استقرض  
 بکر ابوبکرین اطحاوی) قَالَ خَيْرُكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً وَحُجَّتَنَا فِي ذَلِكَ أَنَّ هَذَا أَصْلُهُ  
 بِالْقِيَمَةِ عَلَى مُسْتَهْلِكِهِ فَلَا يَجُوزُ اسْتِقْرَاضُهُ كَالْجَوَارِي وَمَوْجِبُ الْقَرْضِ ثَبُوتُ الشَّيْءِ  
 فِي الذِّمَّةِ بِشَرْطِ الْمَعَادَلَةِ فِي الْمَسْأَلَةِ فَإِذَا تَعَدَّرَ ذَلِكَ فِي الْخِيَّانِ لَمْ يَحْتَاجْ  
 اسْتِقْرَاضُهُ، وَأَمَّا الْحَدِيثُ فَانَّمَا اسْتَقْرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِبَيْتِ الْعَالِ  
 حَتَّى يُرَى أَنَّهُ قَضَاهُ مِنْ أَمْرِ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ يَقْضِي مَا اسْتَقْرَضَ مِنْهُ (نفسہ)  
 مِنْ أَمْرِ الصَّدَقَةِ وَبَيْتِ الْعَالِ يَجُوزُ لَهُ وَعَلَيْهِ حَقُّ مَجْهُولَةٍ (ص ۳۳ جلد ۱)  
 قَالَ وَلَا خَيْرَ فِي السَّلْوِ فِي الْخِيَّانِ عِنْدَنَا وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ يَجُوزُ وَاحْتِجَ فِي  
 ذَلِكَ بِسَادِرَيْنِ الْأَثَرَاتِ الْبَنِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْرَضَ بَكْرًا وَقَضَاهُ  
 رُبَاعِيًا وَقَالَ خَيْرُكُمْ أَحْسَنُكُمْ قَضَاءً وَالسَّلْوُ أَقْرَبُ إِلَى الْجَوَازِ مِنَ الْإِسْتِقْرَاضِ فَإِذَا  
 ثَبَتَ جَوَازُ الْإِسْتِقْرَاضِ فِي الْخِيَّانِ بِالْحَدِيثِ ثَبَتَ جَوَازُ السَّلْوِ فِيهِ بِطَرِيقِ الْأَوَّلِ،  
 وَحُجَّتُنَا فِي ذَلِكَ حَدِيثُ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى  
 عَنِ السَّلْوِ فِي الْخِيَّانِ وَقَدْ رَوَيْنَا عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ مِنَ الرِّبَا  
 الْبَوَابَ لَا يَكُنْ يَخْفَيْنَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهَا السَّلْوُ فِي السِّنِّ وَمَا رَوَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 اسْتَقْرَضَ بَكْرًا فَالْمَرَادُ اسْتَعْجَلُ فِي الصَّدَقَةِ تَوَلَّوْهُ تَجِبُ الزَّكَاةُ عَلَى صَاحِبِهَا فَرَدَّهَا  
 رُبَاعِيًا (وفيه ما فيه فقد ورد في رواية أنه استقرض بکر ابوبکرین وهو صریح في

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۵) ودر ہی نہیں ہے بلکہ حضرات علما کے سامنے اپنا استنباط پیش کرتا ہے تاکہ وہ بھی

اس پر غور کریں لیکن ہے پاکستان قائم ہونے پر اس کی ضرورت پیش آجائے

الا استقرار (اض بیدل) او استقرار بیت المال وکما يجوز ان یثبت لبیت المال  
حق مجهول يجوز ان یثبت ذلك على بیت المال ایضاً جلد ۱۲ ص ۱۳۲ قلت هذا  
هو الجواب وبه تبين انه يجوز لبیت المال وعليه ما لا يجوز بين الناس والله  
ان بیت المال مشترك بين المسلمين ولا يتحقق الربا في المال المشترك بين  
العاقدين نص عليه صاحب البدائع ج ۵ ص ۱۹۳ قال ومنها ای من شرط  
جریان الربا ان لا يكون البدل ان ملكاً لاحد المتبايعين فان كان (كذلك)  
لا يجوز الربا وعلى هذا يخرج العبد الساذن اذا باع مولاة درهما بدرهمين  
وليس على العبد دين انه يجوز لانه اذا التزم عليه دين فمافي يده لمولاة  
فكان البدل ان ملك المولى فلا يكون هذا بيعاً فلا يتحقق الربا وكذلك  
التفاوضان اذا تباعا درهما بدرهمين يجوز لان البدل من كل واحد منهما  
مشترك بينهما فيكون مبادلة ماله بماله فلا يكون بيعاً ولا مبادلة حقيقة،  
وكذلك الشريكان شركة القان اذا تباعا درهما بدرهمين من مال الشركة  
جاء لما قلنا، اهـ

وفي الكوكب الدرر تحت الحديث الذي فيه انه صلى الله عليه وسلم استقرار  
يكراً ففضلاً رباعياً مانصه قد يشبهه انه صلى الله عليه وسلم كيف اتا لا من ابل الصدقة  
وفيه زيادة وليست مملوكة له صلى الله عليه وسلم وانما كانت لعامة المسلمين و  
الجواب انه (اي المقرض) ايضا من المسلمين المقترضين فكان له حق في  
بیت المال اهـ ج ۱ ص ۳۸۲ قلت والمقرض ليس بقيد فان المسلمين لهم حق في  
بیت المال اغنياً كانوا وفقراء نعوذ للفقراء فيه حقوق كثيرة ليست للاغنياء

مثلاً وبالجملة فہذا نصیص من الفقہاء دل علی جواز اخذ الزیادۃ من بیت المال فی القرض باذن الامام وعلیٰ انہ يجوز لبیت المال من العقود مالا يجوز مثله فیما بین الناس کاستقراض الحيوان مثلاً، وليس معناه انہ يجوز لغير بیت المال ان یبیع صاعین من بیت المال بصاع اور درہمین منہ بدرہم فان درہم البائع وصاعہ لیس من بیت المال فی شیء فلو یکن البذل من الجانین مشترکاً بخلاف ما اذا استقرض لبیت المال فانه یصیر بالاً مستقرضاً داخلاً فی مال اللہ ثم اذا اقتضاہ زیادۃ فقد قضی من مال اللہ زیادۃ منہ والبذل مشترک ان فلا یرد ما فی الحدیث الصیحہ انَّ عامِلَ خَیْرِ جَاءَهُ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ بمرجوب قال لہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اکل تسخیر ہکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انالناخذ الصاع من ہذا بالصاعین والصاعین بالثلاثۃ فقال رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فلا تفعل بیع اجمع بالدرہم ثموا اشتربا لدرہم جنیاً اھ فان ہذا فی البیع وذن الاستقراض وصاع البائع لیس بمال مشترک بین المتبايعین ومع ذلک فانه صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فیفتح العقد لویامر العالم بالورد لكونہ قد وقع لبیت المال فانہ

اس سے ظہر میں معلوم ہو گیا ہو گا کہ نظام اسلام بچاؤ نہ ہر حالت میں مسلمانوں کی طرح کی ترقی کا کفیل ہے، جو کچھ وقت یا پریشانی مسلمانوں کو اس وقت پیش آرہی ہے اس کا متنازعہ کہ اس وقت کوئی حکومت نظام اسلام کے ساتھ قائم نہیں ہے، اور باقاعدہ بیت المال کسی جگہ نہیں، اور اس سے کانگریسی ہندوؤں کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمان ہندوستان کا مقابلہ پاکستان کسی جذبہ عداوت کا نتیجہ نہیں، بلکہ مذہبی و اقتصادی عزت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اس کے بغیر بیت المال قائم کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے مذہم کے موافق ترقی کر سکتے ہیں، اگر قاعدہ اسلامی

کے موافق اس وقت بیت المال قائم ہوتا تو بیت المال کے بینک سے مسلمان اسی طرح فائدہ حاصل کرتے جس طرح دوسری قومیں اپنے بینکوں سے فائدہ حاصل کر رہی ہیں، بیت المال کے بینک سے وکانون اور جہاز دن کا بیع بھی ہو سکتا تھا، لائسنس انشورنس بھی ہو سکتا تھا، رازدہی ہے کہ بیت المال سب مسلمانوں کا قومی مشترک خزانہ ہے، اس سے زائد لینا یا اس کو زائد دینا اپنے ہی لینا اور اپنے ہی کو دینا ہے، کسی دوسرے پر ظلم نہیں، اور حرمت ربو کی علت یہی ہے کہ وہ ظلم کی ایک بڑی صورت ہو، لا تظلمون ولا تُظلمون، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ہمارے مضاف رسالہ کتب فقہ سے حرمت کرتے تو بجاے علماء اسلام کہ بڑا بھلا کہنے کے قوم کو یہ مشورہ دیتے کہ وہ سب متفق ہو کر جلدی سے پاکستان حاصل کریں اور اس کے بعد ہندوستان میں بیت المال قائم کریں، اور بیت المال کی طرف سے جا بجا بینک کھولے جائیں، شیرز کمپنیاں قائم کی جائیں، انشورنس کمپنیاں کھولی جائیں، اور اس طرح اسلامی تجارت کو اور مسلمانوں کو ترقی دی جائے، جو لوگ بار بار موجودہ بینک کے کاروبار کو جاعنی کہہ رہے ہیں، غلط ہے، کیونکہ وہ بھی چند افراد ہی کا ہوتا ہے، جماعتی بینک حقیقت میں وہ ہے، جو بیت المال کی طرف سے قائم کیا جائے، جس میں فی الواقع تمام مسلمانوں کا حق ہوتا ہے، جیت تک یہ صورت پیدا نہ ہو اس وقت تک کے لئے مسلمان تجارت کو یا خود ایسا بینک قائم کرنا چاہئے کہ جس کا سرمایہ کسی خاص فرد یا جماعت کی ملک نہ ہو، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے باقاعدہ وقف ہو تاکہ وہ بھی بیت المال کی طرح قومی ملکیت ہو جائے، اس سرمایہ میں سب سے پہلے وہ رقم جمع کی جائے جو ڈاکخانہ میں ان مسلمانوں کی جمع ہے جنہوں نے سٹمپ سے سٹمپ تک اپنی رقموں پر سود نہیں لیا، اور جس کی مقدار ساٹھ ہزار روپیہ بتائی گئی ہے، اس کے ساتھ کچھ اور ملا کر ایک لاکھ کے سرمایہ سے کام شروع کیا جائے، یا پھر گورنمنٹ کے بینک سے معاملہ کرنا چاہئے، کیونکہ گورنمنٹ ہمارے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے، تو اس کے بینک میں روپیہ جمع کر کے سود لینا حقیقت میں اپنے



حق کو وصول کرنا ہے، اور سخت ضرورت اور مجبوری کی صورت میں گرنٹ ہی کے بینک سے قرض لیکر اس کو سود دے بھی سکے ہیں، کیونکہ گروہ اس وقت ہمارا نہیں ہے، مگر فی الجملہ مشترک عہد اور امید ہے کہ آزادی ہندوستان کے وقت اس کا کل یا بعض ہمارا ہو جائے گا، مگر سخت مجبوری کے بغیر سودی قرض ہرگز نہ لیا جائے، کہ سود کا کتنا بہت سخت ہے، واما الاول فقہ فروع مسئلۃ الظفر بجنس حقہ کما اشترت الیہ سابقاً، وصَلَّى اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا ابی محمد وآلہ اوصحابہ متدل ارجا متلاحقا، وسلم تسلیما کثیرا کثیرا، یكون الحقہ موافیا ومکافیا دموافقا

## عائشہ رضی

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتماعات اور صفات انسانی پر ان کے احسانات اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور مقررین کے جوابات، قیمت :- یہ، ضخامت :- ۳۶۹ صفحے، طبع سوم باخافہ حاشی

## اسو صحابیا

جدید ادیشن

صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع،

تینجر

# اسلامی نظریہ سیاست

از

مولانا حیدر زمان صدیقی چائل ڈوبند

(۴)

اسلام کا ہمہ گیر دستور سیاسی | موجودہ طرزِ جمہوریت میں جو چیز سب سے زیادہ ممالک تصور کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی طبقاتی احساسات (سیکشنل فیلنگس) پر ہے ملک میں ایک سے زائد سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں، ہر پارٹی درحقیقت ملک کے کسی ایک طبقہ کی ترجمان ہوتی ہے، اور ہر طبقہ کا منفی دوسرے طبقہ سے جدا بلکہ بعض اوقات اُن سے متضاد ہوتا ہے، اس بنا پر ہر طبقہ کا دستور سیاسی (پولٹیکل پروگرام) بھی دوسری پارٹیوں سے الگ یا ان سے متضاد ہوتا ہے، جمہوری ممالک میں مختلف ناموں سے متحد پارٹیاں عالم وجود میں آتی ہیں، ڈیموکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹی، سوشلسٹ پارٹی وغیرہ ہر پارٹی کے نام سے اس کے سیاسی مسلک اور رفتارِ فکر کا آسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور ہر پارٹی اپنے مخصوص سیاسی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے جدوجہد کرتی ہے، اور اس کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت رنگین پیش کرتی ہے، اور عوام کی طرف سے جب ایک پارٹی کے پروگرام کو سند قبول مل جاتی ہے تو انتخاب عام میں اس پارٹی کی کامیابی کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے، اب یہی پارٹی برسرِ اقتدار اگر حکومت کا نظم و نسق سنبھالتی ہے، غرض ملک کی بہت سی پارٹیاں اقتدار حکومت کی ہوس میں اپنے اپنے پارٹی پروگرام کو نشرو

مین وقت اور دولت کا انتہائی بے دردی کے ساتھ خون کرتی ہے۔ جہاں اپنی مدد و تعریف میں مین دآسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں، وہاں دوسری پارٹیوں کی مذمت میں بھی کچھ کی مین کی جاتی اور مختلف پارٹیوں کا تصادم بسا اوقات خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے ملک کی دولت نہایت مسرفانہ طریقہ پر صرف ہوتی ہے، اور جماعتی رقابت کی وجہ سے عام بد اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے، جو نتائج کے لحاظ سے کسی طرح بہترین خیال کی جاسکتی،

نیز ہر پارٹی اپنے جماعتی وقاد اور طبقاتی نقطہ نظر سے ہر مسئلہ پر غور کرتی ہے، عام انسانیت کے نقطہ خیال سے نہیں، اور بسا اوقات طبقاتی مفاد کی حفاظت و حمایت عصیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ جس کا دو عمل دوسرے طبقوں پر ظلم و نا انصافی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، اور جس پارٹی کو عوام میں زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے، وہ اپنے زیادہ نمایندوں کو کامیاب بناتی ہے، اور جمہوری آئین کے مطابق اس کو حق پہنچتا ہے، کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق بیت حاکمہ کو ترتیب دے، اپنی جماعتی پالیسی کے ماتحت ملک کے لئے دستور اساسی (کانسٹی ٹوشن) مرتب کرے، چونکہ اس کو اکثریت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کا ہر فیصلہ خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، حق بجانب اور درست شمار ہوتا ہے، اور اقلیتیں اس کی مدت حکومت تک محکوم بن کر رہ جاتی ہیں، بلکہ ان کی ہر خواہش اکثریت کے لئے سامان تصحیک بن جاتی ہے،

اسلامی نظریہ سیاست ان تقاض سے بالکل پاک ہے، کیونکہ اس کا تعلق انسانوں کے کسی ایک طبقہ سے نہیں، بلکہ نفس انسانیت سے ہے، اسلام کسی ایسے طبقاتی نظریہ سیاست کو جو کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو برداشت نہیں کر سکتا ہے، مسلمان قوم دراصل ایک عالمگیر پارٹی ہے، اور اس کی بنیاد کسی اتھادی جزائی، اور ثقافتی تصور کے بجائے عالمگیر اصول و معتقدات پر ہے، ان اصول و نظریات میں عالم انسانیت کی فلاح اور حیات انسانی کے تمام شعبوں کو مد نظر رکھا گیا ہے، اس لحاظ

سے تمام مسلمانانِ عالم ایک بین الاقوامی جماعت ہیں، اور اس جماعت کا طرزِ فکر، رجحان، طبیعت اور لائحہ عمل ایک اور اس کا سیاسی دستور متعین اور غیر متبدل ہے جس طرح اس پارٹی کی ہیئت ترکیبی میں کسی معاشی و قومی اور لسانی تصور کو دخل نہیں، اسی طرح اس کے سیاسی دستور میں کسی خاص طبقہ کا مفاد نہ نظر نہیں، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِيْنَ وَلِتَعْلَمُوْا نَبَاَ الَّذِيْنَ بَعْدَ جِيْنِ

لہذا اسلام میں اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی بنیاد جماعتی سیاست (پارٹی پالیٹکس) پر مبنی ہے، بلکہ عالمگیر نظریہ سیاست پر ہے، لہذا اسلامی حکومت میں نہ جماعتوں کا تعدد ہے، اور نہ جماعتی نظریوں کا تصادم، نہ کوئی اکثریت ہے اور نہ اقلیت۔

خواہشِ امارت اور اسلام | موجودہ تصورِ جمہوریت میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ نمایندگی کے لئے چند شاخص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، اس میں فرقہ وارانہ تصادم اور متعلق پولیٹیکل جنگ کا لانا ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، کیونکہ قدرتی طور پر ہر انسان کو حکومت و سیاست کی خواہش ہوتی ہے، اور خواہشات کی تکمیل میں افراط و تفریط اور جنگ و قتال تک نوبت آ جاتی ہے، اس لئے شارعِ علیہا السلام نے حربِ امارت کی ممانعت فرمادی ہے،

اگر اسلام کے منشاء کے مطابق کوئی شخص امارت کی خواہش ہی نہ کرے تو اس سے لازمًا دو فائدے ہو سکتے ہیں، اولاً یہ کہ بدعیانِ خلافت کے دعووں میں نہ تصادم کا امکان ہوگا اور نہ دو فرقوں میں انتخابی کشمکش ہوگی، اس طرح امتِ منت نے فرقہ وارانہ تنازعات، فتنہ و فساد اور زرد و مال کے امداد و مضار سے محفوظ رہے گی، آج کل انتخابی جنگوں میں جس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں، وہ کسی پوشیدہ مہینے، نہایت بے دردی کے ساتھ ایک فریق دوسرے فریق کو بدنامی و ملامت بناتا ہے، نہایت ذلیل چمے کئے جاتے ہیں، یس دم زور کی تحیلان کھول دی جاتی ہیں، اور بعض دفعہ قتل و خون ریزی تک نوبت آ جاتی ہے، تاہم یہ کہ جب امارت و سیادت کا مدعی کوئی نہ ہوگا، تو جمہورِ مسلمانوں کو صحیح خلیفہ کے

انتخاب میں کوئی وقت پیش نہ آئے گی اور کسی قسم کا خوف یا لاپرواہی کی آزادی راے پر غالب نہ آسکے گی۔  
یہی وجہ ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے امارت خلافت کی خواہش کرنے سے روک دیا ہے، کتبِ قدیمین اس کی متعدد روایات میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں،

فَنَعَزِ الْمَرْصُوعَةَ وَبُسْتِ الْفَاطِمَةِ      حکومت و امارت کی ابتداء بڑی خوبصورت ہے

(بخاری)      مگر انتہا بڑی خطرناک ہے،

دوسری روایت ہے :-

اَنَا لَا نُولِي هَذَا إِلَّا مَرَلَيْنِ      میں امارت کے سائل کو امارت نہیں

مسالہ،      (بخاری)      دوں گا،

راے دہندگی کا معیار | اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ موجودہ طرزِ جمہوریت میں راے دہندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں بعض جمہوری ملک میں ہر رائے کو حق راے دہندگی حاصل ہے، اگرچہ نیم جمہوری ملک میں جائدادِ تعلیم اور اس قسم کے امور کو شرط راے دہندگی قرار دیا گیا ہے، مگر ان حالات میں جب کہ ملک کے بنیادی آئین اور سوسائٹی کے رجحان فکر کو ہر قسم کی اخلاقی پابندیوں سے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، عوام سے یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ وہ قوم و ملک کی نمایندگی کے لئے کسی بہتر اور صالح شخص کا انتخاب کریں گے، اور ان سے زیادہ سے زیادہ یہی توقع ہو سکتی ہے، کہ ملک کی کسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ صرف جماعتی زاویہ فکر کے پیش نظر کسی ایسے آدمی کو منتخب کر سکیں گے جو پارٹی میں کافی اثر و رسوخ رکھتا ہو اور ان کی ذاتی جماعتی خواہشات کی تکمیل کر سکتا ہو، اس صورت میں ملک کے عوام کی ذاتی خواہشات اور جماعتی مفاد میں تصادم پیدا ہونا ناگزیر ہے، اور چونکہ کوئی اخلاقی پابندی نہیں ہوتی ہے اس لئے ہر پارٹی اپنے امیدوار کو کامیاب بنانے اور دوسری پارٹی کو شکست دینے کے لئے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل کے اخذ و اختیار میں مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے،

راے دہندگی کے اس معیار اور موجودہ طرز انتخاب سے کسی ایسے شخص کا منتخب ہونا قطعاً نامکن ہے، جو عوام کی ذاتی اور جماعتی خواہشات کا پابند نہ ہو، بلکہ ہمہ گیر نظریہ اخوت انسانی کے پیش نظر تمام انسانوں میں یکسانیت و مساوات اور طریق عدل قائم کرنا چاہتا ہو،

اس کے برعکس اسلام میں رائے دہندگی کا معیار اس سے بالکل جداگانہ ہے انتخابِ امیر کے سلسلہ میں یہ لازمی نہیں کہ ہر بالغ سے بلا واسطہ رائے حاصل کی جائے، کیونکہ انسانوں کی اتنی بڑی کثرت میں یہ ضروری نہیں کہ اکثریت کا فیصلہ جائز اور درست ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ عوام میں اکثریت عموماً ایسے لوگوں کی ہوتی ہے، جو ذاتی خواہشات کو قومی دلی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں، یا کم از کم ان کی نگاہ حیات انسانی کے بعید گوشوں تک پہنچنے سے قاصر ہوتی ہے، اور ان کے انہوہ میں اربابِ دانش اور اصحابِ بصیرت بہت کم ہوتے ہیں، اور اس صورت میں جب کہ ہر باشندہ ملک کو مساوی طور پر رائے دینے کا حق حاصل ہے، بڑے سے بڑے علامہ و ہرادر پیکر دیانت و صداقت کی رائے کو بھی اتنی ہی وقعت ہوگی جتنی کہ ایک عام آدمی کے ووٹ کو، اگر ایک امیدوار کے حق میں خود غرض اور جاہل مطلق انسانوں کی اکٹھاؤں آراء اور دوسرے کے حق میں بڑے بڑے اصحابِ علم و بصیرت کی انچاس رائیں ہیں، تو جمہوریت کے موجودہ نمونہ کے اعتبار سے اول الذکر امیدوار کے سر کا میابی کا سہرا بندھے گا، اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ دوسری طرف کا ایک ووٹ ان کے ہزاروں ووٹوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

گزیر از طرز جمہوری غلام بختہ کارے شو

کہ از مغزوہ و صد خنکر انسانے نمی آید

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں انتخابِ خلیفہ کا حق صرف ملت کے اصحابِ علم و عمل اور اربابِ عقل و دانش کو دیا گیا ہے، جن کو امت میں زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہوتا ہے، اور ان کی دیانت و صداقت اور اخلاقی تقدس پر کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ہوتا، اور ان کا فیصلہ پوری امت کا فیصلہ منقول ہوگا۔

کیونکہ اسلام میں اعتماد عام اور ترجیح و امتیاز کی وجہ صرف علم و عمل ہے، اور اسی شخص کی رائے یا وزن ہو سکتی ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو، اس بنا پر حکومت اسلامی میں اسی قسم کے لوگوں کو اختیار و اقتدار حاصل ہوتا ہے، اور انتخاب فیصلہ کے سلسلہ میں ان ہی لوگوں کو اس باب میں حل و عقد کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے، چنانچہ عبدالخلافت راشدہ میں خلفائے اربعہ کا انتخاب اسی طرز پر ہوا، خلیفہ اول سے لے کر خلیفہ چہارم تک انصار و مہاجرین کو اہل حل و عقد تسلیم کیا جاتا رہا، اور ان کے فیصلہ کو پوری اُمت کے لئے حکم مطلق کی حیثیت حاصل رہی، حضرت علیؑ کے زمانہ میں جب خلافت کے سلسلہ میں نزاع برپا ہوئی تو مسلمانوں میں دو فرقے پیدا ہو گئے، گو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امیر معاویہؓ کے ساتھ بھی تھی مگر اسلام کے اس باب میں حل و عقد یعنی انصار و مہاجرین کی حمایت حضرت علیؑ کو حاصل تھی، اس لئے قریباً مسلمانوں کے تمام فرقے اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علیؑ کی خلافت جامع الشرائط تھی، خود حضرت علیؑ کا وہ خط جو انھوں نے امیر معاویہؓ کو لکھا تھا اس بات کے لئے بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے کہ عبدالخلافت راشدہ میں حل و عقد کے اختیارات صرف انصار و مہاجرین کو حاصل تھے،

اِنَّہٗ بِالْعِزِّ الْقَوَمِ الَّذِیْنَ ہَا یُعَوُّوْنَ	اس قوم نے میری بیعت کی جس نے ابو بکرؓ
اَبَا بکرٍّ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِیٌّ مَا	عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی جس شرط
بِاِعْوٰہِمْ عَلَیْہِ فَلَیْمٰلِکِنَّ الشَّہَادَۃَ	پران کی بیعت عمل میں آئی اسی شرط پر
اَنْ یَّجْعَلَ وَکَالَیًا لِلْغَآئِبِ اَنْ یَّرَدَّ	میری بیعت کی گئی ہے، لہذا جو شخص انتخاب
وَاِنَّمَا الشُّرَوعِیُّ لِلْمَہَاجِرِیْنَ وَ	کے وقت موجود تھا، اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ
وَکَالَیًا لِّلْغَآئِبِ	وہ اپنی رائے پر اڑا دے اور جو اس وقت حاضر

مہاجرین و انصار کو حاصل ہے

نہیں تھا، اس کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اس انتخاب کو رد کرے کیونکہ حق انتخاب صرف

(منہج البلاغہ - جلد ۲)

عزل امیر کا غیر شرعاً اختیار | بہت تو جمہوری ممالک میں نمایندگان کا انتخاب ایک معین مدت کے لئے کیا جاتا ہے، اس مدت سے قبل اُن کے عزل کا کسی کو اختیار نہیں یعنی انتخاب سے پہلے تو عوام کو قوت اقتدار کا اصل منبع قرار دیا گیا ہے، لیکن انتخاب کے بعد ان کو مجبور محض اور معذور معطل بنا کر رکھ دیا گیا، اگر عوام کا منتخب شدہ نمائندہ انتخاب کے بعد ان کی خواہشات کا احترام نہ کرے، اور حکومت کی گدی پر بیٹھے ہی اس کا رخ بدل جائے، اور اس کو عوام کا اعتماد حاصل نہ رہ جائے، تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طویل مدت تک کے لئے وہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہے کیا یہ امر جمہوریت (ڈیموکریسی) کی روح کے منافی نہیں؟

اسلام میں امارت و خلافت کی پہلی اور آخری شرط اتباعِ شریعت ہے، یعنی امیر کے لئے فردری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایک قدم بھی حد و شریعت سے تجاوز نہ کرے اور اسی ذریعہ سے وہ عوام کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے، اسلام میں امتیاز و ترجیح کا سبب علم و عمل اور کتاب و سنت کا اتباعِ کامل بنے اگر یہ نہیں تو اس پر اعتماد بھی نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص امارت و خلافت کی گدی پر بیٹھے کے بعد اسلام کے طریقہ سے انحراف کرتا ہے، یا اوردینی کے انتظام و انصرام میں کوتاہی کرتا ہے، تو امت کو اس کو معزل کرنے کا حق ہے، اس سلسلہ میں مشہور صحابی رسول ﷺ حضرت معاذ بن جبل کے وہ الفاظ کافی ہون گے جو انھوں نے دربارِ روم میں ارشاد فرمائے تھے،

وَأَمِيرُنَا رَجُلٌ مِّنَّا - اِنْعَم  
فِيْنَا بَلَكْنَا بِنَا وَ سُنَّةِ نَبِيْنَا قَدْ مَّا  
عَلَيْمَنَا وَ اِنْ عَمِلْ بَغْيِرَ ذَالِكْ  
عَزَلْنَا لَا عَنَّا،

ہمارا امیر ہماری طرح کا ایک آدمی ہوتا ہے، اگر وہ ہم میں کتاب و سنت کے مطابق نہیں ہے تو اس کو ہم خلافت پر برقرار رکھتے ہیں، ورنہ ہم اس کو

(فتح الشام از دی ص ۱۰۵) معزل کر دیتے ہیں،



حضرت سید محمد رفیع مسلمانوں کے امیر کا منصب نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کر دیا ہے  
علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب موافقت اور شرح موافقت میں اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت  
سے پیش کیا گیا ہے،

ولامۃ خلیع الا مامہ وعزلۃ	جمہور اسلام کو امیر کے معزول کرنے کا
بسبب یوجیہ مثل ان یوجد	حق حاصل ہے جب کہ اس کی وجہ سے احوال
منہ ما یوجب اختلال احوال المسلمین	مسلمین اور امور دین میں اختلال رونما ہو جائے
وانکاس امور الدین کما کان لہو	جس طرح ان امور کے انتظام و اعلاء کی
نصبہ اقامۃ لانظامہا واعلائہا	خاطر ان کو انتخاب امیر کا حق حاصل ہے،

## تایخ فقہ اسلامی

مصری عالم حضری کی تایخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر  
مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۲۸۸ صفحے قیمت بیڑ

## القضاء فی الاسلام

اس میں طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ  
کی کتابوں سے اخذ کر کے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پینتہ صغیر  
کے لئے اس کا مطالعہ سید مفید ہے،

صفحات : ۹۲ صفحے، قیمت : ۱۰

”منیجر“

# براکھمان کی کتاب کانیا اودیش

از

پروفیسر ذبیر محمد صاحب الہ آباد یونیورسٹی

حضرت محمد ولی المحرم السلام علیکم

باداب نیاز مندی عرض ہے، کئی روز ہوئے والا نامہ سامی میرے عریضے کے جواب میں پٹنے شرف صدور لاکر میری سرفرازی کا باعث ہوا تھا، علالت و دشمنان کا حال معلوم کر کے رنج ہوا خدا کرے کہ اب آپ پوری طور پر صحت یاب ہو گئے ہوں امید ہے کہ آپ پٹنے سے اعظم گدہ واپس تشریف لائے ہوں گے، ورنہ یہ خط وہیں بھیج دیا جائے گا

براکھمان بطبع ثانی سہ ماہی شائع ہوئی، اور میرے مطالعہ میں ایسے وقت میں آئی کہ میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، میرا مہلت ۱۹۷۷ء میں مرتب ہو چکا تھا، البتہ بعد میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا، اگر براکھمان کا دوسرا ایڈیشن وقت پر مجھے مل جاتا تو اس سے بھی تمتع ہو جاتا اس میں تیس ایسے مضمون ہیں جن کا میری کتاب میں ذکر نہیں، پہلے ایڈیشن میں تو ہندوستان کے متعلق بہت ہی کم مواد تھا، نئے ایڈیشن میں کئی صفحے ہیں،

براکھمان بطبع ثانی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یورپ والے کس قدر محنت و کاوش و ماغ سوزی تجویز سے کتاب لکھتے ہیں، ان کے ذرائع غیر محدود، فراغت خاطر حاصل، پھر طباعت کی سہولتیں میسر براکھمان کے مقابلے میں میری کتاب کوئی وقعت نہیں رکھتی، تاہم میں دیکھتا ہوں کہ براکھمان میں

چند صفحات ہندوستان کی بابت ہیں، اس میں کم از کم چار قسم کی غلطیاں ہیں، مثلاً انکا اس کی تصحیح و تصفہ کے لئے کیا کچھ نہ کیا گیا ہوگا۔

۱۔ ایک قسم کی غلطی تو یہ کہ کتابوں کے ناموں میں تغلی غلطی رہ گئی ہے، مثلاً سبتہ المرحان کو بفتح سین لکھا ہے،

۲۔ دوسری قسم کی غلطی یہ کہ ایک ہی صفت کو دو مختلف ہستیاں مان کر ان کا دو جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ تیسری قسم کی غلطی یہ کہ بعض کتابوں کے نام صحیح نہیں لکھے، مثلاً عوارث کی ایک ہندی شرح کا نام ذوارث اللطائف ہے براکھان نے لطائف العوارث لکھا ہے،

۴۔ بعض کتابوں کو غلط معنوں سے منسوب کر دیا ہے، مثلاً ملا محمد جوہری کی شمس بازو ملا جیون کی تصنیف بتائی ہے، اور شاہ ولی اللہ کی مسوعا شرح موطا کو شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کی براکھان کو جو سہو تین حاصل تھیں، ان کا عشر عشر بھی نیچے میسر نہیں،

## کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوانِ شبلی، دستِ گل، بوسے گل، برگِ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت :- ۱۲۴ صفحے، قیمت :- ۵۰ پیر

”مینجر“

## اَنَا رَعَيْتُكَ

### مکاتیب مولانا عبدالحی فرنگی علیؒ رحمۃ اللہ علیہ

”مولانا محمد ادریس صاحب نگراں مولف مذکورہ ”علیؒ“ حال ”حضرت مولانا عبدالحی فرنگی علیؒ“ فرنگی علیؒ کے شاگرد تھے، استاد نے شاگرد کے نام جو خط لکھے تھے، وہ مولانا محمد ادریس کے ہوتے مولانا محمد ادریس صاحب نگراں استاد ذمہ دار سابق رفیق دارالمصنفین کی وساطت ہم کو مل گئے ہیں ان میں ایک خط مولانا محمد نعیم فرنگی علیؒ اور ایک مولانا شاہ ہادی عطا صاحب سلوئی کا بھی جو ان تاریخی تراکات کو ناظرین معارف کی مضافت میں کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔“

مکتوب اول :- بسم اللہ الرحمن الرحیم، از محمد عبدالحی عفا عنہ مولوی صاحب مجمع لطف کرم معدن عنایت اتم مولوی محمد ادریس صاحب زاد اللہ فضلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ رقعہ عنایت مع ہر ایہ رسید مطمئن ساختہ قبل ازین یک رقعہ رسیدہ بود بسبب عدم فرصت نوبت تحریر جوابش رسیدہ زبانی حامل رقعہ جوابش گفتہ بود ہمیشہ از اخبار خود مطلع فرمودہ باشند و بخدمت حافظ صاحب سلام مع شوق رسانند نشان قیام حیدرآباد این چنین است بحیدرآباد و کن قریب کہ مسجد محلہ علیہ بر مکان مولانا محمد حیدر حمیدہ دسیدہ فلان را برسد و السلام فقط

تحریر یازدہم جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ

ملک مکتوب الیہ کے والد ماجد مولانا حافظ عبدالحی صاحب نگراں، ”ادریس“

مکتوب دودہ :- بسم اللہ الرحمن الرحیم از محمد عبدالحی عفا عنہ مولوی صاحب جامع فضائل  
 حادی فاضل مولوی محمد ادریس صاحب دام فاضلہ السلام علیکم مع انحر بوده مستدعی انحر بی با شتم محبت  
 رسیدہ بھیج کر دانیدہ بسبب حق ترو ترو دست در سطر جواب تا خرافا و اولاد ختر خود فقیر رحلت کرد  
 پس ازان در علالت والدہ صاحبہ شفا بالہ کہ از عر شش ماہ غلیل انداختہ شدہ حتی کہ صاحب فرزند  
 شدند و تعالی رحم فرماید ہر چند کہ امسال قصد معتم سفر حیدر آبادی داشتیم، مگر بوجہ علالت والدہ صاحبہ  
 مجبور ہستم بخشی رخصت دیگر ارسال کردہ ام، اگر منظور شدہ ہما در نہ تا سوال صورت رد انگلی خواہد شد،  
 باقی حال بدستور بخدمت جناب مولوی حافظ عبدالحی صاحب دام مجددہ سلام منون برساند یک نشہ  
 سعی مشکورہ یہ مرسل است قبول باد و السلام، فقط

تحریر یازدہم شعبان روز جمعہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب مسوہ :- از محمد عبدالحی عفا عنہ مولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس

صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قبل ازین خطہ ارسال کردہ ام و یک رسالہ خود سعی مشکورہ  
 نیز یہ برائے جناب حافظ صاحب ارسال ساختہ ام رسیدہ باشد یا خواہد رسید از خبر رسیدنش مطمئن خوا  
 فرمود ام و در محبت نامہ مورخہ در مادہ ردان رسیدہ مسوہ و ساختہ برادر اک مضامین آن جبر تے برداشتیم  
 حاشا و کلا کہ تخطیہ جناب حافظ صاحب کردہ با شتم یا بر تحریر جناب شان حکم غلط کردہ با شتم، عاود تم حیات  
 کہ ہم چو کلمات بر تحریرات جلا ہم نمی آرم چہ جائیکہ بر تحریر جناب شان یا آن تران عبارت خط مشوق  
 علی کہ تحریر کردہ، از نہاد عبارت فقیر نیست، بلکہ از فقرات خرقہ شان است، و ہر تحریر خود و والد

و در محترم نامہ البتہ با ستاد عبارت رد و انحر حاشیہ در مختار والذی یظہران العلة الاستلذا  
 فقط ویفہومینہ انتہی حیث لا استلذا اذا کراہتہ ولا یستلذا اذا کان بعاقۃ انتہی  
 نوشتہ ام کہ "قت عدم استلذا" مکررہ نہیں ہے عبارت تحریر خود بجنبہ یاد اندام نہ نقل آن نزد خود

نداشته بودم. اصل استفتاء اگر بر آن تحریر فقیر است طلب داشت ملاحظ فرمایند که آزان کیفیت افترا معلوم خواهد شد و السلام بخد مت حافظ صاحب سلام منون برسانند بتاریخ ۲۹ رجب درین جا ابر بود هلال بنظر نرسیده و لا جرم بروز سه شنبه عزه شعبان مقرر شده از بعض تحریرات بعض بلاد مدک گشته که در آنجا غره بروز و شبانه شده مگر هنوز ثبوت آن بطور شرعی نشده که بر آن اعتماد کرده شود، فقط تحریر سبب و یکم شعبان روز دوشنبه ۱۲۹۶ هـ

**مکتوب چهارم** از محمد عبدالحی عفا عنه سلام منون الاسلام قبول فرمایند محبت نامه رسیده مسرور فرموده جواب استفتائات و مرسله انشاء الله بجاه شوال ارسال خواهم کرد، درین ایام فرصت یک لحظه ندادم والد مظلوم بتاریخ ۲۳ شعبان رحلت فرموده تفکری و ملائی که لائق حال است خارج آن تحریر رضی بقضاء الله و قدره بهمین سبب نوبت تحریر جواب غایت نامه سابقه نرسیده معاف خواهد فرمود و السلام بخد مت جناب حافظ صاحب سلام منون برسانند،

**مکتوب پنجم** - السلام علیکم ورحمة الله و بركاته، نامه محبت رسیده مسرور فرموده فی الواقع درین جامعید بروز پنجشنبه شده بروز چهارشنبه ۲۹ رمضان مطلع صامت بود، اکثر کسان را هلال بوجه این که نهایت باریک بود و در شمع شمس غمقی بود بنظر نرسیده، لیکن بیایم، از کسان آنرا معافه کردند، چنانچه درین محله دو کس دیدند و خارج آن از محلات متعدد و شهادت رسیده و در ثبوت آن نیکی نامه از باب یشیع هم هلال دیده، نزد مجتهد گواهی رسانند، لیکن ارشاد تسلیم نکردند طلباً لما لفتنا، و عید بروز جمعه کردند، پس از بلاد متفرقه مثل بنارس و بمبئی و ناگپور و غیر هم خبر دیت برویتر چهارشنبه رسیده، رخصت دو سال فقیر از حیدرآباد منظور شد، جواب استفتائات مرسله بسبب قلت فرصت هنوز نوشته نشده انشاء الله از عقب خواهند رسید، و السلام بخد مت والد ما چه خود سلام منون برسانند،

**مکتوب ششم از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب**  
 دام لطفہ، السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نامہ محبت دیدہ باداک خبر خیریت مسرور گشتم  
 و بدریافت اشتغال ملی و قرب فراغ کمال فرحت دست ادا و تعالیٰ شانہ زودتر بدرجہ کمال رسانا و  
 غایت نامہ سابقہ کہ رسیدہ بود، بوجہ قلت فرصت نوبت تحریر جوابش نہ رسید، معاف خواهند فرمود و  
 و اما از کوائف خود مطلع فرمودہ باشند، اما وہ شعبان رخصت فقیر باقی است اگر سامان رخصت دیگر  
 بست بنما و نہ تا شوال عازم حیدرآباد خواهم شد، باقی حال بدستور خدمت جناب حافظ صاحب دام عیادت  
 سلام ممنون رسانیدہ شود، فقط،

تحریر ۲۸ صفر ذی الحجۃ ۱۲۹۶ھ

**مکتوب ہفتم جامع فضائل حادی فاضل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب السلام و**  
 علیک وقلبی لدیکون ان الله ما اخذ ولہ ما اعطی ان لی الله لا ذی من کل مصلیۃ  
 فیما لله تشقوا

وَاذِ الصَّبَاتِ مُصِیْبَةُ نَسِیْ بِهَا فَاذْکُرْ مَصَابِیْکَ بِالنَّبِیِّ مُحَمَّدٍ

دو قطعہ محبت نامہ رسیدند بیب علالت کہ از عرصہ یک ماہ قبل از تب و لرزہ و اسہال شدہ  
 تکالیف برداشتم، در تحریر جوابات تاخیر افتاد و ہنوز نفا و محدہ باقی است و ضعف بحدت است کہ نہ  
 تحریر این چند سطر نیز تلف می شود، و رحلت والد آن مہربان نہ امریست کہ صرف آن مہربان در ملائش  
 گرفتار شدہ ند بلکہ ہر کس کہ از جناب شان ملاقات می دارد و دین ماتم مبتلا است خصوصاً فقیر کہ با سماع  
 این خبر ملائے کہ لاقی گشتہ از حیض تحریر چون است فرحم اللہ رحمۃ واسۃ صبر فرمودہ بدرجات اللہ مع الغائبین  
 ناز نہ زندگیاری چو توبہ بندی بقرآن بقدر یک شہر مضائقہ ندارد و در پختہ کردن قبر خاندان است عبارت کشف الغطا فی شہر  
 لکھنؤ است گچ کردن قبر کذا فی اکثر النفاوی و انشراح و در معدن گفتہ این قول تدابیر است و متاخرین

رد ظاہر اعناد ضرورت لایاس بہ است الا ان الاولی ہوا ترک بالفعل رسالہ در حال علمائے ہندی کو  
بنائے علیہ مکلف کہ از حال والد مرحوم خود مفصلاً مطلع سازند ایں امور ضروری الاطلاع اندنب ذکر  
ہست تا ہل ممکن تاریخ و ماہ و سنہ ولادت تاریخ و ماہ و سال وفات ذکر سازند و ذکر تصانیف ہر  
کہ معلوم باشد اطلاع فرمایدہ دائماً از اخبار فریاد خود مطلع فرمودہ باشند و فقر را از غلص اجاب  
تصور سازند والسلام فقط

تحریر ۱۶ ذیقعدہ روز یکشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہشتم، بخدشت مولوی محمد ادریس صاحب ام مطلقہ السلام علیکم، حجت نامہ رسیدہ  
مسرور الوقت گردیدہ بسبب قلت فرصت در تحریر خطوط ازیں جانب تاخیری شود خیالش  
نفرمودہ و اکابر رسال غنایت ناجیات یادشاد کردہ باشند بسبب عدم فرصت ہنوز نوبت معائ  
رسالہ ہائے آل ہریان ہم نہ رسیدہ اگر فرماید آہندہ احوال میاں حسین علی سازم کہ نزد آل ہریان  
رسایند غرہ رمضان اگرچہ دینچاہم بروز و شنبہ گذشتہ گرانہ بی و حیدر آباد و سہارن پور و اطراف دیوبند  
در اسے بریلی وغیرہ خبر بودن یکشنبہ غرہ رمضان رسیدہ بلکہ دیوبند غرہ بروز شنبہ شدہ حال بروز جمعہ  
دیدہ شد حکم دادہ شد کہ ہر کہ بروز یکشنبہ روزہ داشتہ در رمضان محسوب شدہ و ہر کہ نداشتہ قضا  
بر و لازم فقط محمد عبدالحی از فرنگی محل لکھنؤہ ار رمضان روز یکشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب نهمہ: مولوی صاحب علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کتب مطلوبہ متعلقہ می ماندہ، امر تاجا  
ہمراہ برند از مولوی عبدالباق صاحب اجازت خواہم گرفت، مگر در عرصہ دو ماہ ضرور رسال خواہ  
فرمودہ، موطا و ابراہیم از عقب خواہم رسید و السلام فقط محمد عبدالحی از لکھنؤ،

بیتہ حاشیہ: حق داشتہ اند و در کمال نمودن تہذیب اخلاقیات است و ایت شہود تولی بکرامت و تحسین لایاس  
بہ است و در تائید خانیہ مذکور است اگر خوب شوند بقدر باک نیست بکسی نمود و در جواب اخلاقی آئندہ کہ ممکن است  
و برہین است فتویٰ گفت انظار علما از مولوی علی الاحیاء،



**مکتوب ہمدردی:** شفقت مہربان مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، محبت نامہ مورخہ ۲۳ رسیدہ بر مضامین مندرجہ مطلع ساختہ از عرصہ دو ماہ بتلائے تپ آشوب چشم شدم ازین بہت فوبت معائنہ رسائل آن مہربان رسیدہ، اگرچہ از تپ وغیرہ نجات حاصل گشتہ مگر دیشم ہنوز غلبے باقیست، انشاء اللہ بعد حصول صحت کاملہ آتار امعائنہ کردہ ارسال خواہم کرد ہرچہ فرائض تشریف دیو وغیرہ چونکہ دین ایام متعلق شدند فوبت ارسالش زیدہ موطا را امام محمد قریب بیج طبع شدہ است، یہ عجب کہ در عرصہ شش ماہ تیار گردو، والسلام محمد عبدالحی عفاعنہ از فرنگی محی لکھنؤ،

تحریر ۲۲ ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۹۷ھ

**مکتوب یازدہم:** از محمد عبدالحی عفاعنہ محی مولوی محمد ادریس صاحب بیسلام منون الاسلام واضح باونینہ محبت رسیدہ بر مضامین مندرجہ اطلاع بخش عی قیمت موطا رسیدہ حوالہ جناب مولوی خادم حسین صاحب کردہ شد، والسلام،

**مکتوب یازدہم:** بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم، برو و محبت نامہ بتبع شدم بسبب قلت فرصت در ارسال خطوط تاخیری شود از رسائل مطلوبہ بجز قول اشرف و امام الکلام دیگرے طبع نہ شدہ قول اشرف منقولہ، امام الکلام بدکان مصطفائی بیقیمت ۸۰ فروخت می شود و قبر فاطمہ مختلف فیہ بعضے در یقع و بعضے قریب و ضہ بنویہ می گویند و مدینہ طیبہ ہر دو جا قبر موجودست، در باب والدین توقف اسلم است اللہ اعلم بحقیقۃ الحال باعث شد اجتماع مکودات تخریصہ کراہت تحریرہ را ہنوز ندیدہ ام، و در باب وفات لڑوی اختلاف اقوال معلوم می شود، بالفعل تجریر تاریخ علماء ہند مصروف ام شنیدہ ام کہ در جواب ابراہامی نوشتہ می شود باوجود تجمعات جرات لائق مضحکہ است باقی حال بدستور فقط محمد عبدالحی عفاعنہ از لکھنؤ فرنگی،

تحریر یازدہم صفر روز چہار شنبہ ۱۲۹۸ھ

مکتوب سینزدھم :- از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب نجف فضل اتم پنج  
 کرم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ احمد مع الخیر بودہ مستدعی الخیر  
 باشم بحسب نامہ بذریعہ داک رسیدہ دریافت اخبار خیرات اطمینان بخندہ فی الواقع از عرصہ ازیں جا  
 نوبت ارسال خطوط رسیدہ مگر سبب آن بجز عدم فرصت دیگرے نیست بسبب تدریس و تالیف و تدریس  
 یک لمحہ نمی شود بہین سبب در تحریر جواب خطوط اجاب تاخیری شود و در تحریر جوابات قاضی کہ از  
 اطراف می آیند نیز تاخیری شود، خیال این امر بنوع نہ فرماید و فقر را یک از غلصہ اجاب خود دانستہ  
 و ضرورت دریافت ہر امر یکہ باشد بلا تکلف از ان مطلع فرمودہ باشند، یا بفعل رسالہ در باب سقوط حد  
 زنا از کالج حاکم کہ جلدادیں مسدعن وطن بر حقیقہ می سازند فی نویسم انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع ارسال  
 خواہم کرد و السلام فقط

تحریر ۱۲ رجب بروز جمعہ ۱۲۹۹ھ

مکتوب چہار دھم :- از محمد عبدالحی عفا عنہ مولوی صاحب مشفق و محبی مولوی حافظ  
 محمد ادریس صاحب دام لطفہ، سلام مسنون الا سلام قبول باد اللہ احمد مع الخیر بودہ مستدعی الخیر  
 می باشم در اینجا بہنادات معتبر و بیت ہلال ۲۹ شعبان ثابت شدہ و غزہ رمضان بروز شنبہ  
 مقرر گشتہ : بدین سبب رمضان روز سہ شنبہ ہلال عید بنظر آمدہ بروز چہار شنبہ نماز عید ادا شد اہل تشیع  
 بنا لغت کردہ و غزہ رمضان بروز سہ شنبہ مقرر کردہ و عید بروز پنجشنبہ ساقط بسبب قلت فرصت  
 از عرصہ نوبت ارسال خطوط نہ رسیدہ ہمہ تاخیر محاط نفرمودہ ہمیشہ بار سال عنایت تابجا  
 یاد و شاد فرمودہ باشند و السلام

تحریر پنجم شوال بروز پنجشنبہ ۱۲۹۹ھ

مکتوب پانزدھم :- بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم

درجہ اولیٰ و کاتہ، محبت نامہ پہنچا، حال مندوج معلوم ہوا، مقدمہ مطلوبہ کی بابت میں اس وقت تک کوئی شخص نہیں آیا، نہ کوئی فتویٰ وقت آمدن دیدہ خواہ شد، میں اپنا حال کیا لکھوں، سوال میں چند سبق شروع کرادے، دروات صریح کا پھر اعادہ ہوا، پھر وہی کیفیت در دوسرے وضعف کی ہو گئی، علاج میں مصروف ہوں، حق جل شانہ رحم فرمائے، جمایع مطلوبہ ابھی زیر طبع ہیں، کلمہ ہلال و یحجر دیکھا گیا، آج روز چار شنبہ غرہ بلا خلا مقرر ہے، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب شانزدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ از صبح تا فواخت نہ گنفتہ فرصت می ماند طبعم بہ نسبت سابق درست است، مگر هنوز اعداد الکی نیست، دین آیام درمنثور متعلق است ازین جہت از ارسالش معذورم یک فرس برائے ملاحظہ مرسل است،

محمد عبدالحی عفا عنہ ۲۵ رشتبان یکشنبہ،

مکتوب ہفت دہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حسب الطلب جواب سوالات بھیجتا ہوں، کتاب ذہبی و استعیاب مولوی حامد حسین صاحب کے پاس ہے، آج میں نے طلب کیا تھا، انھوں نے عذر متعلق ہونے کا کیا، صاحب میرے پاس نہیں، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب ہشتاد و ہشتم السلام علیکم ورحمۃ اللہ از محمد عبدالحی سلام سنون قبول فرمائیے، محبت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا، ان دنوں ایسے تر و داتین مبتلا رہا، کہ تحریر جواب بن تاخیر ہوئی، پہلے تومیری طبیعت کسلند ہو گئی پھر دختر خرد سالہ کہ عمر سہ سال کی تھی، بخار شد، چھک چھک قضا کر گئی، اس مرتبہ اس مرض کی یہاں ایسی وبا ہے، کہ بانیہ اطفال ضائع ہو چکے ہیں، حق جل شانہ اپنا رحم فرمائے، مال زکاة میں تملیک شرط ہے، امرت مسجد میں تفرج ہونے سے اجازت ہوئی، ان ایک صحت یہ ہے کہ صاحب زکوة وہ مال کسی محتاج کو دے دیے، اور دینی تفرج

اس کو مرتبہ مسجد میں لگا دے، والسلامہ از لکھنؤ فرنگی محل۔

تحریر بست ویکم صفر ۱۲۸۵ھ

مکتوب نوزد ہجرت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قبل ازیں جو خط آپ کا لکھا ہی سے آیا تھا، اُس کا جواب میں نے بھیج دیا ہے، شاید نہیں پہنچا، اسلئے فرماؤ کہ نہایت عمدہ اور محقق ہے، اور کتب نوشتہ کی کچھ اصل نہیں ہے، درباب نشر سکر احادیث دار الدین مگر ضعیف، فضائل اعمال میں کافی ہیں، ظواہر احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ نقیب اذان نبات زمانہ رسول اللہ میں تھا، بالاہننا کان میں عورتوں سے مروی ہے، ابراہیم الخنی میں دایسوی فی بنۃ الوعاۃ اصل مسودہ میں نہیں ہے، تنبیہ اس کی وادرو میں جواب لکھ رہا ہوں کہ دی ہے، ظاہر احکامات میں کھڑے ہونے سے اگر حال اُس کا مقتدیوں پر مخفی ہو جاوے، تو کراہت تنزیہی ہوگی، ورنہ نہ مقتدی بعد امام کے رکوع و سجود میں جاوے نہ ہمراہ دو چار روز کے بعد میں مرزا پوچھانے والا ہوں، اداں رجب تک انشاء اللہ واپس آؤں گا، والسلامہ محمد عبدالحی عفا عنہ از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بست جمادی ثانیہ ۱۲۸۵ھ

مکتوب بستہ: جات فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب زاد لطفہ، از محمد عبدالحی عفا عنہ، سلام سنون قبول فرمائید، محبت نامہ رسیدہ کاشف مندرجہ گروید، کتب حدیث دفعہ اکثر متعلق می ماند گا ہے احتیاج بکتا بے دگاہے بدیگرے می ماند ازیں جہت در ارسال آنا مخدومی مانم نقل آسانید شیوخ کنانیدہ واجازت حصین بوقت فرصت نوشتہ از عقب ارسال خواہم کرد، والسلامہ از لکھنؤ فرنگی محل، تحریر ۱۵ اشوال ۱۲۸۵ھ

مکتوب بست ویکم ہجرت مولوی صاحب جات فضائل دام لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میزان نزد خود دارم، چون از کتب مطلوبہ اکثر تعلق می ماند، در ارسال آنا بندوںم

مجموعہ فتح المنصور بالفعل جی فرستم در عرصہ دو یک ماہ واپس ارسال خواہند ساخت ، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ

مکتوب بست و دوہ :- جامع کمالات و فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی

عفا عنہ سلام منون قبول فرمائید غایت نامہ رسیدہ حال مندرجہ معلوم گردید ، در بحث نکاح زوجہ مفقودہ بمقتلہ تصریحات جمہور خفیہ ہین منع است کہ شوہر اول زوجہ خود را بگیرد ، لیکن بہ مقتضائ مذہب امام <sup>ک</sup> کہ خفیہ بفروخت بر آن فتویٰ می دهند ، شوہر اول نمی تواند چہ صحیح ہند بہ مالکی ہمین است کہ بعد صحبت شوہر ثانی ، شوہر اول گرفتار نمی تواند ، اجازہ حسن ہمین بیب قلت فرصت ہنوز نوشتہ نشد ، انشاء اللہ بوقت فرصت نوشتہ خاتم فرستاد ، والسلام را از لکھنؤ فرنگی محل .

تحریر ، ۲۰ ربیع الثانی روز شنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و سموہ از مولوی عبدالحی عفا عنہ ، بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات

اشفاق مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ ، پس از سلام منون ابراہیم مرام یہ ہے کہ رسالہ موضوعات ملائی قاری پنجائین دو بیسے اکثر سفر میں رہا ، کبھی مرزا پور کبھی کاکورہ کبھی کسی اور طرف گیا ، اسی وجہ سے توبت تحریر کی نہیں آئی ، بر دو شنبہ پھر سفر فیض آباد کی طرف کا پیش ہے ، تائب برات انشاء اللہ واپس آؤنگا ، رسالہ دیکھو پال قریب ختم ہے ، صرف غلطنامہ چھپے کو باقی ہے ، بعد تیاری ارسال کرونگا ، والسلام

تحریر ۲۰ رجب روز شنبہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست چہارہ شفیق مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ سلام

منون قبول ہو ، بہت اذیت شاہان کہ وہام پور ڈوٹلہ سے آئے رویت ہلال رمضان ۲۹ شعبان کو ثابت ہوئی یہاں جہ کو اعلان کر دیا گیا ، کہ عذرہ رمضان چار شنبہ کو ہوا جس نے اُس روز روزہ نہ رکھا ہو ، اس وقت لازم ہے ، اب اگر بر دو شنبہ ۲۹ رمضان کو چاند عید کا ہو گیا ، تو بر دو شنبہ عید ہوگی ، ورنہ جمعہ

ضرر عید ہوگی، روایات بموجب پال کے ارسال میں ۰۳ صرف ہوتا ہے، کوئی دہان جانے والا ملے گا، تو اس کے ساتھ ضرر نہ سمجھو نہ گا، والسلام

تحریر شانزدہم رمضان روز پنجشنبہ ۱۳۳۵ھ

مکتوب دبست و پنجہ از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع کلات و الطاف مولوی حافظ محمد ادریس دام لطفہ پس از سلام سنون الاسلام ابراز مرام یہ ہے، بعد عرصہ کے محبت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے اطمینان ہوا، میں حیدر آباد میں سخت علیل ہو گیا تھا، آج تک اس کا اثر باقی ہے کہ ہر روز درود سر رہتا ہے، صغف دماغ اس درجہ رہتا ہے، کہ تدریس و تالیف سے بالکل معذور ہوں، اب انشاء اللہ بشرط صحت انتظام تدریس شوال میں ہوگا، ان دونوں جلد دوم شروع ہو گئی تھی میں معروف ہوں، غالباً ماہ مبارک میں ختم ہو جاوے، محمد سعید نو مسلم نامہ روایات صاحب نے جواب تذکرۃ الراشد کا اردو میں چھاپ دیا ہے، اُس میں مغلط گالیان دی ہیں، ادب سے التزام اس امر کا ہے، کہ ان مسائل تہر کا جواب نہ دیا جاوے گا، و باب مجددیت ناحق مافہون نے قائل کیا ہے کیا مولوی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور کی فضیلت صفت مجددیت پر موقوف ہے، کیا غیر مجدد مجددے افضل نہیں ہوتا ہے، بیوقوفی جن کا انتقال ۱۱۵۲ھ میں ہوا مجدد مایۃ سوسہ شمار کئے گئے ہیں حالانکہ ان سے ابن حجر عسقلانی کہ جن کا انتقال ۱۱۵۲ھ میں ہوا مجدد مایۃ سوسہ شمار کئے گئے ہیں کہ مجدد وہ ہوتا ہے، کہ جب ایک صدی تمام ہوا دوسری شروع ہو تو اس شخص کا فیض شائع ہو چکا نشوونما ابتدا صدی میں ہوا، وہ مجدد نہیں ہو سکتا، حدیث علی راس مایۃ سنۃ میں راس مبنی آخر صدی کو نہ اول صدی تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے، امام غزالی کہ جن کا انتقال ۱۱۵۲ھ میں ہوا مجدد مایۃ سوسہ شمار کئے گئے، نہ مجدد مایۃ سوسہ، امام رازی کہ جن کا انتقال ۱۱۵۲ھ میں ہوا، مجدد مایۃ سوسہ سمجھے گئے، نہ مجدد مایۃ سوسہ اس بحث میں رسالہ بیوقوفی کا اور ابن حجر عسقلانی کا مبسوط ہے، پس مایۃ سوسہ

مکتوبات مولانا عبدالحی نوری علی

عشر کا وہ مجدد و ہمنین سکتا جس کی ولادت ابتداء میں اور نشو و نما وسط میں ہو ا ہو، والسلام خیر انعام،  
شعبان کا غزہ میان برد یک شنبہ مقرر ہوا، کا پتورا اور حیدر آباد میں کچھ گواہیان ۲۵ کی رویت کی گزری  
ہیں، مگر کا پتور میں اس کا اعتبار نہیں ہوا، البتہ حیدر آباد میں غزہ شنبہ کا مقرر ہوا، استفادہ انشاء اللہ دو  
تین روز میں پہنچے گا،

مکتوب بست و ہشتمی، مولوی صاحب دام لطفکم، السلام علیکم، میں بوجہ علالت کے آپ  
کے خطوط اور استفتے کا جواب نہ دے سکا، ماہ شوال سے دوسرے دروسینہ، ضعف و ماغ میں مبتلا ہوں کہ  
جس کی وجہ سے انتظام تدریس و تالیف کا بالکل مخت ہے، ضعف ایسا ہو گیا ہے، کہ ان چند سطروں کے  
لکھنے میں تکلف ہوتا ہے، اب استعمال منہج کا ہوتا ہے، بعد انشاء اللہ مسلسل ہو گا، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ، ۲۵ رزی جمعہ روز چار شنبہ ۱۳۱۲ھ

مکتوب بست و ہفتم، مفتی مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیک ورحمۃ اللہ  
و بركاتہ اگرچہ ایک مہینہ سے دورہ نہیں ہوا، مگر دوسرے کی شدت ہے، اس وجہ سے آپ کے عنایت نامہ  
کی تحریر کے جواب میں تاخیر ہوئی، اب منہج کا استعمال ہے، سات آٹھ روز میں مسلمات ہوں گے، فوائد  
کے مسودہ میں عبارت یہ ہے و وفات حسن چلیبی کان اختار و تسع مایۃ، اب دوبارہ طبع ہوتا ہوا  
انشاء اللہ اغلاط سابقہ مٹو جائیں گے، اما من مغیث کا کلمہ موافق اُن کے زعم کے لکھا گیا کہ وہ  
اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھ کے فریاد کرنے لگے، والسلام باقی از عقب محمد عبدالحی عفا عنہ،  
۲۵ رزی جمعہ ۱۳۱۲ھ، نماز عید اگرچہ میان بھی جمعہ کو ہوئی، مگر بعد اس کے ثابت ہو گیا کہ غزہ ذیحجہ  
سہ شنبہ کو ہوا تھا،

مکتوب بست و ہشتمی، از محمد عبدالحی عفا عنہ بجامع کمالات علیہ، مفتی مولوی حافظ  
محمد ادریس صاحب :- پس از سلام سنون الاسلام ابراہیم امرا مائیکہ عنایت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے

مکتب مولانا عبدالحی فرنگی محی

اطمینان ہوا، بہ نسبت سابق کے اب بحمد اللہ طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر ضعف دماغ ابھی تک باقی ہے، تدریس وغیرہ پر ابھی تک قوت نہیں ہے، حق جل شانہ رحم فرمائے کبھی اگر طبیعت درست ہوتی ہے، تو حاشیہ امام الکلام لکھ لیتا ہوں، بالفعل میرے چند مجامع رسائل و مجموعہ خطب تمام سال تالیف فقیر چھپ رہے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع کے اس سے اطلاع دون لگا، والسلام اراکھنؤ فرنگی محل:

۲۰ رجبہ دہلی ثانیہ روز شنبہ ۱۳۳۵ھ

مکتوب ہسبت و ذہر، خدمت شفیق مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنا حال کیا لکھوں، ماہ گذشتہ میں پانچ مہل ہوئے، مگر دورات صرع سے نجات نہیں ہوئی، دوسرے تیسرے دورہ عارض ہو جاتا ہے، کل مغرب کی نماز میں سخت دورہ عارض ہوا کہ جس کی وجہ سے اس وقت تک ایسی طبیعت خیف ہے، کہ ان چند سطور کی تحریر میں بھی تکلف ہے، جملہ انتظام تحریر و تدریس وغیرہ سب منتقل ہے، خدا رحم فرما دے، کتب مطلوبہ آپ کو اس وقت نہیں بھیج سکا، والسلام

۹ صفر روز جمعہ ۱۳۳۵ھ

مکتوب سیح، خدمت شفیق جامع کمالات مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ  
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ محبت نامہ مورد غرہ پنچا، حال مندرج معلوم ہوا، چھ سات روز سے میری طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر جب تک دو ایک مہینہ نہ گزیریں اعما و نہیں ہو سکتا ہے، اس وجہ سے اشغال علیہ و ماغیہ کی طرف ابھی تک توجہ نہیں کی ہے، حق جل شانہ رحم فرماؤ، سید کبیر عند الفتوت کی تفصیل انشاء اللہ آمین، خدمت عالی میں پہنچے گی والسلام  
محمد عبدالحی از کھنؤ فرنگی محل، چارم ربیع الاول روز جمعہ شنبہ ۱۳۳۵ھ



## مکتوب مولانا محمد نعیم لکھنوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَلِیُّ الرَّبُّ الْحَكِیْمُ مِنَ الْفَقِیْرِ الْحَقِیْرِ  
خادمِ كُلِّ صَغِیْرٍ وَكَبِیْرٍ اِلَى الْاَحْیَاءِ مُحَمَّدٌ الْمَدْعُوْ بِالنِّعَمِ جَعَلَ مِنْ دَرَجَتِهِ جَنَّةَ النِّعَمِ اِلَى الْحَبِیْبِ  
الذَّبِیْبِ الْاَدِیْبِ الْاَرِیْبِ الْمَوْلَوِیِّ مُحَمَّدٍ اَرْثِیْسٍ وَفَقِہِ اللّٰهِ تَعَالٰی، نَلْتَعَلِّمُ وَنَلْعَلِّمُ  
السَّلَامَ عَلَیْكُمْ وَعَلٰی مَنْ لَدٰیكُمْ وَبَعْدَ نَقْلِ وَصَلَتِ النَّمِیْقَةِ الْاَنِیْقَةِ الْمُنْبَثَةِ  
عَنِ الْمَحَبَّةِ الْعَمِیْقَةِ فَكُنْتُ مَسْرُوْرًا وَارْحَمَ مِنَ اللّٰهِ الْحَكِیْمِ اِنْ یَجْعَلُكُمْ سَلَامًا  
وَمَبْرُوْرًا وَكُتَابَ الطَّبَقَاتِ اِلَى الْاَلَانِ مِنَ الْمَتَعَلِّقَاتِ وَالْبَاقِیُّ عِنْدَ التَّلَاقِ،

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتٰبَعَ الْهَدٰی ارشاد ۱۲۹ھ

مکتوب آخری بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا هو العلی الرب الحکیم  
محبت صمیم وخلص جم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب صانہ اللہ سبحانہ عن تلبیس ابلیس سلام منون  
الاسلام و دعاے باورغ المرام مطالعہ نمائند نامہ بر رسید و نامہ رسانید و براخبار اختیار مطلع گردانید  
غنیۃ لطالبی طریق الحق عزوجل فرستادہ می شود، رسیدش رسانند، و تکل باینایہ باین پیر مرد  
نزدیدہ تر سلیس موقوف گردیدہ، و رفیق ایشان اِلَى الْاَن کِیْفِیَّتِ قَصِیْبِ سِحْرِ اِیْرَسَالِ نَدِ اَشْتَدَّ تَقَاَضَا  
نمائند، و از نور چشمان سلام منون قبول فرمائید، زیادہ زیادہ و باہل و عیال، و برادر بزرگوار را  
خویش ازین درویش دل ریش دعا و سلام رسانند، اللہ بانی ہوس،

فیقر حقیر انجم ابو الاحیاء محمد نعیم عفا عنہ عزوجل از محمد فرنگی محل

روز شنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ

## مکتوب مولانا شاہ محمدی عطا خاں سلونی

مولوی صاحب جامع الفضائل والکمالات مجمع حسنات وبرکات سلم اللہ تعالیٰ، بدسلام  
 مسنون اشراق مشحون المرام آنکہ رسالہ در باب مجددین بہت خوب آپنے تالیف فرمایا ہے، جزاکم  
 اللہ احسن الجزاء، مجھ کو اس امر کی تحقیق مدت سے تھی، گویا الہام آپ میرے مدعا پر آگاہ ہو گئے،  
 میں تین چار لکھنے سے عجب کرب میں ہوں یعنی اہل خانہ فقیر کو عارضہ فاجعہ دلقوی کا ہو گیا ہے، علا  
 جہاں ہے، اللہ تعالیٰ شفا کامل عطا فرمائے، بحرمتہ دینیہ وجہہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم امر  
 معلوم معرض نسیان میں نہیں آیا، مکروہات چند در چند مانع رہے، معاف فرمائے گا،

والسلام حسن انجام، فقط

## خلافت و سلطنت

بغداد کی خلافت عباسیہ کے دور زوال سے، خوارزمشاہ اور بغداد کی تباہی تک خلافت  
 اور اس کی تخت سلطنتوں اور حکومتوں کے درمیان صلح و جنگ کے جو تعلقات رہے اور ان سے جو نتیجے پیدا  
 ہوتے رہے، ڈاکٹر امیر حسن صدیقی بدایونی نے ان کو اپنی ڈاکٹرٹ کی ڈگری کے لئے موضوع بنایا اور اس پر ایک  
 محققانہ اور دلچسپ مقالہ لکھ کر پیش کیا، وہی مقالہ کسی قدر ترمیم کیا تھا اور دو میں ترجمہ ہو کر ان اوراق کی  
 صورت میں پیش ہے،

اصل مقالہ انگریزی میں تھا، لیکن بدایوں ہی کے ایک لائق مترجم جناب سیطین احمد صبا بی اے علیگ  
 نے اس کا ایسا سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اصل تصنیف معلوم ہوتا ہے، پوری  
 کتاب مولف و مترجم دونوں کی تصنیفی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے،

”منیجر“

# اِسْتَفْسَا وَاجْوَا

## ”شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں“

اللہ

بعض دوسرے سوالات

جناب غلام قادر صاحب { ”براہِ کرم ذیل کے سوالات کے تشریحی بخش جوابات  
میرادارہ فلاح عالم بباگلی، پرانی منڈی اجیرا، غایت فہم کرشنکر گڈام فرامین،  
۱۔ شق القمر کے قرآن مجید میں بیان فرمانے سے خدا کا کیا منشا ہے،

۲۔ حدیث ”لَوْلَا اَنْتَ لَخَلَفْتُ لَدَا اَهْلَ الْمَدَائِنِ“ کے لئے قابل قبول ہے یا لائق ترک،

۳۔ حضرات خضر موسیٰ کی جمع البحرین والی ملاقات کے بیان میں خدا کا کونسا راز مضمحل ہے،

معارف :- (۱) قرآن مجید میں خدا نے جس غرض سے اشتقاقِ قر کا ذکر کیا ہے وہ اسی

آیت سے ظاہر ہے جس میں اُس کا ذکر ہے، اقتربت الساعة وانشق القمر الساعة کا لفظ اپنے اندر جن مفہوموں کو متضمن ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ زمین اور اجرام فلک پاش پاش ہو جائیں چاند کے اشتقاق کو جس کے آثارِ دہین سے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں، خدا نے قیامت کا ثبوت قراء دیا ہے جس طرح زمین میں زلزلے آتے ہیں، آتش فشان پھوٹتے ہیں، اسی طرح بارہا چاند میں بھی زلزلے آئے، اندرونی حرارت باہر بھی امد چاند بے جان ہو گیا، اشتقاق صرف کسی چیز کے اندر شگاف پڑ جانے کا نام ہے

کے حالات معذات ظاہر ہو سکیں، نام تحریر فرما دیں،

**معارف :-** مجھے افسوس ہے کہ قوم نہایت کا سراغ مجھ سے نہ لگ سکا، مجھے معلوم نہیں کہ

یہ کسی عربی قبیلہ کا نام بھی ہے کہ نہیں، قبائل عرب میں جو معروف ہیں ان میں تو اس نام کا کوئی قبیلہ موجود نہیں بلکہ قبائل کے ہزاروں ناموں میں سے کوئی ایک نام بھی اس سے موسوم نظر نہیں آیا، ہو سکتا ہے کہ نظر کی چوک ہو، اور احوال کرنے سے قاصر رہی ہو، لیکن یہ تحقیق آپ کو کمان سے ہوئی، کہ محمد بن قاسم کے ساتھ یوں میں قوم نہایت کے چند افراد بھی تھے، میری نظر سے ایسی بھی کوئی تصریح نہیں گذری، اگر آپ نے کتب حوالہ میں کسی میں دیکھا ہو تو مجھے بھی مطلع فرمیں، پھر یہ بھی خیال تشریف میں ہو کہ محمد بن قاسم کی فوج میں ہندوستانی سپاہیوں کی بھی نوکریاں تھیں، موجود تھی، علامہ ابن اثیر بلاشبہ ایک ایسی کتاب کے مصنف ہیں، جس میں لفظ نہایت آیا ہے، لیکن جہان یک میں سمجھا ہوں اس کتاب کے نام کو کسی قبیلہ کے نام سے وہ کی نسبت بھی نہیں ہے، علامہ ابن اثیر متوفی ۷۲۸ھ کی کتاب الفہام فی غریب الحدیث سے موسوم ہے، نہایت کے معنی ہیں غایت، پایاں، آخری حد، مثلاً بلغ نہایت یعنی وہ اپنی آخری حد کو پہنچا، جن کتابوں کے ناموں میں نہایت آیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مختلف حیثیات کے لحاظ سے یا جو حقیقت مصنف کے پیش نظر ہے، اس کا نام یہ تصنیف اپنے آخری معلومات رکھتی ہے، علامہ ابن اثیر نے اس لحاظ سے اپنی اس تصنیف کا نام نہایت فی غریب الحدیث رکھا ہے، اس تصنیف میں انھوں نے اس عمدگی کو مشہور کتابوں کو جو اس موضوع پر تھیں، جمع کر کے اس پر مزید اضافے کیے ہیں، وہ دونوں علامہ سردی متوفی ۷۸۸ھ و علامہ موسیٰ اصفہانی متوفی ۸۴۵ھ کی تصنیفات تھیں، انھوں نے پہلے ان دونوں کی حدیثوں کو علحدہ علحدہ جدا گانہ علامتوں کے ساتھ درج کیا، پھر ان پر اپنے اضافے کئے،

علامہ ابن اثیر کی یہ تصنیف اہل علم کے حلقوں میں مقبول ہوئی، چنانچہ علامہ صفی الدین اردوبی

متوفی ۸۲۳ھ نے اس کا ایک ذیل لکھا، پھر علی بن محمد صنوی متوفی ۹۵۳ھ نے اس کا ایک مغرور تیار کیا،

اسی طرح علامہ سیوطی اور ہندی عالم شیخ علی بن حسام الدین معروف بہ المتقی نے اس سے اپنے  
اختصاص تیار کئے،

بہر حال اس کتاب کے نام الہنایۃ کو مسود ذہنی قوم، نہایت سے کوئی علامہ نہیں ہے، کتاب الہنایۃ  
فی غریب الحدیث کی تفصیل اور اس نے درج کی، کہ آپ کو اس تصنیف کو الہنایۃ سے موسوم کرنے  
کی اصل وجہ معلوم ہو جائے، یہ سمجھنا کہ علامہ ابن اثیر چونکہ قوم نہایت سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے یہ کتاب  
اس نام سے موسوم ہوئی، قطعی بے اصل ہے،

یہ علامہ ابن اثیر کے متعلق تحقیق معلوم ہے، کہ وہ نسل شیبانی تھے، قبیلہ شیبان قبائل بکر بن نزل  
میں سے ایک مشہور قبیلہ ہے، علامہ ابن اثیر کی نسبت شیبانی تراجم و طبقات کی کتابوں میں عام طور پر "بنو  
اس نے انھیں کسی مفروضہ قبیلہ سے منسوب کرنا ایک بڑی جسارت ہوگی، اگر سندہ و بلوچستان میں  
کچھ لوگ اپنے کو قوم الہنایۃ سے کہتے ہیں، تو آپ براہ راست ان لوگوں سے طین وہ اپنی قومیت  
کے متعلق جو کچھ کہیں اس کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھیں، اس کے بعد اس کو اپنی زیر تالیف تاریخ نہایت  
میں جگہ دیں، تو پھر وہ بیان لائق اعتماد و استناد ہوگا، ورنہ ذہنی مفروضات اور سخی سانی بالوں  
پر کسی تاریخ کی بنیاد ڈالنا ہمارے نقطہ نظر سے صحیح راہ عمل نہیں ہے، امید ہے کہ آپ اس پر  
غور فرمائیں گے، والسلام

### عقوق والدین

مولوی نظیر احسن صاحب { عقوق والدین کا کیا مطلب ہے، کیا جو کوئی اپنے  
موضع پارہ ضلع مظفر پور { لڑکے کو قاتل کر دے تو وہ لڑکا وراثت سے

مردم ہو جائے گا؟

معارف :- عقوق والدین کے معنی ہیں والدین کی نافرمانی کر کے ان کو آزار دہ

احادیث میں آیا ہے کہ عقوق والدین گناہ کبائر میں داخل ہے آخرت میں ایسی نافرمان اولاد سے سخت مواخذہ ہوگا، بشرطیکہ والدین اور اولاد کے مابین النزاع مسئلہ میں شرعاً حق بھی والدین کے ساتھ رہا ہو، لیکن اس کے باوجود اولاد پر فرض ہے کہ ہر حال میں والدین کی اطاعت و بھائی کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَضَىٰ رَبِّيَ اَلَّا تَعْبُدُوا  
اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ  
اِحْسَانًا اَمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ  
اَلْكِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا  
فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اٰفٌ وَلَا تَنْهَرْهُمَا  
وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا  
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلٰلِ  
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ  
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيْرًا  
وَتَكْبَرًا عَلٰى رِيسَا فِيْ نَفْسِيْكُمْ  
اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاَسْتَسْخِرْ  
كَانَ لِلّٰهِ وَاٰمِنٌ غَفُوْرًا

تھارے پروردگار نے حکم کر دیا ہے کہ  
بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو،  
اور تم مان باپ کے ساتھ حسن سلوک  
کیا کرو، اگر تمھارے پاس ان میں سے  
ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے  
کو پہنچ جائیں، تو ان سے کبھی اُن بھی  
منت نہ کرو، اور نہ اُن کو جھڑکنا، اور ان  
سے خوب ادب کی باتیں کرو، اور ان کے  
ساتھ شفقت سے انکسار کے ساتھ  
جھک رہو، اور یوں دعا کرتے ہو کہ اے  
میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت  
فرما جیسے انھوں نے میرے بچپن میں میری  
پرورش کی، تمھارا چہرہ دروگاہ تمھارے  
دونوں کا حال خوب جانتا ہے، اگر تم  
سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں

پر عفو و رحمت کرنا چاہیے

(نبی اسرائیل علیہ السلام)

سورہ بنی اسرائیل میں جس موقع کی یہ آیتیں ہیں، ان میں مسلسل پندرہ احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کو عطا ہوئے ہیں، دیکھیے کہ پہلے حکم توحید کے بعد دوسرا حکم والدین کے حقوق کی ادائیگی کا آیا ہے، اس سے اس مسئلہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، پھر والدین سے کس طور پر پیش آیا جائے اس کی پوری تصریح کر دی گئی، انصاف ظاہری تو قیور و تنظیم کی ہدایت کی گئی، بلکہ دل سے اطاعت کا قصد رکھنے اور ان کا ادب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، پھر اگر کبھی غلطی تنگ مزاجی یا کسی سبب سے فرگشت ہو جائے تو دل سے توبہ کرنے اور اس پر نادم ہونے کا اشارہ کیا گیا، اور بارگاہِ الہی سے یہ بھی خوشخبری سنائی گئی، کہ ایسے سعادتمندوں کی خطائیں جزا نادم ہو کر رجوع کریں گے، بارگاہِ الہی سے مٹا ہو جائیں گے۔

لیکن والدین کے ان تمام حقوق کے باوجود کسی باپ کی طرف سے کسی لڑکے کو عاق کر دینے کی جو ایک عام اصطلاح ایک خاص معنی میں مسلمانوں کے درمیان رائج ہو گئی ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، کوئی باپ اپنے لڑکے کو اذن معنونین عاق کرنے کا شرعاً حق نہیں رکھتا، اگر کسی نے اپنے کسی لڑکے کو عاق کر دیا، اور عند اللہ وہ لڑکا حق پر ہے، تو آخرت میں اس لڑکے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، پھر باپ حق یا ناقص کسی طور پر ناراضی سے اپنے لڑکے کو محروم الارش نہیں کر سکتا، لڑکے کا حق ارش بجز مرتد ہو جانے کے کسی حال میں باطل نہیں ہوتا، یہ بلکہ اضطرار کا حق شرعی ہے، جو مورث کے قصد و ارادہ کے بغیر بھی وارث کو ملتا ہے، اگر مورث اپنے کسی وارث کے خلاف کوئی وصیت کر جائے، تو وہ وصیت موثر نہ ہوگی، شرعاً ہر مورث کا سترو کہ قصاص دین کے بعد وارث کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے، البتہ اگر مورث نے اپنے لڑکے کو عاق کر کے اپنی جائیداد و مال و متاع کو اپنی زندگی ہی میں کسی دوسرے کو دیدیا، تو یہ مہر کے حکم میں آجائے گا، ترک نہ ہوگا، ورنہ اگر وہ اپنی ملکیت میں اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مرے گا، تو اس کا عاق نہ

لڑکا بھی اپنا حصہ رسد ترکہ میں شریعتاً پائے گا، شرعاً اس کو اس حق سے کوئی بھی محروم نہ کر سکے گا،

والسلام "س"

## محکم خنزیر کی حرمت

مولوی فیظ الحسن صاحب { سورت کا ہر عضو حرام ہے، پھر قرآن مجید میں صرف محکم خنزیر  
موضع پاؤں، وضو، منظر پور، کی حرمت کا کیوں ذکر آیا؟

معارف :- یہ صحیح ہے کہ سور کا بال بال حرام ہے لیکن قرآن مجید میں محکم خنزیر یعنی سور کے گوشت کے حرام ہونے کا ذکر خاص طور پر اس لئے آیا، کہ خنزیر کے اجزاء میں سے کھانے میں زیادہ وہی کام آتا ہے، ذبیحہ میں اصل غرض گوشت ہی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اور دوسرے اجزاء بجا کام آتے ہیں جب اصل کی حرمت ثابت ہو جاتی ہے، تو اس کے ذیل میں دوسری چیزوں کی حرمت آپس آپ ہو جاتی ہے، جیسے قرآن مجید میں حالت احرام میں قتلِ اھیدہ کو حرام کہا گیا ہے، اور اس سے مراد نہ صرف شکار کو مار ڈالنا، بلکہ نفسِ شکار کو نہا ہی حرام ہے، چنانچہ احرام کی حالت میں شکار کو نشانہ لگانا بھی حرام کہا گیا ہے، کہ اس نشانہ کا مدعا تو قتلِ صید ہی ہوگا، اسی طرح سورۃ جمعہ میں جمعہ کی نماز کے وقت خرید و فروخت کرنے کی حرمت کا ذکر آیا ہے، اور اس سے مدعا دراصل ایسی تمام مشغولیتوں سے غلوہ ہو جانا ہے، جو نماز میں عاراج ہوں، اس لئے دراصل کسی شے کے ہم جز کی حرمت کا ذکر کر کے تب اس ذیل کی ساری چیزوں کی حرمت مراد لے لی گئی ہے،

"والسلام" "س"

## حیاتِ شبلی

علامہ شبلی رح کے سوانح حیات اور علمی و علمی کارنامے، صفحات ۴۶۶ صفحہ، قیمت لیبر غیر مجلد سے

مینجر



# اگتسیا

## عرض حال

بھنور خواجہ کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحيات

از جناب طاہریت

اے کہ تیرا وجود ہے شمعِ منازلِ حیات  
عرش سے لیکے فرش تک تیری ضیاء جلوہ با  
تیرے سبھی تشخصات عینِ حدودِ شرع ہیں  
آنِ عرب کے طنطی تیرے جلال کا ظہور  
تیری گلی میں یا بنی جس کا گزرا کبھی  
تیری تجلیات میں عکسِ فروغِ ذات ہو  
سحرِ یفوت مٹ گیا قدرِ یوق گھٹ گئی  
اُعلٰی ہیل کے نذرِ خوانِ محوین ذاتِ بخت  
اس کی بھی ایک ایک تخت کی عمر کی ہسری کر  
چہرہ ترا ہے والضحیٰ زلف تیری ادا سچی  
تیرے ہر ایک قول پر لگ گئی ہر علامت

تجھ سے ہی مستنیرِ حسنِ جمالِ کائنات  
شرق سے تا مغربِ بین تیری ہی سب تجلیات  
شرحِ بطونِ ذات میں تیرے سبھی تعینات  
شانِ عجم کے ہمے تیرے جمال کی نکوت  
نضر کی طرح پا گیا جادوِ چشمہ حیات  
تیرے ترعات میں پر تو کثرتِ صفات  
ہو گیا تارِ سب جادوے عابدانِ لات  
اُن کے تقورات ہیں، مرکزِ صد تجلیات  
تیرے جمال کی جھلک دیکھ جو پائے سونات  
چشمِ تری و ما طفی دجی خدا ہی تیری بات  
تا بہ اید بچائے اب کوئی نہ دامِ تر بات

رنجت در ہبت و حیل پیدا کر کے نفل      تیرے ہر اک غلام کو بخش دیا گیا نبات  
 تیرے قدم کی خاک ہے سر نہ چشم اویا      نھنصر ایک تجھ پہ ہے دونوں جہان کی نبات  
 ہاتھ میں ہے واسے حمد سر پہ تاج انما      پھر نہ ہوں کس طرح محفل ہر دوسر کی شکست  
 بابِ کرم بھی باز ہے لطف بھی چار سار ہر      حشر ملک و راز ہے سلسلہ نوازیشت  
 بندہ آستانِ ترا مروجِ بلا میں ہے گہرا      ٹوٹ پڑے غریب پر دورِ فلک کے حادثات

گو دہ گنا بھگا رہے تیرا ہی جان نثار ہے  
 اُس کے بھی حالِ زار پر بذلِ ہون کچھ تو جاتا

## کیفِ اضطراب

از جناب آؤر گرامانی

تڑپ ہے درد ہے فریاد و آہ و شور و فغان      اک اضطرابِ مسلسل فقط ہے عمر و دان  
 تعینات سے آگے ہے شوق کی منزل      نہیں ہیں اہل جنوں تابعِ زمان و مکان  
 ہر ایک بات میں مغرب سے استناد نہ کر      یہ علم و فن یہ سیاست ہے کارِ ہر زمان  
 تیرا فیسرِ عنادی نے کر دیا مرد      و گو نہ بندہ مومن ہے صاحبِ دو جہان  
 خودی کی جلوت و خلوت کی واردات نہ ہو      حدیثِ رندی و مستی نہیں رہیں بیان  
 جہان فریبِ خودِ لا الہ الا اللہ      وہی نظر سے نماں ہے وہی نظر پر عیان  
 نصیبِ اہلِ وفا سوز و ساز و دورِ دُراق      سکونِ قلبِ میرے مجھے یہاں نہ وہاں  
 خدار کے تیرا یمخانہ تا ابد ساقی      حقیقتیں نظر آتی ہیں بے حجاب بیان

غریب تر ہیں مقاماتِ بے خودی آؤر  
 اب آرزو نہ تمنا نہ فکرِ سود و زیان

## مطبوعات جدیدہ

مسلمانوں کے تئزل سے { از مولانا سید ابوالحسن علی اسحاق ندوۃ العلماء لکھنؤ: قلعہ چھوٹی  
دنیا کو کیا نقصان پہنچا { ضخامت ۳۳ صفحہ، گناغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۰  
پتہ: مکتبہ اسلام گورنمنٹ روڈ، لکھنؤ

لَا اِنَّمَا مَصْنُوعٌ دین و ملت کی جو قلمی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس سے اہل علم پوری طرح واقف ہیں، اند کو وہ بلا کتاب بھی ایک اہم اور دقیق قلمی خدمت ہے، اس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ اسلام ساری دنیا کے لئے ہدایت بن کر آیا تھا اور اس نے زندگی کے نصب العین اور دین و دنیا کے بارے میں قوموں کے تصورات اور ان کے عقائد و اعمال میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور جب تک دنیا کی سیاسی قیادت کی ہاگ مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہی، وہ اس کے پاس بان رہے، اور مذہب و اخلاق کے اثرات دنیا میں باقی رہے، اور مائیت کا سیلاب پھیلنے نہ پایا، مگر ان کے زوال کے بعد جب مغربی اقوام نے ان کی جگہ لی، تو پھر وہی پرانے جاہلی تصورات لوٹ آئے، اور پچھلے سے زیادہ خطرناک شکل میں دور جاہلیت کی وحشت اور اخلاقی پستی متنی نمایاں تھی کہ اس سے بچنا زیادہ دشوار نہ تھا، لیکن اس جدید جہالت کے چہرہ پر علم و تمدن کی تڑپ نقاب پڑی تھی، اس نے اس کا سچا پنا بھی شکل تھا، اور وہ یورپ کے مالگیر اقتدار کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئی، اس سلسلہ میں مصنف نے یورپ کی پوری مذہبی اور تمدنی تاریخ کھنگال ڈالی ہے، اور تاریخی شواہد سے دکھایا ہے کہ مغربی تمدن کی بنیاد یونان اور روم کی قدیم تہذیبوں پر تھی، جو سراسر مذہبی تھیں، اس نے ابتدا ہی سے اس میں خرابی کی صمدت مغموم تھی، اس کے بعد اس میں جو تغیرات و انقلابات ہوئے

وہ ایسے حالات میں ہوئے کہ اس کا قدم مادیت ہی کی طرف بڑھتا گیا، عیسوی مذہب غرور اس راہ میں غمانگیز ہو سکتا تھا، لیکن اولاً رومیوں کے اثر سے اس میں بھی بت پرستی کے اثرات پیدا ہو چکے تھے، پھر پال نے اس کو منسوخ کیا، اس سے بھی برس نتائج مذہب میں افراط و تفریط نے پیدا کئے اور خلافتِ نطرت رہبانیت کے رد عمل نے اربابِ کلیسا کو انتہا درجہ کا عیش پرست اور دنیا دار بنا دیا، اور مذہبی اچاہہ داری کے ساتھ وہ دنیاوی حکومت پر بھی طبعی ہو گئے، اور اپنے دور اقتدار میں انھوں نے بڑی سفاکیاں کیں، اسی زمانہ میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی علمی ترقی کا آغاز ہوا، اس راہ میں بھی کلیسا نے مذہب کی آڑ لے کر مزاحمت پیدا کی اور علماء و محققین پر بڑے مظالم ڈھائے، بالآخر ان کی زیادتیوں کی وجہ سے ان کی عام مخالفت شروع ہو گئی، کلیسا کا اقتدار ختم ہو گیا اور ان کی تنگ نظری کی وجہ سے مغربی قومیں سرے سے مذہب ہی کے خلاف ہو گئیں اور انھوں نے جدید تمدن میں مذہب و روحانیت کو کوئی جگہ نہیں دی، اور اس کی تعمیر خالص مادی اصولوں اور نظریوں پر ہوئی، اور اس کا مقصد صرف مادی ترقی و حصولِ دولت، دنیاوی ماحول و آرائش کے سامان کی فراہمی اور ان سے متنت قرار پایا جس میں خدا شناسی، محاسبہ آخرت کے تصور اور اخلاق کا کوئی حصہ نہ تھا، اس لئے اس تمدن کی ترقی کے ساتھ ماہ پرستی عام ہوتی گئی، اور سائنس و حکمت کے انکشافات بھی جو اس تمدن کے بڑے برکات سمجھے جاتے ہیں انسانوں کے لئے رحمت کے بجائے ان کی ہلاکت و بربادی کا سامان بن گئے، زندگی کے اس مادی نسب المعین اور غوغوغری اور نفس پرستی نے وطنی و نسلی برتری کا جذبہ اور جزائی و نسلی وطنی اور قوم پرستی کے بت پیدا کئے جس سے قوموں میں ایک عالمگیر کشمکش شروع ہو گئی، اور یہ ساری خرابیاں مغربی اقوام کے سیاسی اقتدار اور مغربی تہذیب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئیں، مذہب و اخلاق کا درس بالکل فراموش اور خود شناسی اور خدا شناسی اور اس کے اثرات و نتائج کا بالکل غائب ہو گیا، اور اس کی جگہ نفس پرستی نے لی یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خاکہ ہے، ان کی اصلی خوبی اور مصنف کی نکتہ سنجی کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، گو یہ معلومات نئے مبین ہیں لیکن لائقِ مصنف نے جس

ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا ہے، اور ان سے جو نتائج نکلائے ہیں، اس نے اس کتاب میں بڑی مذرت پیدا کر دی ہے، اس نقطہ نظر سے اردو میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، انداز بیان موثر اور دل آویز ہے، یہ کتاب اپنے گونا گون محاسن کے اعتبار سے بلا امتیاز مذہب و ملت اور قدیم و جدید ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی جزا سے خیر دے،

محمد بن عبد اللہ لوہاب از مولانا مسعود عالم ندوی، تقطیع بڑی ضخامت ۲۱۴ صفحے، کاغذ کتابت و

طباعت بہتر قیمت: چار روپے دارالاشاعت نفا، تھانہ حیدر آباد دکن،

گیارہویں صدی ہجری کے آخر میں عموماً دنیا سے اسلام سے اسلامی روح رخصت ہو چکی تھی، ہر ملک و زمین سے غفلت اور بدعات و اوہام عام تھے، حتیٰ کہ اسلام کا سرچشمہ عرب بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اس کی تجدید و اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرزمین نجد میں ایک مرد مومن محمد بن عبد اللہ کو پیدا کیا، جنھوں نے اس ماہ میں قحط اور تلوار و دونوں سے جہاد کیا، ابتدا میں ان کو بڑی دشواریاں پیش آئیں، لیکن پھر رفتہ رفتہ ان کی دعوت پھیلنے لگی، اور نجد کا حکمران خاندان آل سعود ان کی دعوت قبول کر کے ان کا پشت و پناہ بن گیا، اس سے مسیح کے کام میں بڑی مدد ملی، اور ان کی وفات کے وقت تک نجد اور اس کے قریب حجاز میں ان کی دعوت پھیل گئی، مسیح کی وفات کے بعد ان کے لائق جانشینوں اور ان کے اتباع نے بھی ان کے مشن کو جاری رکھا، اس زمانہ میں بدعات عام تھیں، کوئی طبقہ بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اور یہ دعوت ہنر کے خلاف پڑتی تھی اس لئے عربین کے علماء و مشرکین نے اس کے خلاف ہو گئے، اور ان میں اور آل سعود میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، جن میں انجام کار آل سعود غالب آئے، اور حجاز پر ان کا قبضہ ہو گیا، اور ان کا اقتدار ایک طرف شام اور دوسری طرف عراق اور خلیج فارس تک قائم ہو گیا، خلیج فارس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت تھی، اس سے بھی آل سعود کا تصادم ہوا، ان کی مدد افزوں قوت عثمانی حکومت کے مفاد کے خلاف پڑتی تھی، اس لئے اس نے محمد علی پاشا خدیو مصر کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، انھوں نے

محمد دہجہ زودنون پر قبضہ کر کے سعودی حکومت کا خاتمہ کر دیا، اس کے ساتھ ہی یہ دعوت بھی رگ گئی، شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کے متبعین عقائد کی صحت اور رد و بدعات میں بڑے تشدد دیکھے، اور اس میں ان کی مسامحت بھی ان کو گمراہ نہ تھی، اسی تشدد کی وجہ سے بعض افعال ایسے سرزد ہو گئے، جو گونا گونا گویا حقیقت کو صحیح تھے لیکن عام مسلمانوں کے جذبات پر اس کا برا اثر پڑا، اور ان کے مخالفین کو انہیں بدنام کرنے کا موقع مل گیا، اور انھوں نے ان کی جانب غلط عقائد منسوب کر کے انکو مسلمانوں کا دشمن منسوب کر دیا، ان کے تشدد کی وجہ سے لوگوں کو اس کے یقین کرنے میں اہل نہ ہوا، اور ان کی جانب سے ایک عام غلط فہمی پھیل گئی، جن کا کچھ نہ کچھ اثر اب تک باقی ہے، لائق مصنف نے اس کتاب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کے حالات ان کی دعوت اصلاح کی دینی حیثیت اور اس کی تبلیغ میں شیخ کی زندگی سے لے کر آل سعود کے خاتمہ تک جو واقعات پیش آئے، ان کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور شیخ اور ان کے اتباع کی کتابوں سے ان کے عقائد بیان کر کے ان کے متعلق غلط فہمیوں کی پوری تردید کی ہے، اور شیخ کی تعانیف کا مختصر ذکر کیا ہے، اردو میں شیخ محمد بن عبد الوہاب اور ان کی دعوت کے متعلق صحیح معلومات کم ہیں، یہ پہلی کتاب ہے جس میں پوری تحقیق و تفصیل سے اس کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، اور اس کے تمام اہم اور ضروری پہلوؤں پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، مصنف ایک کلمہ شوق اور صاحب نظر اہل قلم ہیں، اس لئے یہ کتاب مسئلہ تلاش تحقیق اور ترتیب و انداز بیان ہر حیثیت سے قابل قدر ہے، لیکن باجی مصنف کے خیالات کی شدت نمایاں ہے،

ہمارا قائد، از جناب محمد احمد خان صاحب ایم اے عثمانیہ تقیہ اوسط حضرات ۱۲، ۱۳ صفحہ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر ایت محمدیہ - عاریہ قائمہ لکھنؤ کی فیض قائمہ حیدر آباد دکن، نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی ایک سوانحوی اس پہلے قائد ملت کے نام سے شائع ہو چکی ہے، جس پر ساری میں یو ہو چکا ہے، دوسری سوانحوی ہے جو قائد ملت اکیڈمی کی جانب سے شائع

ہوتی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف برسا برس تک قائدانہ فرائض کے بہرہ و ہم جلس رہے ہیں اور ان کی زندگی کا ہر پہلو ان کی نگاہ کے سامنے رہا ہے اس لئے یہ کتاب قائدانہ فرائض کی زندگی کا سب سے زیادہ مستند مرتع ہے اس میں ان کے حالات و صفات و خصوصیات اور ان کے مذہبی و ملی کاموں کا اجمالی ذکر اور ریاست حیدرآباد سے متعلق مرحوم کی خدمات کی تفصیل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف انھوں نے حیدرآباد کے مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا کی دوسری طرف ایسے نازک دور میں جب کہ ریاست کی مخالفت تین آئینی جوبوں اس کی قدیم حیثیت کو بدلنے اس کے اقتدار کو گھٹانے مسلمانوں کی سیاسی برتری کو توڑنے کی کوشش میں تھیں اور ارکان حکومت تک ان کے اثر میں آگئے تھے، مرحوم نے بڑی جرات اور دانشمندی سے اس خطرہ کو دور کیا، ان کے خدمات دکھانے پر گونا گون ہیں، اس کتاب سے ان کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے، انداز بیان دلکش اور نشانہ پر دازانہ ہے،

**مقالات یوم اقبال**، مرتبہ جناب آل احمد صاحب سرور قطع بڑی ضخامت ۷۰ صفحہ کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ غائبانہ کالج رامپور سے ملے گی،

غائبانہ کالج رامپور کے یوم اقبال، اپریل ۱۹۳۵ء میں جو مقالات پڑھے گئے تھے، ان کا مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مضامین ہیں، خطبہ صدارت پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، خطوط میں شخصیت کا اظہار آل احمد صاحب سرور، اقبال اور ابن عربی محمد عبدالسلام صاحب سر محمد اقبال میری نظریاتی عطا الرحمن صاحب فلسفہ اقبال کے بعض مسائل مسعود حسین خان صاحب، اکبر و اقبال نور محمد صاحب ایم اے، اقبال کا تصور عشق حسرت علی الدین صاحب شمس منوہ نامہ علی مرحوم کی انشاء پر دازی مفتی بشیر الدین صاحب ایم اے اس مجموعہ کے اول الذکر تینوں مضامین خاص طور سے مفید اور پڑھنے کے لائق ہیں، رشید احمد صاحب نے اپنے خطبہ میں اقبال کی شاعری اور تعلیمات کی روح اوس کے بنیادی پہلو اور اس کے مفید نتائج پر مہر آنکھ ڈالی ہے اور اقبال کی شاعری کے مافذ اس کی اسلامیت اور تضاد

خیال کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے وجدانی نگر نہایت صحیح جوابات دیئے ہیں اس مرد صاحب نے غالب، سرسید، حالی، شبلی، اکبر الیم جہی، مولانا محمد علی اقبال، اور نیاز فتح پوری کے خطوط کو مضامین سے ان کی زندگی کا عکس دکھایا ہے، ناقد مبصر نے ان خطوط کے متعلق نہایت صحیح رائے ظاہر کی ہے جس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں، مضمون گو مختصر ہے لیکن مضمون نگار کی جدت اور نکتہ سنجی کا نمونہ ہو، علامہ صاحب کا مضمون گو بہت عالمانہ ہے لیکن خشک اور دقیق ہے، اور اس سے مخصوص اشخاص ہی لطف اٹھا سکتے ہیں، باقی مضامین بھی ناگہ سے خالی نہیں،

لابا حوتی اسرارِ اندر سرور پ بھٹنا کر قطع چھوٹی جہانمت ۲۱۲ صفحے، نگار کتاب و طباعت بہتر،

مجلد قیمت معلوم نہیں، پتہ: مصنف نمبر ۲۵، تعلق روڈ نیوی دہلی سے ملے گی،

نذر کوہ بالا کتاب ڈاکٹر سر اسرارِ اندر سرور پ بھٹنا کر کے اردو کلام کا مجموعہ ہے، مصنف ہندوستان کے

ان مایہ ناز علماء طبعیات میں ہیں جن کی تحقیقات و انکشافات اس فن میں یورپ کے بڑے بڑے

علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ وہ ایک قادر الکلام اور نکتہ سنج شاعر بھی ہیں

طبعیات کے خشک مسائل اور شاعری کی رنگین خیالی دنیا میں ایک طرح کا برسر ہے، لیکن مصنف

سلف حقیقت اور مجاز دونوں کو ملا دیا، پھر ان کی شاعری محض قافیہ پیمائی اور گل و بلبل کا افسانہ نہیں بلکہ ظاہری

حیثیت سے حسن بیان کی تمام لطافتوں سے آراستہ اور منوہی حیثیت سے حکیمانہ خیالات پر مشتمل ہے، پچانچ اس جگہ

میں مختلف قلبی و دماغی اختلافی حکیمانہ خیالات اور مختلف قومی و ملی جذبات پر پاکیزہ نظریں ہیں، لیکن خشک خشک

موضوع میں بھی لطف بیان کا وہ اس بات سے نہیں چھوٹا جو مصنف کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ وہ غالب کے

شاگرد رشید فشی برگر پال ثقہ کے نواسے ہیں جنہیں مرزا نے محبت سے مرزا ثقہ لقب دیا تھا، مکاتیب میں ان کے

نام بہت سے خطوط ہیں جن سے ان کے ساتھ غالب کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے شاعری گویا سر اسرارِ اندر

کی مدد و نواہی دولت ہے، اس لئے یہ مجموعہ ہر حیثیت سے اصحابِ ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے، "م"



# جلد ۵ ماحرم الحرام ۱۳۶۶ء مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۶ء عدد ۶

## مضامین

شذرات شاہ معین الدین احمد ندوی، ۴۰۲، ۴۰۱

## مقالات

- خطبہ اسنادیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء سید سلیمان ندوی ۴۰۵، ۴۱۰  
 مجتہد ملت اور قومیات و سیاسیات حاضرہ جناب مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی ۴۲۰، ۴۳۹  
 فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مؤلفین، جناب مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ۴۴۰، ۴۵۳  
 ندوی رفیق دارالمنظفین، ندوی رفیق دارالمنظفین،  
 دو ایاب کتابین، جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب مدنی ۴۵۴، ۴۶۱  
 سندھی رسم الخط کی تاریخ، سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے، ۴۶۳، ۴۶۶  
 خاتمہ بحث سود و قمار وغیرہ، مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۴۶۸، ۴۶۹  
 صدر شعبہ وینیات عثمانیہ یونیورسٹی، صدر شعبہ وینیات عثمانیہ یونیورسٹی،

## استفسار

- ”مفتاح الافلاح“ ”م“ ۴۶۰، ۴۶۳  
 جزئی نفیثیت کا مفہوم و مقصد ”س“ ۴۶۳، ۴۶۵  
 مطبوعات جدیدہ ”م“ ۴۶۶، ۴۸۰

ضروری تصحیح ص ۴۶۳ سطر اٹھارہ تین ۱۱۵۱ء غلط ہے، کے بعد یہ عبارت چھوٹ گئی ہے، اصل عربی عبارت میں صفر ۱۱۵۱ء ہے اور یہی صحیح ہے۔



مجبور دیکس عورتوں اور شیر خواروں کا جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا اہل مسلمانوں کی بستیاں جس طرح خاک میں مٹی ملائی گئیں، اس کی مثال وحشی و زہر نر کے سوا انسانوں میں نہیں مل سکتی، اور یہ قتل و غارتگری جس تیار و دوست اور غلام کے ساتھ ہوئی، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ ہمارے مسلمانوں کو بالکل پست و پامال کر کے بزور ہاتھ سے اپنی قوت کا لوہا منوایا جائے، اور مستزاد مستند اطلاعات کی بنا پر یقین کے ساتھ کہنا جاسکتا ہے، جو کہ اس قتل عام میں ہمارے کئی سینکڑوں جماعت اور کانگریس کے مقامی لیڈروں کا بھی ہاتھ شامل تھا اور حکم نے بھی غفلت کا مہیا، حکومت کے نشہ اقتدار کے سوا اس کی کیا توجیہ کی جاسکتی ہے، اگر آزاد قومی حکومت کا نمونہ یہی ہے، تو اس سے مسلمانوں کی بدگمانی کیلئے بجا ہے،

————— > . x . < —————

کانگریس کی آئینی و دستوری حیثیت سے بحث نہیں لیکن چند متشی افراد کو چھوڑ کر اس پر جس قسم کی ذہنیت کی جماعت کا غلبہ ہے، اس کا اندازہ ان اشتعال انگیز تقریروں سے ہو سکتا ہے، جو کانگریس پلیٹ فارم سے مسلمانوں کے خلاف ہوئیں، اور جن میں علانیہ ہندوؤں کو ان کے خلاف اُبھارا گیا، ہمارے واقعات نے اس ذہنیت کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا ہے، اس پر طرہ یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ کم از کم کانگریسی لیڈروں کی جانب سے ان دخیانہ واقعات پر متفقہ ملامت اور اس سے اظہارِ بیزاری کیا جاتا، اگلے ان کی اہمیت کو گھٹانے اور ان کی پردہ پوشی کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے بعد کانگریس کا مشترکہ نمائندگی کا دعویٰ کمان ایک صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے،

————— > . x . < —————

اگر کانگریسی لیڈروں کی یہی ذہنیت قائم رہی، اور کانگریس نے اپنی ذمہ داری کا احساس اور نیند کے ٹوکے قسم کے واقعات کا پورا افسانہ نہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ، اس کا خاتمہ، انگریزوں کی دائمی غلامی یا قیام پاکستان، اس نے کہ مسلمانوں سے اتحاد اور ان کی مدد کے بغیر آزادی کا تصور ایک خیالِ خام ہے، اور اگر لیگ کے مجوز پاکستان کی مخالفت بھی کی جائے تو بھی ان حالات میں جہاں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔ وہاں سے وہ دوسرے مقاموں پر منتقل ہونے کے لئے مجبور ہونگے جیسا کہ ہمارے میں شروع ہو گیا ہے، اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پاکستان قائم ہو جائیں گے،

————— > . x . < —————

ہمارے واقعات ایسے دردناک ہیں، کہ ان سے ان نیشنل مسلمانوں کے دلوں پر بھی چوٹ لگی جو

صرف وطن کے بت اور آزادی کی دیوی کے پیاری بہنیں ہیں بلکہ اپنی قوم کا بھی درد رکھتے ہیں اور اس کی عزت و وقار کے لئے وہ آزادی کے طلبکار ہیں اپنا کچھ بعض نے علانیہ اور بعض نے بیخ پر ایہ ہیں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کانگریسی لیڈروں کو دلوں کی کھوٹ اور ان کے اصلی منصب کی جانب توجہ دلائی،



کاش ہمارے واقعات سے مسلمان یہ سبق حاصل کرتے کہ وہ اپنی اندرونی تنظیم اور قوت مدافعت پیدا کرنے باعزت زندگی بسر نہیں کر سکتے، ورنہ سیاسی حقوق تو الگ رہے ان کا جینا بھی دشوار ہو جائے غائبے جان جسم تاج شاہی بھی نہیں سنبھال سکتا، اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ تمام اسلامی جماعتیں سیاسی اختلافات سے قطع نظر کر کے مسلمانوں کی تنظیم کے مسئلہ میں متحد ہو کر عملی کام شروع کر دیں اسب سے بڑی جماعت مسلم لیگ ہے اس لئے اس پر یہ فرض سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے ورنہ محض سیاسی مذم زرائع اور تیش زبان کی تابانی مسلمانوں کو نہیں بچا سکتی جب تک بازو و لہجہ میں حفاظت کی قوت نہ ہو،



جامعہ ملیہ کی جو بی مین مینوں سے شرکت کا معہم ارادہ تھا، اور سفر کی پوری تیاری ہو چکی تھی، کہ عین موقع پر ایسے موانع پیش آ گئے کہ رخصت سفر باندھ کر کھول دینا پڑا جو بی ایسے ناموافق حالات میں ہوئی جب کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل تھی اور لوگوں کا اپنی جگہوں سے بھٹنا شغل تھا لیکن اخبارات کی اطلاعات اور جو بی مین شرکت ہونے والے احباب کی زبانی معلوم ہوا کہ ان موانع کے باوجود جو بی مین شرکت سے کامیاب رہی اس کے اجتماع میں بہت کم فرق آیا، اور ہندوستان کے اکثر اکابر اور مختلف طبقوں اور جماعتوں اور ہر مسلک و خیال کے اشخاص نے جو بی مین شرکت کی اور جامعہ نے متفاد و عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے، ہم خرم شیخ اجماع اور کارکنان جامعہ کی خدمت میں اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں



جامعہ مسلمان نوجوان کا پہلا سنجیدہ اور ٹھوس کارنامہ ہے، اس کی کامیابی کا راز اس کے کارکنوں کا ایمان و اخلاص، اشتراک عمل اور ان سب سے بڑھ کر شیخ اجماع کی شخصیت جامعہ ہے جن کی کشش و جامعہ کا نظام شمس قائم جامعہ اپنی عمر کی کھن نہر میں طے کر چکی اب اس کے سکول اور طینان کا دور ہو لیکن یہی سب سے زیادہ نازک ہوا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے خطرات سے محفوظ رکھے اور جامعہ ملیہ کو ملک و ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور ان میں مقبول بنائے،

# مقالات

## خطبہ اشاعتیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء

هُوَ الشَّافِی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دو تین برس ہوئے کہ طیبہ اسکول پٹنہ نے مجھے اپنے جلسہ تقیم اشاعتیہ کا خطیب منتخب کیا تھا۔ مگر افسوس کہ میں اپنی حالات کے سبب سے شریک جلسہ نہ ہو سکا آئندہ سال پھر یہ موقع آیا تو پھر میں نہ جاسکا اور یہ خطبہ یوں ہی پڑا، اب چونکہ میرے حالات کے لحاظ سے آئندہ اور بھی وقت ان کاموں کے لئے نہ مل سکے گا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دفعہ کو وقت عام کر دیا جائے۔

”سید سلیمان ندوی“

طب سے یہ اخاندانی تعلق | حضرات! آپ نے دعوت دی تھی میں نے قبول کی، اس آسانی قبول کی وجہ یہ کہ تو وطن کا رشتہ تھا، دوسرا یہ خیال کہ شاید اس ذریعہ سے کچھ مفید باتیں کانوں میں پہنچ جائیں، تاہم اس مناسبت کے وجہ پر غور کرتا رہا کہ طیبیوں کے بھرے فوج میں ایک غیر طیب کہ دعوت کیوں دی گئی، آپ کے سابق خطیب اسناد ڈاکٹر حسین صاحب کی طرح تو نہیں کہہ سکتا کہ ڈاکٹر کی شہرت نے طیبیتوں میں شامل کر دیا، کیونکہ مجھے ڈاکٹر بنے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے، اور اُس نے نام کے جز کی حیثیت حاصل

نہیں کی ہے تاہم اس دعوت میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کا استحقاق گوداتی طور سے مجھے حاصل نہیں،  
 لیکن موروثی استحقاق حاصل ہے یعنی میرا تعلق اس صوبہ کے اُس خاندان سے ہے جس نے ایک صدی سے  
 زیادہ اس فن شریف کی خدمت کی ہے، میری ناناں میں غالباً اخیر شاہی زمانہ سے یہ فن باقی ہے، ادریس  
 دایہاں میں ۱۲۵۰ء سے جو میرے جد امجد کی تحصیل طب کا زمانہ ہے ۱۲۳۶ء تک جو میرے بڑے بھائی  
 مرحوم کی وفات کا زمانہ ہے سو برس تک اس فن کی خدمت ہوئی، میرے والد ماجد کے اموں نے عذر  
 پہلے دہی و اگرہ کے اطباء سے تحصیل کی اور نواب امیر علی خاں بارہہ کے توسط سے واجد علی شاہ کے ساتھ  
 کچھ دن گزارے اور پھر بہار میں بیٹھ کر آج سے سو برس پہلے مطب کیا اور فیکرانہ صورت میں امر اور دوسار  
 قبولیت حاصل کی، میرے نانا مرحوم نے غالباً فیض آباد جا کر طب پڑھی دادا مرحوم نے طب کی تعلیم اسی عظیم  
 پٹنہ میں قاضی القضاۃ قاضی محمد وحید الدین خاں کے یہاں رہ کر حکیم خواجہ عبید اللہ شاہ جہان آبادی اور  
 حکیم اسلم مرحوم عظیم آبادی سے ۱۲۳۶ء سے ۱۲۵۴ء تک حاصل کی اور پہلے بہار میں شاہ انظر حسین صاحب  
 کے مکان پر ۱۲۵۲ء میں مطب کھولا اور پھر شیخ پورہ جا کر ۱۲۵۸ء میں نوابان حسین آباد و روساے شیخ پورہ  
 کے اصرار سے مطب قائم کیا، اور جہاں انھوں نے ۳۰ سال تک جو انکی وفات کی تاریخ ہے ان اطراف میں فن  
 طب میں وہ ناموری حاصل کی کہ اب تک اس دیار میں ان کا نام روشن ہے، کیا ہوتا ثانی بقراطہ و اسطفا  
 ان کی تاریخ وفات ہے، جو نواب محمد علی خاں صاحب حسین آباد کی یادگار ہے۔

والد مرحوم نے طب کا آغاز اپنے والد ماجد سے ۱۲۶۶ء میں کیا اور کمال ہو کر دوسرے اسلام پورہ و پٹنہ کی  
 قدروانی سے ۱۳۲۰ء تک اس فن کی خدمت میں مصروف رہے، بڑے بھائی صاحب نے اسی پٹنہ میں حکیم نعیر علی صاحب  
 سے طب پڑھی اور مرتے دم تک سنی ۱۳۲۶ء تک اسی کام میں لگے رہے، میرے چچے حکیم بیات حسین صاحب مرحوم حکیم بہار  
 صاحب جھوائی ٹولہ کھنڈ کے شاگرد تھے جو موجودہ حکیم عبدالعزیز صاحب کھنڈی کے دادا تھے،

میرے دادا کے نانا حکیم سید خادم حسین صاحب بھی نامور طبیب تھے، دادا صاحب لکھتے ہیں،

جد امجد طیبِ حاذق بود      میر خادوم حسین متقی بود

بے شک و شبہ آں طیبِ من      عالمِ طب و ماہرِ سہرِ فن

ان کے صاحبزادے حکیم کاظم حسین بھی طیب تھے، اور درجہ علی شاہ کے مبارک میں جا کر گشتِ فیض کیا تھا میرے بڑے چھوٹا حکیم ذرا احسن نے پٹنہ میں تفصیل کی اور استھاواں میں پچاس ساٹھ برس تک طب گرم رکھا، اور اسی حد اقل دکھائی کہ ان اطراف کے لوگ آج بھی شاہد ہیں، ان بزرگوں کے قلمی اور مطبوعہ متروکات اور سیفینے اب تک موجود ہیں، دوران کی اس امانت کی حفاظت کی سعادت اس ناپجز کو حاصل ہے، یہ تفصیل اس موقع پر گویے محل ہو لیکن اس لئے کی گئی تاکہ ایک نابل کی ذاتی نااہلیت پر بزرگوں کی اہلیت سے پردہ پڑ جائے،

مگر چہ خردیم جنبہ است بزرگ

ایک گاؤں سے صوبہ کا قیاس | اس ذکر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جب بہاؤ کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں طبی چل پہل اور روشنی کا یہ عالم تھا تو پورے صوبہ نے اس کی جو خدمت کی ہوگی اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ طب کا آغاز | طب عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اصلی معنی جھاڑ پھونک اور سحر و جادو کے ہیں، عربی شاعر کہتا ہے، ولا انا مطبوبٌ بمکحولتی علیہا، یعنی میں محبوب کی سرگین آنکھوں کے جادو میں نہیں مبتلا ہوں، گویا مطبوب سحر کے معنی میں ہے، یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس فن کا آغاز ابتدائی قوموں میں جھاڑ پھونک، ٹوٹکے اور جادو منتر سے ہوا، آخر زمانہ کی رفتار کے ساتھ تجارت اور قیاسات نے اوہام و تخیلات کی جگہ لے لی، یہاں تک کہ آج یہ ستر یا بتجربات اور دلائل عقلی و طبعی پر مبنی ہے، عربوں میں بھی یہ فن اسی طرح شروع ہوا اور بڑھا، عرب کا پہلا تجربی طیب حارث بن کلدہ سمجھا جاتا ہے جو اسلام کے آغاز میں تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ طب روحانی کے ساتھ طب جسمانی کا مطب بھی قائم کر دیا، محدثین نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں جو کچھ پایا اس کو طب نبوی کے نام سے الگ جمع کر دیا۔

چنانچہ ساتویں صدی میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کا ایک مستقل طویل باب باندھا ہے،  
طبی تراجم | مسلمانوں میں غیر قوموں کے طبی تجربوں سے استفادہ کا آغاز وہ لت بنو امیہ کے آغاز سے  
ہوا جس کا دار الحکومت دمشق تھا، اور جہاں یہودی و عیسائی طبیب موجود تھے، جو یونانیوں کے  
خوشہ چین تھے سب سے پہلے حکیم ابن آنال نے امیر معاویہ کے زمانہ میں یونانی طبی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا مگر ان کے زمانہ  
ماسر جو یہودی نے یونانی طبیب اقص ہرون کے کناش در سفینہ کا ترجمہ عربی میں کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے  
پہلی صدی کے خاتمہ پر اس سفینہ کو پریک کے فائدہ کیلئے عام کیا، سب سے پہلا شفا خانہ عبدالملک نے اپنے زمانہ میں  
قائم کیا، عباسی خلفاء نے اپنے دور میں اس فن کی ترقی کا شاندار دور پیدا کیا، ایک طرف ہندوستان  
کے وید اور دوسری طرف یہودی و عیسائی اطباء کو جو سریانی و یونانی زبانوں کے ماہر تھے یکجا کیا اور تیسری  
طرف جندیسا پور کے ایرانی طبیبوں کو بغداد آنے کی دعوت دی،

طب اسلامی یونانی نہیں | اسی ایک واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے علم طب کو یونانی کہنا نہایت  
زیبا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج یورپین طب کو اس لئے عربی کہا جائے کہ عربی زبان اور عربی طبیبوں  
کی کتابوں پر اس کی بنیاد لی گئی تھی، اور مسلمانوں کا شہر اس کا پہلا مقام تھا، اس نظر پر ایک اور حثیت  
سے نظر ڈالئے ہماری طب میں جو دوائیں زیر استعمال ہیں ان کے زاد و بوم کی تحقیق یہ ظاہر کر دے گی کہ  
اس طب کو دنیا بھر کے تجربہ نگاہوں سے یکساں تعلق رہا ہے، عرب اگر اس کا مولد، شام اس کا نشا  
عراق اس کا گہوارہ، مصر اس کا بازیگاہ، اور اسپین اس کا مرغزار رہا، تو دوسری طرف ترکستان اس کی  
سیرگاہ ایران اس کا تجربہ گاہ اور ہندوستان کی سرزمین اس کا دارالبنیاد ہے، اس طرح اسپین سے  
لیکھ ہندوستان تک تمام طبی تجربے اس اسلامی طب کے اجزاء و عناصر ہیں، قسط ہندی، خود ہندی،  
سازج ہندی، سناسے کی مصطفیٰ رومی، آوے بخارا، جواجن خراسانی، مشب مصری، نک لاہوری، نقلا  
مصری، ریونہ چینی، دارچینی، صبر سقوطی، عشبہ مغربی، زہر قرہ خطائی، زیرہ کرمانی، گل ارمنی، گل تفتانی



گل داغستانی، بورہ آرسنی، افستین رومی، عقیق تینی، گکنا رخا رسی، تربہ اکبر آبادی، اسکند ناگوری، صفی عربی، شیر خشت ولایتی، ہمار قذہاری، یہ نام سرسری زبان پر آگئے ہیں، ہمارے اطباء اس قسم کے ادیبیسیوں نام بتا سکتے ہیں، لغات طب جیسے جامع ابن بیطار، تحفہ المومنین، مجمع البحار اور حزن الادویہ وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے، جس کا دائرہ اسپین سے لے کر چین تک کی زمینوں کو محیط ہوگا۔

عجم میں طب | چھٹی صدی میں رشید الدین فضل اللہ سلطان غازان خاں کا حکم اور وزیر تھا، اس نے تبریز اور ایران کے بعض شہروں میں شفا خانے قائم کئے تھے، جہاں کے ہسپتال کے لئے دینا کے مختلف حصوں سے دوائیں منگوائی جاتی تھیں، پروفیسر براؤن انجمنی نے ۱۹۲۷ء میں طب عربی پر چند کچرائیوں میں دیئے تھے جو چھپ چکے ہیں، اس کتاب میں رشید کے خطوط کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے اور اس کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دواؤں کا یہ اہتمام تھا کہ امراء اور وزراء کی طرف سے دوا اور ایجنٹ دینا کے مختلف حصوں میں اس غرض سے پھیلے تھے کہ دوائیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے رہیں، ان مختلف ملکوں میں سے ایک نام ہندوستان کا بھی ہے جہاں دواؤں کی بہم رسانی کے لئے ایک ایجنٹ موجود تھا، دوسری صدی ہجری میں جب براکھ بندہ کے وزیر تھے ان کے ایجنٹ ہندوستان، کثیر اور کاروندل تک دواؤں کی تلاش میں آتے تھے، اس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

دنیائے اسلام میں طب | طب عربی یا طب اسلامی کی شاندار تاریخ کے مطالعہ کا اگر شوق ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطباء کی چار جلدیں ملاحظہ کی جائیں، جو صرف ساتویں صدی تک کے اطباء کے حالات میں ہے، اس کتاب کی تقسیم ملکوں پر ہے، ان چاروں جلدوں میں حسب ذیل ملکوں کے طبیبوں کے حالات اور تذکرے ہیں، یونان، عرب، مصر، شام، عراق، ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان، ہسپین، مراکش، تونس و الجزائر،

ہندوستان میں طب | اہل نظر کو معلوم ہے کہ ایران اور ہندوستان میں اس طب کے فروغ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے جن کے نام سے یہ کتاب خالی ہے، ضرورت تھی کہ اس کا مکملہ لکھا جاتا، خصوصاً ارج جب کہ ہندوستان کے سوا ہر ملک سے یہ طب رخصت ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے بھی اپنے زمانہ میں اس طب کی بڑی خدمت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ فن ایران اور ترکستان سے آیا اور اس نے یہاں اگر سلاطین اور کئی نیرسایہ بڑی ترقی کی تھی، یہاں بڑے بڑے شفا خانے اور دواخانے قائم ہوئے اور تجربہ کا محقق طبیعوں نے اپنی عداوتوں سے اس کو چار چاند لگائے، تیموریوں سے پہلے فیروز شاہ کے عہد کا ایک حکم آپ کو سنا تاہوں سراج عیفت لکھتا ہے

”چوں سلطان فیروز شاہ پنجندیس تہد مولان کہ آستانہ شفا خانہ وصحت خانہ برآ  
عامہ مرلیاں بنا فرمودہ و اطباے حاذق و حکماء صادق و عدائے مصدق و جراحا  
و کحالان دران مقام یقین گردانیدہ وادویہ و اطعمہ و اشربہ برائے مرلیاں از خزائن مقرر کردہ  
باب کرم عام بہ شفقت تمام بر طبائی خاص و عام کشادہ“

شاہان ہندوستان | تیموریوں سے پہلے مسلمان طبیب اور ہندو وید برابر بادشاہی درباروں میں کام  
در بار میں وید کرتے تھے، جن میں سے بعض بعض کے نام تاریخوں میں مذکور ہیں، سب سے پہلا برہمن  
جس کو ترک شاہان دہلی کے یہاں اعتبار ہوا وہ بھی وید ہی تھا، جس کا نام گنگو برہمن تھا جس کے نام سے  
جیسا کہ موزین لکھتے ہیں بہمن شاہی سلاطین دکن پیدا ہوئے، کشمیر میں سلطان زین العابدین (۷۷۷ء)  
کے عہد میں سری بھٹ نے ناموری حاصل کی، فرشتہ میں ہے،

”سلطان بخت طباہت سری بھٹ را کہ طیبہ حاذق بود تربیت کرد“

ہندوستان میں اسلامی طب کی ترقی | ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں چرکا اور ششتر کی کتابیں  
مشہور تھیں، جن کا عباسی نے اپنے زمانہ میں ترجمہ کیا تھا، ہلانو کا علم طب اب ترقی پا کر عرب، یونان، ایران اور  
ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ ہو چکا تھا، اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اس لئے

نیا علمِ طب ہندوستان کے قدیم علمِ طبِ ایتیا ز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علمِ طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ حاکمِ قوم اپنے علوم و فنون کو حکومتِ قوم کے علوم و فنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے اور اس استغناء برتی ہے، چنانچہ اسی علمِ طب کے متعلق دیکھیے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دسی طب کی سرکاری حمایت کی اور اسکے مستند تسلیم کرنے کا رزولوشن پیش کیا تو نا اتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے عہدِ حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علمِ طب کی مہیوں کتابیں انھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں، اور اپنا علمِ طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کر کے خود انہی کے علمِ طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اسکے مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودھی سے خواصِ حال ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ یونانی طب ہندوستان کی آب و ہوا میں موافق نہیں ہے حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں بہوہن خواصِ حال نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدنِ اشفا اسکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علمِ طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علمِ طب ہے، اور خصوصاً خانہ اطباء کے سفینوں میں اور جربات ناموں میں جھیکڑوں نسخے اور دوائیں ہیں ہندوستانِ راز ہیں، اسی طریقے سے بیہوشوں نے مسلمانوں کے سیکڑوں نسخے ڈوائیں اور اصولِ علاج اپنے ہاں لئے اور اسی طرح لی ملا کر ایک ایسا طرزِ علاج رائج کیا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا،

۲۔ پہلے بیہوشوں میں وہ دوائیں متداول تھیں، جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طبِ اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیرِ تجربہ آچکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا ان کے فوائد اور منافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرے کو سید بڑھادیا،

۳۔ دوائوں کی ترکیبیں عرقِ بجن، قیرِ دہلی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا،

۴۔ چھچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیسیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چھچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی، اور وہ ابو بکر رازی کا رسالہ الحکیمہ ہے جو چھچک کو عام ہو چکا ہے۔  
فن طب کو ہندوستان میں فروغ | بہر حال مجھے کہنا یہ ہے کہ وہ طب جس کا ہیولی و دمشق میں تیار ہوا تھا اور جس میں زندگی کی روح بعد اوس ڈالی گئی، اور جس میں شباب کی قوت شیراز پہنچ کر آئی تھی اُس نے دلی اکرم علامہ اربعین کی منزل طے کی، اور اُس کی جوانی اپنے پورے کمال عروج کو پہنچی اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی قدردانی نے اپنے انعامات سے اور ہندوستان کی سرزمین نے اپنے نباتات کی فراوانی اور دواؤں کی بہتات سے اس کے دوا خانوں کو بھر دیا اور ہمارے طبیبوں نے پرانے ہندوستان کے کجربات سے فائدہ اٹھانے میں بیجا شرم نہیں کی،

یہ سچ کہ ذوق طلب از جہو بازم نہ داشت و از می چیدم من آن رونے کہ خرمن داشت  
 ہندوستان کے نامور اطباء اکبر کے زمانہ کے نامور طبیبوں کے نام سنئے، حکیم الملک گیلانی، حکیم سیف الملوک دماوندی، حکیم زینل شیرازی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم مصری، حکیم علی، حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم حسن گیلانی، حکیم تہام تبریزی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، حکیم فتح اللہ گیلانی، شیخ بنیا سرمندی جراح، جہانگیر کے عہد میں چند اور نامور ہوئے حکیم رکنائے کاشی، حکیم مسیح آزاد کاشی، حکیم الملک ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم روح بھروچی، حکیم حمید گجراتی، حکیم نقی گیلانی،

شاہجہاں کے عہد میں چند اور مشاہیر کا اضافہ کیا، حکیم علیم الدین، حکیم صدائے شیرازی، حکیم الملک حکیم ابوالقاسم، حکیم رکنائے کاشی، حکیم مومنائے شیرازی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم محمد داؤد، مقرب خاں جراح، شیخ قاسم جراح، اور اخیر زمانہ مغلیہ میں حکیم علوی خاں دہلی میں اور حکیم یعقوب نے لکھنؤ میں

اس فن کو چار چاند لگائے،

مسلمانوں کے دوش بدوش اکبر کے عہد میں ہمارے دو، حکیم، ناتھ، نارائن اور شیواجی ہندو طبیب اور  
وید مشہور ہوئے، عالمگیر کے عہد میں حکیم سکھراج نے شہرت پائی، عالمگیری و محمد شاہی دور میں حکیم کھنجر  
گنجاری نے ناموری حاصل کی، اسی پٹنہ میں کپیتی کے راج میں منشی رام پرشاد تھے جنہوں نے ۱۲۴۴ء  
میں معیار الامراض نام کتاب لکھی تھی، جس میں سر سے لے کر ناخن تک کے تمام امراض کے قوانین کلیہ  
درج ہیں، اسی زمانہ کا شخص حکیم رے متوال فلسفی المتوفی ۱۲۴۸ء ہے، مفردات طب نام اس نے  
ایک کتاب لکھی، لالہ سوہن لال سندیلوی اسی عہد کا ایک اور طبیب تھا ان کے علاوہ بچوالا تمکین سید آبادی  
میربات طیبی کا مصنف، پنڈت لال چند کل ابصار کا مصنف، دینا ناتھ جس نے ویدک سے پاک ہونے کا  
کا ترجمہ فارسی میں کیا، منشی متاب زین جس نے ادویہ کے خواص میں ضروری الطب لکھی،  
ویدک اور طب کالین دین | اس تفصیل سے معلوم ہو گا کہ مسلمان طبیبوں نے جہاں ہندوستان سے بہت  
لیا، اس کو بہت کچھ دیا بھی، ہمارے بزرگوں کی قلمی کتابوں اور سفینوں میں ویدک نسخے بکثرت ملے ہیں،  
اسی طرح ویدوں نے طبیبوں اور طبی کتابوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، یہ دینا اسی داد و ستد پر قائم ہو  
اور اسی طرح قائم رہے گی،

طب کی تجدید | حضرات! یہ تو ماضی تھی اب حال و مستقبل کی بھی فکر چاہئے، زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں،  
اب طب اور وید کے علاوہ سات سمندر کی نئی طب بھی سامنے ہے، جس کا آغاز گو غربی ہی طب سے ہوا  
ہے اگر تجربات کی فراوانی، آلات کی عمدگی اور سلطنتوں کی قدردانی نے اس کو وہ دن دکھائے کہ تاج  
شاہی اب اس کے سر پر ہے اور خلعت قبول اس کے جسم پر ہے، لیکن غم کے قابل بات یہ ہے کہ عالم  
شاہی قدردانی کے نہ ہونے سے گو اکثر قدیم مشرقی علوم و فنون موت کے گھاٹ اتر گئے ہیں تاہم طب اور  
ویدک اب بھی اس کے مقابلہ میں تین سو برس کے بعد بھی کھڑے ہیں، اور قبول عام کے زور سے زندہ ہیں

حالانکہ یہ وہ فن ہے جس کا تعلق موت و حیات اور زندگی عیسیٰ قیمتی چیز سے ہے تاہم ملک کی لاکھوں جانیں بخشی ان کے حوالہ کی جا رہی ہیں اور شفا یاب ہو رہی ہیں، چنانچہ اب حکومت نے بھی چند سال سے اسکی بقا کی ضرورت سمجھی اور گھنٹہ عالی گڈ، پینٹ اور ڈھاکہ میں سرکاری امدادوں نے اس کی ترقی کا کچھ سامان کر دیا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں،

اس فن طب کی پچھلی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ اس نے دوسری قوموں کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں کبھی تعصب کو راہ نہیں دی ہے، اس بنا پر اس زمانہ میں جو نئے نئے تجربے اور نئے نئے نظریے اور جدید طریقے تشخیص اور ادویہ سازی کے جو طریقے پیدا ہو گئے ہیں ان سبھی وہی طرح مستفید ہوگا، چنانچہ معلوم ہے کہ بعض انگریزی دوائیں ایسی ابتدائی میں رواج پائیں، کینن اور انگریزی سالٹ کے نام ملتے ہیں، اسی طرح بعض دوسرے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں گریزنہ کرنا چاہئے، نیز بعض قدیم اصول و بیانات جن کی تائید تجربہ اور تحقیق سے نہیں ہوئی اس کی صحت پر اصرار کرنے سے فائدہ نہیں، مثلاً یہ اصول کہ اعداء اہل امراض سکان خطا الاستواء، محض غلط قیاسی دعویٰ ہے جس کی تردید ابن رشد و ابن خلدون وغیرہ نے بہت پہلے کر دی اور یہ صرف یونانیوں کے تمام علم جغرافیہ کی بنیاد پر قائم ہے جو آج تک ہماری عام کتابوں میں اسی طرح زیر درس ہے، اسی طرح موجودہ طب جو اخلاط اربعہ کے نظریہ پر قائم ہے، اپنی حدیں بالکل صحیح ہے لیکن محض یونانی قیاسات طبعی کی بنا پر دواؤں میں کیفیات اربعہ کے وجود پر زور دینا قیاس سے تجربہ کو رد کر دینا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین نے اپنی تحقیقات میں تجربوں کے مقابلہ میں اس قیاسی چیز کی اہمیت کم کر دی ہے،

نظریہ اخلاط اور جراثیم | نظریہ اخلاط اربعہ کی تشریح یہ ہے کہ طب کا اصول یہ ہے کہ المعدۃ بیت الداء باہر سے انسان کے پیٹ میں جو چیز عموماً جاتی ہے وہ غذا ہے، غذا کے ہضم صحیح و عدم ہضم سے اخلاط کا وجود ہوتا ہے، ان کے توازن و عدم توازن سے مزاج کا اعتدال و انحراف ہوتا ہے اور صحت

مرض کا وجود ہوتا ہے، یہ تشریح تمام تر تجربی اور سراسر صداقت ہے، ڈاکٹری میں ادھر کچھ دنوں سے جراثیم کی وبا پھیلی ہے، ہر چیز جراثیم کا مخزن ہے اور علم الامراض علم جراثیم کا دوسرا نام ہو گیا ہے اب وہ اکھٹوں سے نظر آتا ہے، اور اس کی تحقیق روز بروز بڑھ رہی ہے، اس کو اس حد تک ماننے میں کیا ہرج ہے کہ غذا اور پانی اور سانس کی ہوا کے ساتھ جراثیم شامل ہو کر فساد کا باعث ہوتے ہیں،

طب اور آلات کا استعمال | تحقیقات کے معاملہ میں آلات سے کام لینے میں بھی بخل نہ چاہئے، علم جراحی اور کمالی اور دایہ گری جو ہماری طب کی شاخیں تھیں وہ رفتار زمانہ سے ایسے جاہل طباقوں میں پہنچ گئیں کہ ہمارے اطباء سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں رہا، ضرورت ہے کہ ان کئی ہوئی شاخوں کو پھر اصل فن سے ملایا جائے، طب قدیم کی تاریخ اور شفا خانوں پر حصرۃ الاماں علامہ شبلی مرحوم نے ۱۹۰۴ء کے درمیان یعنی آج سے اٹھاون برس پہلے جو کچھ لکھا تھا، اور خاکسار نے زہرا دی اندسی کی تصریف سے ۱۹۰۸ء کے قریب اندوہ میں جو کچھ لکھا تھا ضرورت ہے کہ ہمارے اطباء ان تحقیقات تاریخی میں و تہ فوٹا اضافہ فرماتے رہیں،

قدیم کتب طب کی فروغی | ہمارے طبی مدرسوں میں قدیم طبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت کا بھی سامان کیا جائے، ادھر کامل المصنوع اور حادی کی اشاعت نے کچھ اطباء میں بچی پیدا کی ہے، دین طبری کی کتاب نے دوسرے ایک بیماری فرزند ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی تصحیح سے برلن میں ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے، محمد بن زکریا رازی کی کتاب جس کو فرسٹ ایڈ کہتے ہیں، پیرس سے ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی، اسی مصنف کی کتاب گردوں اور مٹانوں کی لنگڑیوں کے علاج میں مقالہ فی البھی فی الکلی والمثانہ لایڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، اور اب آج کل دائرة المعارف حیدرآباد میں عمدة البحر امین ابن النعت اور مختارات ابن ہبل زیر طبع ہیں، عمدة البحر امین کا موضوع یہ ہے، کہ بغیر آپریشن کے زخموں کا علاج کیا جائے، مصر کے ایک لائق ڈاکٹر احمد عیسیٰ بے نے عربوں کے آلات طب و جراحی و کمالی پر ایک نہایت محققانہ مقالہ لکھا ہے، اور مع تعادیر کے شائع

کیا ہے، چند سال ہوئے کہ قانونِ طبی سینا کا ترجمہ لندن سے انگریزی میں شائع ہوا ہے، اگر ہمارے اطباء میں سے کچھ اہل علم قدیم کتب طب کی تلاش و جستجو اور اشاعت کا کام انجام دیں تو اس فن کے بہت سے مردہ تجربات کو زندہ کر دیں گے، تجربات کو چھپانے کی پرانی بیماری اب زائل ہو جانی چاہیے،

عمدہ اور تازہ دواؤں کی فراہمی | ہماری طب کی کمزوری کا ایک بڑا سبب عمدہ اور تازہ دواؤں کی ہمہ رسانی کی طرف سے پوری غفلت ہے، اب تک یہ کام بنیوں اور خالص دکانداروں کے سپرد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ اور تازہ دواؤں سے ہم محروم رہتے ہیں، اس پوری بحرمانہ غفلت کے باوجود اگر ان مفردات سے فائدہ پہنچتا ہے، تو اس طب کی یہ بھی کرامت ہے،

مفردات اور مرکبات | مفردات کے بعد پھر مرکبات کی تیاری کا سوال ہے، محسن طب جناب حکیم مسیح الملک مرحوم نے جب سے ہندوستانی دواخانہ کی بنیاد ڈالی ہے شہرہ مرکبات کی عمدگی اور صفائی کے کام نے بہت ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس کا اثر صرف چند شہروں تک محدود ہے،

مفردات سے علاج کا اسکول جو لکھنؤ میں رواج پذیر تھا وہ اس لحاظ سے کہ ہر نسخہ ہر شخص کے موجودہ حالات کے مطابق ہوتا تھا، بہت کامیاب تھا، مگر صرف اس لئے کہ اس کا نگہنا اور نگہنا دوسرے یہ بھی تو ہے اب سرعت سے اس کی جگہ مرکبات سے علاج کا طریقہ سہل الحصول ہونے کے سبب سے لے رہا ہے، اگر ظاہر ہو کہ یہ ہر مرض کے علاج میں نہیں چل سکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ مفردات سے فی الفور جو شانہ بنانے کا وہ طریقہ جو حیدرآباد دکن کے شفاخانہ طبی میں زیرِ عمل ہے قبول کر لیا جائے یعنی عطاروں کے میاں گرم پانی کا اہتمام خاص رکھا جائے اور ہر نسخہ کا جو شانہ اور تازہ عرق فی الفور نکال کر حوالہ کیا جائے،

حیدرآباد دکن | مجھے حیدرآباد دکن کے اس طبی شفاخانہ، دواخانہ اور کلیہ طبیہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا طبی شفاخانہ ہے، یہ پورا ادارہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ حکومتوں کی سرپرستی سے یہ طب کتنی ترقی



پاسکتی ہے، اعلیٰ حضرت نظام خلد امجدہ ملک کی شاہانہ توجہ سے اس طب نے جو ترقیاں کی ہیں، طریقہ، دوا ساری، دواؤں کے رکھنے کی ترکیب، جو شانہ بنانے کا طریق، آلات کا استعمال، مرئیوں کی تیمار واری، دیکھ بھال، سامان ہر چیز میں یہ شفا خانہ اسپتالوں کے بالمقابل ہے، اسی طرح اس کا طبیبہ کا کالج لائق اساتذہ اور تجربہ کار معلمین، نصاب، طریقہ تعلیم، مدت تعلیم، علمی و عملی تعلیم کتب خانہ اور دیگر شعبوں کی بنا پر وہ نمونہ ہے، جس کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں، ڈاکٹری کی بے شمار کتابیں اور دینی اصطلاحات کی تھسا دار ترجمہ عثمانیہ نے اردو میں منتقل کر دی ہیں،

دبسی طب کی حمایت | بے شبہہ خوشی کی بات ہے کہ اصلاحات ہند کے رواج کے بعد حکومت انگریزی کے بعض صوبوں نے دبسی طب کی حمایت و حفاظت کی طرف توجہ کی ہے، لیکن صاف کہنا چاہئے کہ یہ عمل ایمان کے بغیر ہے، اس لئے حمایت و حفاظت و اعانت بیدلی کے ساتھ کی اور دی جا رہی ہے، اسی لئے بعض غلطیوں کا علانیہ ارتکاب کیا جا رہا ہے، اور ہم اس لئے اس کو احسان مندی کے ساتھ قبول کر رہے ہیں کہ ایک غیر حکومت کی طرف سے اتنی ہمدردی بھی بہت ہے،

طب کی زبان | پہلا مسئلہ تعلیم کا ہے، اس طب کی ساری مستند کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں ہیں، گو ایک بہاری طبیب حکیم کبر الدین صاحب شاگرد رشید حکیم اجمل خاں مرحوم کے، ہم سب ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنی محنت اور قابلیت سے اس فن کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہماری زبان میں منتقل کر دیا، اور اس نے ہماری طبی درسگاہوں میں رواج پایا ہے، تاہم نقل اصل کو نہیں پاسکتی، اس لئے اگر یہ سرکاری طبی درسگاہیں صرف اردو کے ذریعہ تعلیم طب کے رواج پر عمل کریں گی تو فن کے زوال میں کوئی شبہہ نہیں، ایجوکیشن کے لئے اگر انگریزی زبان کی ضرورت اور سائنس کے ذریعہ سے اعلیٰ کامیابی پر داخلہ میڈیکل کالج میں مشروط ہے تاکہ اعلیٰ قابلیت کے ڈاکٹر پیدا ہوں تو طب کے لئے نیم ملا عربی دال اور معمولی انگریزی دال وار دو خوان بلایا، طب کی درسگاہوں میں داخلہ کی اجازت کیوں دیتے ہیں؟

کیوں نہ اس میں بھی اعلیٰ قابلیت کے لڑکوں کا انتخاب عمل میں آئے

طیب ڈاکٹر نہیں | اسی طرح کا تعلیمی نقص ترقی کے نام سے ان درسگاہوں میں پھیلایا جا رہا ہے اور وہ ایو پی مٹھی کے ناقص طریقوں کی ادھوری تقلید کا شوق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری ان درسگاہوں کا طیب، طیب سے زیادہ ڈاکٹر بننے کا شائق ہے، اور لفظوں سے خوش ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے طور و طریق میں بھی ڈاکٹر معلوم ہو، یہ حدود مجہذ مضمون طریقہ ہے، یہ کوسے کے مہنس کی چال اختیار کرنے کا طریقہ ہے،

طب اور مذہب | ہمارے دوسرے مشرقی فنون کی طرح ہماری طب بھی ہمارے مذہبی فرائض ہی کا ایک گوشہ ہے، اسی لئے ہمارے پرانے طیب نیچر اور فطرت کے بے ارادہ، بے رحم اور غیر مستولی دیوتاؤں کے بجائے، شافی مطلق، ہمہ رحم بفعالہ مایستاء و محکمہ مایوید خدا کے پرستار تھے، انکی کتاب کا آغاز صد لے ابراہیمیؑ اذ امر صلت فجو متیقن اور آیت الہی فیہ شفاء للناس اور حد لکل دوا ۶۶ دوا ۶۷ اور کلمہ منسوب بہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للعلو علما علم الادیان و علما الابدان سے ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فنون کی طرح یہ فن بھی دین ہی کے تحت میں تھا، اسی لئے ہمارے طیب کے ہر نسخہ کا طرہ پیشانی طغزلے ہوا شافی سے مزین ہوتا تھا، وہ ہر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ شافی مطلق کے سامنے سرنگوں ہو جاتا تھا، وہ ہر مشکل کے وقت اسی مشکل کشا کے روبرو دست بدعا ہوتا تھا وہ معزورانہ حتیٰ احکام لگانے کے بجائے ہمیشہ انتشار اللہ تعالیٰ کے دامن میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈتا تھا، وہ اپنی تدبیروں اور دواؤں کی تاثیرات کو اپنی فکر و نظر و تدبیر یا دواؤں کے طبعی خواص کی طرف منسوب کرنے کے بجائے بدبر حقیقی اور موثر تحقیقی، میکم علی الاطلاق جل شانہ کی طرف منسوب کر کے اپنے کو بندہ بے اختیار نظر کر رہتا تھا، میں نے اس شہر کے ایک پرانے ڈاکٹر صفدر حسین صاحب کو دیکھا تھا، جنھوں نے غند سے پہلے ڈاکٹری اور دواؤں پر جی تھی او

اور اُس سال پاس ہوئے تھے، جب واجد علی شاہ قید کر کے میاں برج لائے گئے تھے، ان ہی نے ہمارے صوبہ میں ہومیو پیتھک کو پہلے رواج دیا ہے، میں نے ان کو پرانے طبیبوں کی طرح ہمیشہ اسی حال میں دیکھا کہ وہ ہر علاج کے وقت شافی مطلق کی طرف متوجہ اور دست بردار ہتے تھے، ان کا ایک فقرہ ہمیشہ یاد رکھا رہے گا، فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اندھیری کو ٹھری میں ہاتھ ڈال کر ٹوٹے ہیں،

نوجوان طبیبوں کو نصائح | نوجوان طبیبو! اب آپ زندگی کے میدان میں اتر رہے ہیں، آپ کو دکھ سے بھرے انسان ملیں گے، ان سے ہمدردی کرنا آپ کا فرض ہوگا، کبھی آپ بیمار بن کر دیکھیں کہ طبیب کی ایک شفقت بھری نگاہ مایوس مریض کے لئے کس طرح اسبجیات کا جام نوش بنجاتی ہے، حرص طمع اور دولت دنیا کے لالچ سے ایک شریف طبیب کا دامن پاک ہونا چاہئے، آپ کا تعلق کائنات کے اس راز سر بستہ سے ہے جس کا نام موت و حیات ہے، آپ کے سامنے خدا جانے موت و حیات کے کیسے کیسے موثر اور حیرت انگیز واقعات اور دل کو لپیکیانے والے حادثے آئیں گے، ان حادثوں سے ایمان باللہ اور ایمان بالیوم الآخر کی قوت میں اضافہ کا کام لیں، آپ کے شہر کے ایک دیندار و خوش نام ڈاکٹر نے خوب فرمایا کہ ہم بیماری کا علاج کرتے ہیں، موت کا نہیں،

جائیے اور متوکل علی اللہ، خلق کی خدمت میں مصروف ہو جائیے، اور بلا تفریق مذہب و ملت غمزدوں کی غمخواری اور بیماروں کی تیمارداری اور دکھی لوگوں کے دکھ درد کو امکان بھر اخلاص اور ایمان داری اور محنت اور دیانت سے کم کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، اے آپ کو فہم صحیح، دست شفا اور رزق حلال عنایت فرمائے،

والسلام

## مجدد ملت

اور

## قومیات و سیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

حضرت حکیم الامتہ تھانویؒ کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ عبدالباری ندوی اب مجدد وقت کے تجدیدی کارناموں پر ایک مبسوط کتاب تیار کر رہے ہیں، ذیل کا مقالہ اسی کتاب کا ایک باب مع دیباچہ و خلاصہ کے ہے، مولف ممدوح نے اپنے امکان بھر کوشش اس کی کی ہے کہ حضرت مولانا کی تعلیمات و ہدایات کی صحیح صحیح ترجمانی و تفسیر کر دیں، اور اس کوشش میں وہ قابل مبارکباد حد تک کامیاب بھی ہوئے ہیں، پھر بھی بشر بشر ہی ہے، معارف میں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے ارباب نظر بھی اسے ملاحظہ فرمائیں اور جہاں ان کو فروگزاشتیں نظر آئیں ان سے مولف سلسلہ شدہ کو مطلع کر دیں، حضرت کے متنبین سے یہ التماس خصوصیت کے ساتھ ہے، سب سے پہلے ان تمہیدی سطحوں کا راقم، خود اس فرض کو ادا کرتا ہے، اور جہاں بڑا کوئی بات اسے لفظی یا معنوی حیثیت سے لکھنی ہے اس کا وہ بے تکلف اظہار کرتا گیا ہے، تنقید میں حروت، تقاضا سے اخلاص کے بالکل منافی ہے۔“

”عبدالماجد دریابادی“

دیباچہ | دین کی کیس و تحفظ کے بعد نبوت کا ختم ہو جانا بالکل قدرتی امر تھا، یعنی جب دین کا ہر جہت سے اور ہمیشہ کے لئے امکان و اتمام فرما دیا گیا، اور قیامت تک اس کی حفاظت کی ضمانت بھی فرمائی گئی، تو ظاہر ہے

کہ اب کسی نئی وحی کی کیا ضرورت رہی، البتہ ایک اور ضرورت رہ جاتی ہے، امتدادِ زمانہ سے بشری فطرت، نفس و نفسانیت اور اتباعِ ہویٰ وغیرہ کے خارجی عوامل کی بدولت کمال و محفوظ دین کے احکام و تعلیمات کی بھی فہم و تفہیم اور عمل و اجراء میں طرح طرح کے خلل و فساد کا لاحق ہوتے رہنا ناگزیر تھا، کوئی چہرہ بذاتِ خود حسن و جمال کے خواہ سارے صفات کمال سے متصف ہو، مگر خارجی و عارضی گود و غبار اس کو بھی مکدر کر ہی دیتا ہے جس سے صاف کرتے رہنے کی ضرورت وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی دین کمال کے چہرہ کمال و جمال سے اسی گود و غبار کو جھاڑتے رہنے کے لئے بعثتِ انبیاء کو ختم کرنے کے بعد بعثتِ مجددین کا سلسلہ صدی بعد صدی جاری فرمایا گیا، تاکہ طالبانِ حق کو کج رویوں سے بچ کر ہمیشہ "صراطِ مستقیم" ملتی رہے، اور "فضائل و منقوبین" کی گرامیوں سے محفوظ رہیں، خیر القرون سے جتنا بعد بڑھتا جاتا ہے، دینی کجراہیاں اور نفعی بھی بڑھتے جاتے ہیں، لہذا ہر وقت اور ہر عہد میں مسلمانوں کو اس وقت کی کجراہیوں اور گرامیوں سے محفوظ رہنے کے لئے مجدد و وقت کو معلوم کرنا اور اس کی تجدیدِ امت و وقت کی پیروی کرنا، اسی میں سلامتی ہے،

البتہ نیا اور مجددین ایک فرق یہ ہے کہ نبی وقت پر ایمانِ نفس نجات و مغفرت کے لئے لازم ہے، بخلاف اس کے مجدد و وقت کی یافت و پیروی پر نجات موقوف نہیں، وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیاء علیہ السلام پر ایمان کے بعد مرہط کر حاصل ہی ہو جائیگی، لیکن دین کے اصلی پاک و صاف سرچشمہ تک پہنچنا، اسکی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات کا پوری حاصل ہونا، اس کے لئے بلاشبہ مجدد و وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لازم ہے، ورنہ پھر بعثتِ مجددین اور تجدیدِ دین کے کوئی معنی نہیں، بلاشبہ مجرب و نبی کی طرح معصوم نہیں ہوتا، بشری لغزشیں اس سے بھی ہونگی، لیکن دیگر علماء و محققین کے مقابلہ میں نسبت بہت کم، اس لئے مجدد و وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباعِ اسلام واجب ہر حال میں ہوگا،

مسلمانوں کی حالت کم بیش ہر لحاظ سے روز بروز بہتر نظر ہی نظر آ رہی ہے، قومیات و سیاسیات یا دوسری معاملات تک میں جن راہوں اور تدبیروں سے غیروں کو ان کی فرعون و مطلوب ترقی و کامیابی حاصل ہوتی ہے، انہی راہوں سے اور انہی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا حصہ نامکام تقاضی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے،

راقم احقر کوئی قومی و سیاسی آدمی بالکل نہیں، اور نہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے موجودہ قومیات و سیاسیات کا اسلام کے اصول و مقاصد یا طریق کار سے کوئی سروکار سمجھ میں آتا ہے، تاہم احمد ند بڑا بھلا مسلمان ہوں اور بڑے پچھلے مسلمان بھائیوں کی زبان حالی پر دل کڑھتا ہے، ان کے کسی قومی یتیم خانہ کا حال سنو تو ابر، کسی مدرسہ کا حال دیکھو تو بے بدتر جس ادارہ پر بھی نظر ڈالو، ہر روز برتری یمین، ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے، سب سے زیادہ شور و غل سیاسیات کا ہے، مگر اس ڈھول کے اندر بھی پول ہی پول ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ فتنہ و شر، ناکامی و نامرادی اسی میں دکھائی دیتی ہے،

بعض تازہ واقعات سے دل پر زیادہ چوٹ لگی، مسلم لیگ کے ساتھ وفد وزارت اور وائسرائے سب کی طوطا چستی و استخفاف یا غداری جو کچھ بھی کہو اس کا بڑا سبب یہی ہوا کہ کانگریس کے مقابلہ میں لیگ کی اندرونی کمزوریوں کی بنا پر اس کو زیادہ خاطر میں نہیں لایا گیا، بظاہر مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ کی ہم آواز ہے، مگر وہی آواز دہل کہ اندر سے خالی اور ولیم آہنگ نہیں، ذاتی و انفرادی اغراض و مطالبہ کا غلبہ، انتخابات میں غیر معمولی کامیابی کے باوجود مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں لیگ اور لیگی وزارتوں کا حال دوست و دشمن سب کے سامنے ہے، کلکتہ بی بی وغیرہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمان، بچوں، بوڑھوں عورتوں تک کا جس درندگی کے ساتھ قتل عام ہوا اس کے تصور سے بھی کچھ منہ کو آتا ہے، دوسروں پر اس کا الزام چاہے جتنا دھرا جائے اور قانون و کمیشن کی نگاہ میں چاہے سراسر دوسروں ہی کی زیادتی ثابت ہو، تاہم اس کا حقیقی اور بڑا سبب ادھر سے نیچے تک خود ہماری جماعتی ابر

و تبطلی، عدم انقباض و عدم تربیت کے سوا کیا ہے۔

ہمارے جامعی امراض میں سب سے ہلک مرض یہی ہے کہ ہمارا کوئی کلمہ جامعہ نہیں جس پر ہم زبان و دل دونوں سے جمع ہوں مسلمان مسلمان رہ کر صرف اسلام ہی پر جمع ہو سکتے تھے، اور اس جمع ہونے کی صورت سیاسی غیر سیاسی چھوٹے بڑے کسی مسئلہ میں یہی ہو سکتی تھی کہ کسی ایک رائے پر جمع ہو جائیں یہ نہیں کہ جس لیڈر یا اڈیٹر جس عالم یا مولوی کا جدہرجی چاہے چل پڑے، جو مسلک چاہے اختیار کرے، اور پھر سارے مسلمانوں کو اس کی طرف بلانے لگیں تو وہی اجماع کل ذی راہی براۓ کی خود ہے جس کا نتیجہ اس فتنل اور ذباب میں یہ ہوا خیر یا پست تہمتی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، جو دن رات آنکھوں کے سامنے ہے۔

لہذا ہم مقدم سوال یہ طے کرنے کا ہے کہ وہ ایک رائے جس پر مسلمانوں کو جمع ہونا چاہیے کون اور کس کی ہو سکتی ہے؟ اسلامی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لئے اس کا جواب ایک ہی ہے کہ مجدد وقت کی تجدیدی رائے، اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام و تعلیمات کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو، اس سے بڑھ کر دینی اعتبار سے قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ میں اور کسی کی رائے قابل اعتناء و اتباع ہو سکتی ہے،

راقم ہذا آج کل عہد حاضر کے جامع المجددین (حضرت حکیم الامتہ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ) کی اسلامی زندگی سے متعلق ہر شعبہ کی تجدیدات ہی کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع و مرتب کر رہا ہو اور اتفاق وقت سے اس وقت قومیات و سیاسیاتِ حاضرہ ہی کا باب زیر تحریر تھا، اس لئے تازہ واقعات سے مجروح و متاثر قلب میں اس کو پیش کر دینے کا تقاضا ہوا، لیکن احقر نے کوئی چھوٹا بڑا لیڈر نہ مولوی، نہ کانگریسی نہ لیگیں کداس کے معروضات قابل توجہ کیا قابل سماعت بھی ہوں، تاہم گاہ باشد کہ کو دک ناماں کے احتمالی فقرہ کے مطابق ممکن ہے کوئی قابل قبول بات نکل آئے۔

اس کے علاوہ راقم کی حیثیت اس میں جامع یا زیادہ سے زیادہ کہیں شارح کی ہے، سو اگر جمع و شرح میں کہیں غلطی یا غلط فہمی ہوئی ہو تو اس سے قطع نظر فرما کر بلکہ اھتر کو آگاہ و متنبہ فرما کر، خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس باب میں جو تجدید و تحقیق ہے، اس پر تعصب و تحرب سے خالی الذہن ہو کر اگر توجہ فرمائی تو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگی، ان حضرات سے خصوصاً اس کی درخواست ہے، جو حضرت علیہ الرحمہ سے ارادت و عقیدت کی کوئی نسبت رکھتے ہیں، کہ وہ ان معروضات پر خاص توجہ فرمائیں، اور اگر حضرت کی رسلے تحقیق کے پیش کرنے میں کوئی خطا نظر آئے تو اس کی تصحیح سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ کتاب کی اشاعت میں سحاط رکھا جائے، و ما توفیقی الا باللہ،

بظاہر حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے تجدیدی ادراک حیات کا یہ ورق بالکل سادہ معلوم ہوتا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے کہ متعارف قومی و سیاسی تحریکات میں حضرت نے کبھی کوئی عملی حصہ نہیں لیا، اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی تجدیدی، اصلاحی خدمات بھی نہیں انجام دیں، بات یہ ہے کہ قومیات و سیاسیات حاضرہ کا عملی پہلو ہی دینی اعتبار سے زیادہ غیر عملی ہے، ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ کام بہت کم، اہم نام بہت زیادہ، اخیر بہت کم شربت زیادہ اور اس نام و نمائش کے شد و غل میں اوقات، لگ خالص، سب بڑھکر یہ کہ قدم قدم پر طرح طرح کے دینی مفاسد میں آلودگی و ابتلا پھر اس غل غبار میں پڑ کر کسی بڑے سے بڑے صحیح المارغ دینی یا دنیوی خادم یا رہنما کا اتنا توازن دماغی برقرار رہنا مشکل کہ وہ حدود اعتدال کو محفوظ رکھ سکے، جو اسلامی صراطِ مستقیم کی خصوصیت خاصہ ہے، اور حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی حکیمانہ و مجددانہ خدمات و اصلاحات کا سبب نمایاں وصف،

اس لئے ان نام نہاد قومی و سیاسی تحریکات یا انجمن سازوں، جلسہ بازیوں، نفرہ زنیوں، خبا فرہشیوں اور دوٹ خریدیوں، ہڑتالوں، بائیکاٹوں وغیرہ کے جو طرح طرح کے آئے دن طوفانِ بے تیزی برپا رہتے ہیں ان کی طرف نہ خود طبعاً یا عقلاً یا شرعاً کسی طرح رخ فرما سکتے تھے احد نہ کسی کو مشورہ دے سکتے



تھے، خالص دینی خدمات تک میں ان پر مفاسد ذرائع سے کام لینا پسند نہ تھا، خدمات تبلیغ کے سلسلہ میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

”ہر ضلع میں ایک مجلس قائم کر دیجائے جس کا نام وغیرہ رکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں

عہدہ داروں کے نام مقرر کرنے کی ضرورت کیونکہ آج کل انجن کے قوانین اور عہدہ داروں کی

فہرست میں تو جبر سیارہ کر دیئے جاتے ہیں، مگر کام نہیں ہوتا،“ (قواصی باحتی مثل)

پھر قومیات و سیاسیات حاضرہ کے بازار میں قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، حریت و مساوات وغیرہ کے ظاہر فریب ناموں سے جیسے جیسے کھوٹے اور جعلی سکے رائج ہیں ان کو جو ہر شریعت کی معمولی پرکھ رکھنے والا بھی اپنی جیب میں نہیں ڈال سکتا، تو بھلا جو مجدد وقت شریعت مطہرہ کو ہر کھوٹ کی ادنیٰ سے ادنیٰ انیمیشن سے پاک و صاف فرمانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو وہ ان جوٹے جعلی سکوں کو سرے سے بدل ڈالنے کے سوا ان میں اصلاح کی کیا گنجائش دیکھ سکتا تھا،

قومیت نام ہے رنگ و نسل، ملک و وطن، یا کسی خاص و خالص مادی تہذیب و تمدن کے خود تراشیدہ اور غیر اختیاری و خارجی امتیازات و معیارات پر مبنی جماعتی تصور کا جس کو اسلام کے دشمن بھی اب جان گئے ہیں کہ قومیت کا یہ تصور اسلام کی عین ضد ہے، اور اسلامی شریعت ایسے قوانین سے مطلقاً نا آشنا ہے، جن میں حق و انصاف، عطا و منع، جنگ و صلح، ترجیح و تفوق کی کسوٹی کھال کا کوئی رنگ ہو یا ماں کے پیٹ سے گر پڑنے کا کوئی مقام یا بہت اونچے جائے تو زبان و ادب، شعر و شاعری، نیوٹن کا تصور، تعمیر و مینا، بت تراشی و بت پرستی وغیرہ کا کوئی روایتی و خرافاتی مجموعہ جس کو تہذیب و تمدن کا لقب دیکر زنگی کا نام کا فور رکھ دیا جاتا ہے،

ان سب کی مشترک خصوصیت ایک طرف تو یہ ہے کہ بجائے انسان کے اندر کسی باطنی گیرنگی و برتری کو معلوم کرنے کے سارا ذور اس کی خارجی و مادی نیز گیموں اور پستیوں پر دیدیا گیا، دوسری خصوصیت

ان کا غیر اختیاری ہونا ہے، کہ جو جس رنگ و نسل جس سرزمین یا جس روایاتی و خرافاتی تمدن میں پیدا ہو پڑا تو اب نہ وہ اپنی کھان چھیل کر پھینک دے سکتا ہے کہ کالے سے گورا بن جائے نہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور افریقہ میں جا بنے کے باوجود وہ ہندی کے بجائے فرنگی بن کر فرنگیوں کے مرتبہ و معیار برتری کو حاصل کر سکتا ہے۔ اس خارجی اور غیر اختیاری معیار کی قدرتی گونا گونیوں کے انسانوں میں باہمی تفریق و امتیاز و تقسیم و تقسیم کا معیار قرار پایا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کرہ ارض پر اقوام در اقوام کا ہر چارہ و طرح ایک سیلاب ابل پڑا پھر ہر قوم و ملک کے اندر معاشی تقسیمات و طبقات اسی طرح سیاسی جماعات (پارٹیوں) کا کھڑا الگ ہے اور ہر چھوٹی بڑی قوم طبقہ و جماعت کا پیش ہمارا اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مادی منافع کا محور بنا ہے، لیکن یہ مادی منافع مادی ہونے ہی کی بنا پر محدود بھی ہیں، پٹرول بھی محدود، خام مواد کی پیداوار بھی محدود، مال کی نکاسی کی منڈیاں بھی محدود رہنے بننے کے لئے توانا نہیں بھی محدود، اور مطالبہ ہر قوم و جماعت کا نامحدود اس لئے کہ اسی کا نام ترقی رکھا گیا ہے کہ مادی فائدہ کے حصول میں کسی نقطہ پر بھی پہنچ کر قناعت نہ ہو جس کی صورت یہی ہے کہ جہاں تک بن پڑے ہر ایک دوسرے کے منہ کا نوالہ حلق سے کھینچ لینے کی کوشش کرے، نتیجہ یہ ہے کہ ساری زمین فساد سے بھر گئی، ملک ملک سے، قوم قوم سے، جماعت جماعت سے، طبقہ طبقہ سے برسر پیکار ہے،

اسلام نے ان خود ساختہ مادی و خارجی بنیادوں پر اولاد و ام کی نہ کوئی گروہ بندی تسلیم کی ہے، نہ ان کی بنا پر کسی تفوق و ترجیح کو جائز مانا، نہ مادی منافع کی نامحدود حرص و ہوس کو ترقی قرار دیا، اور گو اب اس قومیت کے منافع و مصالح سے زیادہ مفاد و مفاسد کو اسلام کے نہ ماننے والے بھی دل و دماغ سے مانتے جا رہے ہیں اور بین الاقوامیت و اشتراکیت و اجتماعیت وغیرہ کے راستوں سے ہلاکت سے بچنے کی تدابیر کی جا رہی ہیں، مگر وہی کڑا ہی سے بچ کر چولے میں گرنے کی سب تیریں ہیں، مادی و خارجی اغراض و مقاصد کی نامحدود طلب و ہوس کا نصب العین جب تک افراد اور جماعتیں

کے دل و دماغ پر مسلط ہے، اس وقت تک نہ ہر کام تریاق رکھ دینے سے ہلاکت سے مفر نہیں، اور نہ حرص و ہوس کا یہ جنون دل و دماغ سے اُس وقت تک خارج ہو سکتا ہے، جب تک اسکی جگہ کوئی ایسا عظیم و محکم روحانی و باطنی نصب العین نہ لے لے جس کی عظمت و اہمیت کے سامنے بڑی سے بڑی مادی ترقیاں بھی طفلانہ لہو و لعب معلوم ہونے لگیں، و ما الحیلۃ الدینا الہ لہو و لعب۔

جمہوریت کا طبع قومیت سے بھی زیادہ ابلہ فریب و بے حقیقت ہے، بلکہ ایک ایسا اسم بڑا جس نے عملاً کبھی اپنے مسی کی شکل نہیں دیکھی کسی بڑے پیمانہ پر ملک و حکومت کا کاروبار اس نام نہاد جمہوریت سے چلنا تو درکنار حضرت خلیلہ رحمۃ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ”اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو تو ایک روٹی بھی نہ پک سکے“ انگریزی میں بھی مثل ہے کہ ”زیادہ باد چوچوں میں شور بے کی خرابی لگتی ہو“ بات یہ ہے کہ جمہوریت و عمویت وغیرہ کے ناموں سے یہ دعویٰ تو صحیح ہے کہ حکومت عوام کے لئے یعنی اُن کی فلاح و بہبود کے لئے ہو، لیکن دوسرا دعویٰ کہ حکومت عوام کی ہو یا عوام کی راے سے ہوئیہ ناقابل عمل ہی نہیں احمقانہ بھی ہے، اس لئے کہ فہم و فکر کے کاغذ سے صد فی صد تعلیم یافتہ ملک کے عوام بھی ظاہر عوام ہی ہوں گے جو اپنے نفع و ضرر کو پوری طرح سوچ سمجھ سکتے ہیں، اور ان کی فلاح و بہبود کو بھی ان کے خواہش یا اہل فکر و فہم ہی صحیح طور پر سمجھا سکتے اور وہی عمل میں لا سکتے ہیں، عوام ان اس تو غریب اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ اپنے خیر خواہ و بد خواہ میں تمیز کر کے اپنے دو ٹوک کا صحیح استعمال کر سکیں، وقت پر اپنی چرب زبانی چکنی چیری باتوں اور جھوٹی سچی ترغیب و تحریریں یا چالاک و مکاری سے ان کا دشمن بھی ان سے دو ٹوک حاصل کرے سکتا ہے اور کر لیتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ دنیا میں عقل و فہم کے اعتبار سے اکثریت ہمیشہ کا ملین کے مقابلہ میں ناقصین ہی کی رہی ہے، اور رہے گی تو اکثریت کی راے و انتخاب کے معنی عقلمندوں کے مقابلہ میں کم عقلوں یا احمقوں کی راے و انتخاب کے مساویا ہے۔

اور جس طرح لاکھوں کروڑوں عوام کا حال ہے، اسی طرح ان کی رائے سے منتخب ہو کر جو سیکڑوں لوگوں خواص کی قانون سازی مجالس یا اسمبلیاں وغیرہ بنتی ہیں ان میں بھی عقل و فہم، علم و عمل، اخلاق و دیانت، اخلاص و بے نفسی کے اعتبار سے نسبتہ کا ملین ہمیشہ اقلیت ہی میں ہونگے، اس لئے کسی معاملہ و فیصلہ کو اکثریت کے تابع کرنا دراصل کم عقلموں کم علموں اور خود غرضوں کے حوالہ کر دینا ہے، اقبال مرحوم پر ہزاروں رحمتیں ہوں حرف بکرت پرچ کہا ہے کہ

گریز از طرز جمہوری غلامے پختہ کارے شو کہ از مغر و دود خد خنکر انسانی نئی آید

صحیح اور فطری اصول یہی ہے کہ سیاسی و غیر سیاسی چھوٹا بڑا کوئی ادارہ ہو دود خد خنکر کے بجائے بس کسی ایک انسان کو تلاش کر کے اس کے حوالے کر دینا چاہئے، البتہ بڑے سے بڑا انسان بھی زیادہ سے زیادہ عقل و فہم، اخلاص و دیانت کی جامعیت کی باوجود فکر و رائے میں غلطی کر سکتا ہے، اس لئے عوام ان سے نہیں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینا اس پر واجب ہوتا کہ بحث و گفتگو سے معاملہ کے تمام اطراف و جانب سامنے آجائیں لیکن نفس مشورہ کے وجوب و پابندی کے باوجود مشورہ لینے اور دینے میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ مشورہ لینے والا عوام کا لانا عام کے منتخب کردہ "دود خد خنکر" کا پابند ہو بلکہ جس معاملہ میں جس وقت جو لوگ بھی اس کو زیادہ اہل الرائے نظر آئیں سب سے مشورہ لینے کے لئے آزاد ہو، اسی طرح مشورہ دینے کے لئے بھی ہر شخص آزاد ہو، یہ نہیں کہ ایک دفعہ اس سیدھا اپنا کسی کو نامزد منتخب کر دیا تو اب ہم تین یا پانچ برس کی کسی مقررہ مدت تک خود کو فی رائے نہیں دے سکتے، چاہے وہ ہمارا نامزد ہو کہ ہمارے خلاف ہی رائے دیتا رہے، بس اسلام کی جمہوریت یہی صحیح و متوازن نشست ہے۔ اور فیصلہ بالآخر "دود خد خنکر" نہیں بلکہ ایک انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، البتہ وہ اپنی انسانی فکر و فہم کے ساتھ ایمانی فراست اور شرح صدر کی روشنی میں ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنی روشنیوں کے بعد بھی عمل کا قدم غرض، نفس، انسانی علم و روشنی کے تحت نہیں اٹھاتا کہ انسان کا کامل سے کامل

علم بھی ناقص ہی ہے۔ نبی کو بھی علم ہے کہ مشورہ لینے اور اپنی رائے قائم ہو جانے پر بھر دوسرے عالم کل وقار و کمال ذات ہی پر ہے۔ قرآن مجید نے اپنی موجز و معجز تفسیر کے ایک ہی جملہ میں اسلام کے اجتماعی نظام کار کے اصول ثلاثہ (۱) مشورہ (۲) عزم (۳) اور توکل کو منصوص فرما دیا ہے کہ **شاورہ** دھعرفی (اور رض) فاذا عزمتم، فتوکل علی اللہ۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اسکی طرف جا بجا اشارات فرمائے ہیں۔ مثلاً احکام الممال نامی و عظمیٰ فرماتے ہیں کہ

”قرآن شریف میں مشورے کی تاکید ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آجائے چنانچہ شاورہ دھعرفی (اور رض) میں مشورے کا امر بھی ہے اور آگے یہ بھی کہ فاذا عزمتم فتوکل علی اللہ کہ جب خود قصد ہو جائے تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کو کر ڈالے، یہ نہیں فرمایا کہ فاذا عزمتم کہ جب وہ عزم کریں یا فاذا عزمتم (اکثر دھعرفی) ان میں سے اکثر عزم کر لیں، مطلب یہ کہ مشورہ تو کیجئے اور مشورے کے بعد جس بات پر خود آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے،

یہاں سے جمہوری سلطنت کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جدھر کی کثرت رائے ہو اس جانب کو کیا جائے، سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے اس میں فاذا عزمتم اکثر نہیں فرمایا، بلکہ فاذا عزمتم فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ تو سب کا ہوا اور عزم آپ کا ہوا دوسروں کی رائے پر عمل کرنا لازم نہیں، اگرچہ وہ اہل ہی ہوں اور آج کل کے تو اہل رائے و مشائخہ اہل بھی نہیں ہوتے..... کمیٹیوں میں ایسے ایسے مجبور ہوتے ہیں، جن کو بات کرنے کی بھی تفسیر نہیں ہوتی، واقعات بتا رہے ہیں کہ آج کل کی کثرت رائے بالکل ہی مغل ہے (ص ۵۵ تا ۵۷)“

حضرت کو تو احمد مدد کہ اس مہل کثرت رائے سے سابقہ شاید ہی کبھی ہوا ہو، راقم ہذا کو آج کل کی کمیٹیوں

اور ان کی اکثریت کا کچھ تھوڑا تجربہ ہوا تو بس اکثر اس اکثریت میں ”وومدفر“ کا منظر ہی دیکھا اور بالآخر

اس سے طبیعت میں اتنی کراہیت پیدا ہو گئی کہ کسی کام میں جہاں کمیٹی کا نام آیا کہ ذہنی تلی شروع ہو گئی، خالص عقلی راہ سے بھی دیکھئے تو اجتماع کا نفسیاتی لازمہ یہ ہے کہ جو جماعت جتنی کثیر ہوگی، اُسی نسبت سے اس کے افراد کی انفرادی عقل بھی قلیل ہوتی جائے گی،

حریت یا آزادی کا دھول سب سے زیادہ پیٹا جاتا ہے، لیکن اسلامی حریت و آزادی کے مقابلہ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آزادی نام ہے آقاؤں کی صرف تبدیلی کا، کہ ہم فلاں رنگ و نسل یا فلاں ملک و سرزمین کے انسانوں کی غلامی قبول نہ کریں گے، ان کے بجائے ہم کو ایسے آقا و کارہاں جو ہمارے رنگ و روپ یا ہمارے پاس پڑوس کے ہوں، بس یہ ملکی و قومی آزادی کی پرواز ہے یا پھر خود اپنے ملک و قوم میں آزادی یہ ہے، کہ اپنی غلامی کے لئے کسی فرد یا جماعت کو ہم خود اپنا آقا منتخب کر لیں بخلاف اس کے اسلام کی عطا کردہ حقیقی آزادی یہ ہے کہ وہ انسان پر انسان کے حکم و حکومت کا قطعاً روا دار نہیں نہ اپنوں کی نہ پرائیوں کی، نہ ملکوں کی نہ آفاقیتوں کی نہ فرد کی نہ جماعت کی حتیٰ کہ وہ کسی شخص کو خود اپنا یا اپنے نفس و ہوا کا محکوم و تابع رکھنا بھی گوارا نہیں کرتا: **اِنَّ الْحُكْمَ لِلّٰهِ**

فرد و جماعت، ملک و قوم سب کا حاکم بالا دست یا آقا و مالک صرف وہی ہو سکتا ہے جو واقعہ کے لحاظ سے بھی ان کا مالک و خالق ہے یا پھر وہی جس کو جس درجہ میں اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں اپنا کارندہ و تجویز کرے باقی اپنے ذاتی اختیار سے نہ کسی فرد کو نہ کسی جماعت کو نہ اپنے اوپر کسی طرح کی سروری و سرداری کا حق حاصل ہے، نہ دوسروں پر نہ خود ساختہ قومی و ملکی تجارتی و تمدنی اغراض و مقاصد کے لئے کسی ملک و سرزمین کے لینے دینے یا تقسیم کرنے کا حق نہ محض اپنی رائے و عقل سے خود اپنے

لئے لیکن اس مسلمہ میں جمہوری حکومتوں اور ان کے ہاں کے جمہوری قانونوں کے تجربات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ (عبدالماجد)  
لے اس عبارت کو ذرا محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امامت و اقتدار و افراد اطاعت پر تو اسلام کیا ساری اجتماعی زندگی کا دعوہ و مدار ہے (عبدالماجد)

یہ الفاظ قرآن مجید میں جہاں جہاں اور جہاں سیاسی میں آئے ہیں وہ اس دعویٰ کی تائید میں نہیں، (عبدالماجد)

یا غیروں کے لئے کسی فرد یا جماعت کو کوئی قانون وضع کرنے کی اجازت خدا کی زمین پر صرف خدا ہی کا اتارا ہوا قانون چلنا چلانا چاہئے، جو ایسا نہیں کرتے قرآن کا اعلان ہے کہ وہی کافر، ظالم، فاسق، سب کچھ ہیں۔  
 من لحد یحکم بجا انزل اللہ اولمات ہم الکافرون۔ ہم الظالمون، ہم الفاسقون۔

مسادات کے دعویٰ کا یہی حال ہے، کہ اسلامی اعتقاد پر مبنی اخوت کے بغیر یہ عملاً ایک محال فطری کا دعویٰ ہے، خدا کے سوا انسان کسی معنی میں بھی اپنے کو کسی دوسرے انسان کا تابع و محتاج مان کر یا اس کے قبضہ میں اپنا نفع و ضرر جان کر بھلا اس کے آگے زندگی و سرانگندگی سے کیسے رک سکتا ہے۔ پھر اس بندگی و سرانگندگی کے بعد مسادات کہاں توحید کی یہ بصیرت و اخوت نصیب نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے جھکتا ہے، ”آدم زبے بصری بندگی آدم کرد“ جو کتے بھی نہیں کرتے، ”من زویدم کہ شے پیش گئے سر خم کرد“ حقیقی حریت و اخوت اسی کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے دل نے لا الہ الا اللہ کا راز پایا،

مرد و حرا لا الہ الا اللہ روشن ضمیر  
 می نگرو و بندہ سلطان وزیر

پھر اسلام کی اصل روح سمع و اطاعت ہے اور قومی و سیاسی تحریکات کا سب سے بڑا سرمایہ انقلاب و بغاوت، اگر بیرونی حکومت سے آزادی ہے تو خود اپنی ہی حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت پیدا ہوتے رہنا لازم، ایک پارٹی کی وزارت ہے تو دوسری اس کے لئے ہر وقت عدم اعتماد کی تحریک کا علم بننا و لئے کھڑی ہے رعایا و عوام کی فلاح و بہبود سے زیادہ اپنی پارٹی کی وزارت کے قیام اور مخالفت کے اندام کی فکر، حکومتی و سیاسی ہلکی و قومی تجارتی و صنعتی کسی ادارہ یا فرقہ جماعت سے کوئی شکایت ہو تو احتجاج ہے ہڑتال ہے، جلسے ہیں، جلوس ہیں، نعرے ہیں، جن میں گشت و خون تک کی نوبت! اور یہ کیوں نہ ہو اس لئے

لہذا ان سب عبارتوں کو محدود و مرقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مطلق صورت میں تو مہر فعل اور مہر تجربہ سے انکار لازم آئے گا، حالانکہ یہ عقل اور تجربہ بھی اللہ ہی کے عطیے ہیں، (عبد الماجد)

لہذا سب عیدیں صرف ان لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں جو خدا کی ہدایت و احکام کے موجود ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ کر ہوائے نفس کے ماتحت قانونِ بنا ہے ہیں، (عبد الماجد)

کہ حق و انصاف کا اور کوئی ترازو ہی نہیں، تعلیم یہ ہے کہ جن قدر زیادہ شور و غل مچاؤ اور ہنگامہ و فساد برپا کرو اُسی قدر زیادہ تمہارا حق زوردار سمجھ جائیگا، جتنے زیادہ زور سے پیٹ پیٹو گے اتنے ہی بھوکے سمجھے جاؤ گے اور اتنا ہی زیادہ پاؤ گے، لا حول و لا قوۃ فیہ بھی کوئی نظامِ حکومت و سیاست ہو جس کی بدولت ملک بھر میں روزانہ طرح طرح کے ہنگامے اور فسادات کھڑے رہیں اور شہریوں کا امن و امان برباد ہوتا رہے، رعایا حکومت سے برسرِ پیکار رہے، مزدور کارخانہ دار کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں، کاشتکار زمیندار پر دانت نکالے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی زبردست زیر دست کے ساتھ حق و انصاف پر آمادہ نہیں! جس نظامِ جماعت کی بنا، حقوقِ شناسی کے بجائے حقوقِ طلبی پر ہو، وہاں ہر چار طرف سے دن رات مطالبات و احتجاجات کی شورشوں اور شوریدہ سرویوں کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، اسلام نے انقلاب و بغاوت کی اجازت بہت ہی انتہائی حالتوں میں دی ہے کہ نسبتاً اور قابلِ تحمل حد تک بُری حکومت کے تحمل کر لیجئے میں اتنا ضرر نہیں، جتنا روزِ روز کے انقلابِ حکومتِ شورش اور فتنہ و فساد میں، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں محض ہی زندگی اور اُستی کا سہ نہیں ہے، یہ انسانی زندگی کا بہت ہی حقیر و فانی جزو ہے، اسلام کے پیشِ نظر تو اصلاً انسان کی اُعلیٰ اور غیر فانی زندگی کی فلاح ہے، اور فکر و عمل کی مشغولیت کا وہی اصل میدان ہے، باقی یہ دنیا خود فانی و ناقص ہے اور اس کی ہر چیز فانی و ناقص ہی رہے گی، تم لاکھ جدوجہد کرو لیکن نہ اس کی سیاسیات کو کامل و بے عیب بنا سکتے ہو، نہ اسکی قومیات و معاشیات کو بلکہ اس کی ساخت تو کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف سے کسی نقص کو دور کرو تو دوسری طرف سے اس کے ردِ عمل کا فساد اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے بناؤنگا میں دن رات لگے رہنا ایسا ہی ہے جیسے بچوں کو دن رات کھیل کود اور اس کے لئے لڑائی جھگڑوں میں لگا رکھا جائے، اور جوانی یا مستقبل کی دیر پا زندگی کے لئے تیاری کی ان کو مصلحت ہی نہ ملے، اسلام نے اپنی تعلیمات میں حقوقِ طلبی کے حریصانہ و حریفانہ جذبات کو نہیں اُبھارا کہ یہ تو فسادِ دنی الارض کا سرِ شمشیر ہی بلکہ حقوقِ شناسی



اور ادا سے فرض پر زیادہ زور دیا ہے، وہاں کسی حق کی طلب کے لئے خلق کا زور لگانے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے، جہاں ایسے حقوق تک کے ادا کرنے کی تاکید و حکم ہو جن کی خود صاحب حق کو خبر تک نہیں اسلام کی اس حقوق شناسی اور آج کل کی حقوق جطلی کے اسی فرق کو ایک موقع پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ واضح فرماتے ہیں:-

”آج کل جو حکومتیں قائم ہو رہی ہیں، وہاں حکومت کے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کو کچھ حق مل جاتا ہے، یوں کہنے کو آج کل کے اہل حکومت یہ جانتے ہیں کہ جب تک حکومتیں قائم رہیں گی، اُس وقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں، وہاں جس وقت حکومتیں قائم ہو کر یا کم از کم مساوی بنکر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے، اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں، بس وہی مثل کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لاٹھی کے بغیر اپنی بھینس بھی نہیں مل سکتی، اور لاٹھی ہو تو پرانی بھی ہانک بچاؤ، اگر شتر میں معاملہ برعکس ہے، اور ایسے مرد و حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا، ایسے حقوق کا خدا تعالیٰ خود حساب و مطالبہ فرمائیں گے۔“

مسلمانوں کے دینی و دنیوی منافع و انحلال کے اس گئے گزشتہ زمانے میں بھی اس کی مثالیں بالکل نایاب نہیں، ایک مرد مومن کا خود راقم ہذا کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا کہ راقم کے دادہ والی نصیبہ امیٹی میں اس کا پشتہ پشت پہلے کا ایک مشترک سکنتہ تھا، جس پر بہت ہی پرانا ملی کا ایک درخت تھا، جس کے متعلق گھر میں کبھی صرف اتنا سنا تھا کہ دادی مرحومہ اپنی زندگی تک اس کی اٹلی کا اپنا حصہ سالانہ ضرور وصول فرمایا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد وہاں کے تعلقات رہے نہ اس درخت کے متعلق کسی کو کوئی وہم و خیال تھا، لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی سکنتہ کے ایک خاندانی شریک درمیں نے غالباً ۱۹۵۸ء میں سنا کہ وہ اٹلی لگتی تھی کوئلہ بنا کر فروخت ہوا یہ اس کا حصہ ہے، راقم کو بھی مناسخہ کر کے خاندان کے وارثوں تک آنے پائی سے ان کا حصہ پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی، فاجحہ اللہ،

سید قاضی خادم حسین جوگیل و رئیس امیٹی ضلع گجرات

اُن کا کہ جب ہماری اس گئی گزری حالت میں ایسی مثالیں مفقود نہیں، تو خیر القرون اور صحابہ و تابعین کا ذکر نہیں، جب تک مسلمان اپنے ایمان و عمل میں مسلمان رہے ہوں گے کیا حال رہا ہوگا، اور آج بھی دنیا اگر شخص مادی و خارجی انقلاب پر سارا زور لگانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا یہ روحانی و باطنی انقلاب کسی درجہ میں بھی پیدا اور قبول کرے تو دنیا بھر میں روز بروز کے جنگ و جدل، فتنہ و فساد، اور کشت و خون کا کتنا سدباب ہو جائے، اور ظاہری دنیا کے امن و امان کے ساتھ قلوب کی باطنی دنیا کو بھی کتنا سکون و اطمینان نصیب ہو جس دولت سے شاید اب ہزاروں لاکھوں ہی میں کوئی قلب آشنایہ گیا ہو، ایک معمولی سی بات ہے کہ اب عام طور سے کسی سے کوئی معاملہ کرنے یا کچھ قرض تک دینے میں یہی ڈر لگتا ہے کہ خدا جانے کیا دھوکا دیدے اور لینے والا دینے کے بجائے بالعموم مار لیٹے ہی کی فکر میں رہتا ہے، انا ملتا، دنیا ہی میں انسان کو قلب و دماغ کی کس بے اطمینانی و بے اعتمادی کی جہنم میں ڈھکیں دیا گیا ہے، اسلامی شریعت کا ایک معمولی قانون یہ ہے کہ بیع میں اگر کوئی عیب ہو تو بائع کا فرض ہے کہ خود ہی مشتری کو اس آگاہ کر دے، آج کل معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، کہ مشتری کو کسی نہ کسی طرح پھینالینا ہی بڑا کمال ہے، بہر حال یہ تو ہماری موجودہ قومیات و سیاسیات کے وہ چھوٹے اور چلی سکتے تھے، جنہوں نے انسانیت کے سارے بازار کو گندہ اور پرانڈہ کر رکھا ہے، لیکن ان سب کی جڑ و تان کی اصطلاح میں علوی، فی الارض کا ارادہ یا نصب لعین ہے، بلکہ یہی ساری قومی و سیاسی تحریکات حاضریہ کا لفظی ترجمہ ہے جو دوسرے لفظوں میں نام ہی ہے فساد فی الارض کا اور کبھی مصر کے ایک فرعون نے علوی، فی الارض (ان فرعون علیہ فی الارض) سے زمین مصر میں فساد کیا تھا، تو آج قومیات و سیاسیات کی راہ سے کہہ کر ارض کے چپے چپے پر چھوٹے بڑے فرعوں نے اسی علوی کا فساد پھا رکھا ہے، ادنیٰ ادنیٰ ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی، چھوٹے سے چھوٹے سرکاری و غیر سرکاری، سیاسی و غیر سیاسی، قومی و تعلیمی اداروں کی ممبریوں اور صدارتوں سے لے کر بڑی سے بڑی حکومتوں اور ملکوں تک کے اعلیٰ اعلیٰ حکومتی و غیر حکومتی، قومی و غیر قومی، اعزازی

و تنخواہی منصبوں، عہدوں اور لیڈریوں یا قومی و ملکی آزادی و خود مختاری سب کی طلب کا حاصل وہی اپنی ذات یا ملک و قوم کے لئے مانی و جاہی سروری یا سر بلندی یا غلو و کبرائی کی طلب کے سوا کیا ہے! یعنی ملے و یکو اسی فانی دنیا اور اسی فانی زندگی کے ظاہری و مادی منافع!

معملاً اسلامی قیامت و سیاسیات کو اس پستی و پست نظری اور دل و دماغ کی اس درجہ ذلت و خست سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے وہاں اپنے حق و استحقاق یا قیامت و اہلیت کے لئے بے قصیدے شائع کرنا کیا معنی! کسی جاہ و منصب کی طلب و خواہش کا زبان تک آجانا ہی اس کے لئے نالائق و ناماہلی کی اولین دلیل ہے، اس کی انفرادی و اجتماعی، سیاسی و قومی، علمی و تعلیمی ہر حرکت و جنبش کا مدعا صرف حق و کلہ حق کا غلو و اعلا ہے، نہ اپنی ذات کے لئے کسی غلو و سر بلندی کا ارادہ جائز ہے، نہ اپنی قوم و وطن کیلئے، نہ اپنی نسل و رنگ کے لئے، نہ اپنی تجارت و صنعت کے لئے اور نہ کسی خود ساختہ تہذیب و تمدن یا نام نہاد ثقافت کے لئے اور نہ کسی ہوائی یا نفسانی نظریہ و خیال کے لئے ان چیزوں کا تو اگر ذہن میں خیال بھی شریک ہو گیا تو شرک ہو گیا، اور مسلمان خالص کلہ حق کے غلو و اعلا کے مقام کو حیر سے گر گیا، حتیٰ کہ حکومت و سلطنت بھی جو کسی دنیوی جاہی و مانی سروری و سر بلندی کی نیست ارادہ سے اور خدا کی نافرمانی و ناراضی کی راہ سے حاصل کیجائے تو اسلام کی نگاہ میں اس کے مقابلہ میں خدا کو ناراضی رکھ کر "پاخانہ اٹھانا" ہزار چہر بہتر ہے، اگر سلطنت سلطنت ہی کے لئے دین و اسلام کا بھی مقصود ہے تو یہ تو فرعون شداد و غرور و سب ہی کو حاصل تھی، پھر کیا اسلام بھی اسی فرعونیت کی از سر نو دعوت دینے آیا ہے! اسی حقیقت کی نظر حضرت مجدد وقت کس ایمانی قوت و حرارت کے ساتھ متوجہ فرماتے ہیں کہ

"خدا کی قسم اگر ہم کو پاخانہ بھی اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کی جائے، یاد رکھو کہ سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو

ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی، حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا، تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجے میں کوئی کمی آگئی؟ اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی، تو فرعون کو بڑا مقرب ہونا چاہئے؟

علم و فضل، تقویٰ و طہارت، شہرت و عظمت، ہر اعتبار سے اس وقت جو دو بڑے علمائے دین سیاسیات حاضریہ میں سب سے پیش پیش ہیں، اراقم ہذا کو کھنوا سٹیشن پر ایک دفعہ دونوں کی ایک ساتھ زیارت نصیب ہوئی، تو بعینہ اپنا یہی عجیبان ان کی خدمات میں پیش کیا کہ فرض فرمائیے کہ ایک طرف مسلمان محکوم و محتاج، مفلس و عاجل سب کچھ ہیں، لیکن دین و ایمان کے ساتھ مرتے ہیں، اور دوسری طرف حکومت دولت جاہ و ثروت، علم و عزت سب کچھ حاصل ہے، لیکن دین و ایمان برلے نام یا خطرہ میں ہے، تو نبی و اسلامی نقطہ نظر سے ہمہک حالت کون سی ہے؟ اور اہم و اقدم فکر دین و ایمان کی ہر احریت حکومت کی؟ غرض مسلمان اگر مسلمان ہے تو اس کی نگاہ میں حکومت و سلطنت سب سے مقدم آخرت ہی ہوگی اور آخرت انہی کے لئے ہے کہ جو زمین میں علویات تفوق و برتری، سردری و سرلمبندی اور فتنہ و فساد کا ارادہ

نہیں رکھتے، تلت اللہ اراۃ خیرۃ تجعلہا للذین لا یریدون علوانی الارض ولا فسادا

اے دل آں یہ کہ خراب ازے گلگوں باشی بے زور و گنج بعد حشمت قاروں باشی

قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، مساوات و حریت وغیرہ یہ تو وہ گندگیاں تھیں جو آج کل کی قومیات و سیاسیات کے شجرہ خبیثہ کی جڑوں میں پیوست ہیں، پھر اس کے برگ و بار کا کٹنا ہی کیا، کذب و افتراء، حیل و فریب، سازش و دغا، بغض و حسد، سب دشتم، توہین و تمذیل، بغیبت و بہتان کو نسا بڑا چھوٹا لگانا ہے، جو انتخابات کے ہنگاموں جلسوں کے پنڈالوں اور اخباروں کے کالوں میں عین ثواب نہیں!

یادش بخیر! یہ اخبارات اور ان کا جھوٹ پچ پر دگنٹا جو آج قومیات و سیاسیات کے بال ہیں

اسلامی نقطہ نظر سے دیکھئے تو ایسے اخبارات سراسر منہج شر و فساد اور ان کا نکالنا اور پڑھنا سب ناجائز و ناجائز، لیکن اس حرمت و عدم جواز کا نام بھی کون لے سکتا تھا، تاہم وقت کے مجد کی نظر و ہمت اتنے بڑے مفسدہ پر تنبیہ اور اس کی اصلاح سے کیسے باز رکھ سکتی تھی، پہلے اس پر ایک چھوٹا سا مستقل رسالہ تحریر فرمایا، اور پھر لوگوں کے شور و غل پر بقدر ضرورت زبانی و تحریری تشریح بھی فرمائی، مخالف کی توہین و تذلیل، صریح بہتان و افراتوڈ کر ہی کیا ایک عام اخباری مفسدہ و مصیبت یہ ہے کہ ہر خبر کو بلا کافی تحقیق و توثیق کے شائع کر دیتے ہیں، خصوصاً اگر وہ ان کے مفید مطلب یا ان کے اخبار کی پالیسی کے موافق ہو، اس کی مذمت جیسا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا خود قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے کہ

”وَإِذَا جَاءَهُمْ مِّنَ الْأَمْرِ مِمَّا ارْتَابُوا فَخَذُوا مِمَّنْ دُونِ الْمَذْنُونِ أَلَيْسَتْ بُيُوتُهُمْ مِّنْهُم“

یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ موجب امن ہو یا موجب خوف ہو تو اسکو فوراً مشہور کر دیتے ہیں اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے، حالانکہ کبھی وہ خبر غلط ہوتی ہے اور کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے، اور اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کی رائے پر حوالہ رکھتے تو وہ صحرا داس کی حقیقت کو پہچان لیتے، جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں۔

آگے جو اصلاحی ہدایات فرمائی ہیں ان میں سے بعض مختصر یہ ہیں،

(۱) جو واقعہ کسی کی مذمت و معائب پر مشتمل ہو، اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانا کافر پر بھی جائز نہیں، لیکن آج اخبارات کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو،

(۲) یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حجت شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا

لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے،

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اذیت اور اخبار میں درج کرنا جائز نہیں بلکہ فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے، کیونکہ اس کو رسوا کرنا علاوہ شرعی ممانعت کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے،

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ شرعی حجت سے ثابت ہو اور اس کا نقصان یا ظلم اپنی ذات کو پہنچتا ہو تو پھر اس کی بُرائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے کہ لا یحب اللہ الجھجھ بالسوء الا من ظلم یعنی اللہ تعالیٰ بُرائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو..... لیکن اس صورت میں بھی تجربہ یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو دوسری کر سکیں،

(۵) جو خبر کسی کی مذمت و ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصیحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بحران لوگوں کے جو عقل و شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوں، عام لوگوں پر اس کو ظاہر نہ کرنا چاہئے،

(۶) خلاف شرع مضامین اور مخدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی ذمہ داری اُسے توجس پر چڑھیں شائع ہوں اُسی میں تردید اور کافی جواب بھی شائع ہو، کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں، کہ جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گزرتے، خدا نخواستہ اگر وہ اسے کسی شہدہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا،

(۷) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جب تک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف جوہ شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جاوے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان کا انصاف کریں اور جائز طور پر ان کی جانی و مالی امداد کریں،

(۸) اخبار کا ڈیڑھ ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو، یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار کی اشاعت بیدینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے،

(۹) ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً

فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے، اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے،

ظاہر ہے کہ اس دور میں ان ہدایات پر عمل کرنا تو الگ رہل ان کو سننے کی برداشت بھی کتنے  
کانوں کو ہوگی، تاہم اتمامِ حجت کے لئے تجدید و اصلاح کا جو فرض تھا وہ حضرت مجددؒ نے اس معاملہ  
بے تکلف اور فرادیا خود فرماتے ہیں کہ

”یہ مختصر گذارش محض دل سوزی و ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی سموم ہو یا اس کا رگڑ

ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل و اصلاح کی توفیق عطا

فرمائیں، یہ سب عرض کر دیا گیا، واللہ اعلم، (ط ۸۱ تا ۸۲)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک اخبارات اور پروپیگنڈے جی کے معاملہ میں اسلامی تعلیمات و  
ہدایات کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھا جاتا تو روزمرہ کی باہمی تخیلوں اور سیاسی شروفساد کا کتنا شہ  
ہو جاتا اور غیروں پر بھی اس کا کتنا اثر ہوتا کہ مسلمان دشمنی میں بھی کتنا مدد و دشنام اور احتیاط پسند  
ہوتا ہے؟ (باقی)

## کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک

متفرق طور سے دیوانِ شبلی، دستہ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے اس میں سب یکجا  
کر دیئے گئے ہیں،

صفحات :- ۱۲۴، قیمت : ۲۰ روپے

”منہجر“

قادی عالمگیری اور اسکے مضمون

جناب حافظ محیب اللہ صاحب زندہ ی رفیق دارالافتاء

عرب جہاں بھی گئے، اپنے ساتھ اسلامی علوم و فنون، تہذیب و معاشرت بھی لے گئے، یہی وجہ ہے کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ جس سرزمین میں انھوں نے قدم رکھا وہاں کے مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب و معاشرت اور زبان کو بھی بدل دیا۔ اس کے برعکس ترک و تاتار اور دوسری عجیب مسلمان قومیں جہاں گئیں ان کا مذہب تو اسلام رہا لیکن تمدن انھوں نے اپنا پھیلا یا اسی لئے شام و مصر و شمالی افریقہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں عجمی تمدن اور عجیب مذاق کو زیادہ فروغ ہوا،

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، لیکن اس کے تمام حکمرانوں خانوادے اور ان کے بیشتر عمال حکومت بھی تھے، اس لئے ان کے اثر سے یہاں زیادہ تر عقلی و عجمی علوم کا چرچا رہا اور ان کے مقابلہ میں خالص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کم ہوئی تاہم ہر زمانہ کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم بہت پیچھے نہیں رہا، لیکن حکومت کے بیشتر قوانین اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا، اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، مطولات کے محقق رات کئے گئے، فقہ و فتاویٰ کی متحدہ اہم کتابیں فتاویٰ تانا، خاں، فتاویٰ صاویہ اور فتاویٰ ابراہیمیہ، تالیف ہوئیں، اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے فتاویٰ عالمگیری کا رد و ن کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر لے مولفہ عالم بینہ: ۱۱۰، بہتوفی ۱۲۸۶ھ لے مولفہ، بدایع، کن بن حاتم، ناگوری ۱۲۸۶ھ مولفہ، غاضی نظام الدین، متوفی ۱۲۸۶ھ



کارنامہ اور گزشتہ فتاویٰ کی کتابوں میں سب سے مقدم ممتاز ہے، اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے، اور فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی ہجری کے پورے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصا ہے، وہ دوسرے فتاویٰ میں نہیں ہے اور اس کو گزشتہ فتاویٰ میں خاص اہمیت حاصل ہے، لیکن تعجب ہے کہ اب تک نہ عالمگیری کے مؤلفین کے حالات کی کج جمع کئے گئے اور نہ تو اس کی خصوصیات اور مآخذ پر کچھ لکھا گیا، اس مضمون میں اس کمی کو پورا کرنا مقصود ہے۔

(۱) فتاویٰ عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگزاشتوں سے پاک ہے، جن کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے،

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے ہیں جو راجح، مفتی بہ یا ظاہر الروایت کے ہیں اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے،

(۳) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے مآخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے، جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقلان عن فلاں کر کے اصل مآخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے، (۴) اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بلفظ نقل ہے، تو کذا لکھ دیا ہے، اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے تو لکھ دیا ہے، اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۵) یہ کتاب تقریباً ۱۸ طبریں میں تیار ہوئی اور کم و بیش دو لاکھ روپے اس پر صرف ہوئے،

شلہ چھ کتابیں ظاہر الروایت میں شمار کی جاتی ہیں، جاسٹس کبیر، جاسٹس صغیر، مستوط، زیادات، التیسیر، التیسیر الصغیر

عالمگیری کے آخذ فتاویٰ عالمگیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ و مرصع ہے ذیل میں عالمگیری کے تمام آخذ کی فہرست دی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علماء نے کس جاسکا ہی سے سینکڑوں خرمونک خوشہ چینی کر کے فقہ و فتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے،

(۱) ہدایہ مک برہان الدین المرغینانی (۲) شرح طحاوی مک غالباً امام بدر الدین یعنی کی شرح مراد

(۳) ذخیرۃ البیضا مک شرح منہ المصلی (۴) مضمرات مک قدوری کی شرح اس کا دوسرا نام جامع المصنعات اور

(۵) البدائع مک (۶) المغنی مک (۷) عینی شرح ہدایہ مک (۸) اختلاصہ مک (۹) فرائض الزاہدی مک،

ابو ابراہیم محمد بن محمود ۶۵۵ھ (۱۰) ظہیر مک ظہیر الدین البخاری ۶۹۹ھ (۱۱) محیط مک اس نام کی دو کتابیں

ہیں نایک برہان الدین صدر الشریعہ کی تصنیف ہے جو محیط البرہانی کے نام سے موسوم ہے، دوسری رضی اللہ

السرخی کی جو محیط السرخی کے نام سے مشہور ہے، ثانی الذکر کے بعض نسخے مصر وغیرہ کے کتب خانوں میں موجود

ہیں غالباً عالمگیر کے شاہی کتب خانہ میں بھی اس کا کوئی نسخہ موجود تھا، الف ۱۔ کدا البہیۃ میں مولانا

عبدالحی نے لکھا ہے کہ اس کے بعض نسخے میری نظر سے گزرے ہیں (۱۲) طحاوی (۱۳) فتاویٰ قاضی خاںؒ

(۱۴) شرح وقایہ مک (۱۵) البیہن مک امام نسفی (۱۶) محیطین مک شاید اس مراد محیط برہانی اور محیط سرخی ہو،

(۱۷) السراج الوہاج مک (۱۸) فتح القدیر مک ابن ہمام (۱۹) البحر الرائق مک (۲۰) الجامع الصغیر مک امام محمد

(۲۱) الجامع الوہب مک لکھنؤی ۸۱۲ھ کی تصنیف ہے (۲۲) الیتمۃ مک (۲۳) تآمار خانیہ مک عالم بن

(۲۴) فتاویٰ سراجمہ مک الادوشی المرغانی ۵۶۹ھ میں لکھی گئی (۲۵) الاختیار فی شرح التھار مک (۲۶) کفایۃ شرح

مک جلال الدین الخوارزمی (۲۷) فتاویٰ برہانیہ مک (۲۸) البحرۃ البیترہ مک قدوری کی پہلی شرح ابو بکر محمد

العبادی توفی سنہ (۲۹) قتیۃ المینۃ مک نجم الدین الزاہدی الفرغی ۵۶۵ھ (۳۰) محیط السرخی مک (۳۱) النہایۃ

مک (۳۲) بسوط مک امام سرخی (۳۳) فتاویٰ الحجۃ مک (۳۴) النہایۃ مک (۳۵) تحفۃ مک (۳۶) الصیاح

مک (۳۷) الوافی مک (۳۸) الکافی مک (۳۹) خزائن الفقہ مک امام ابو یوسف ۳۸۳ھ (۴۰) الملتقط مک

- (۴۱) شرح المنیۃ للحمی ص ۱ (۴۲) الزاویہ ص ۱۳۱ (۴۳) فتاویٰ غیاثیہ ص ۱ (۴۴) شمنی ص ۱۲۱ فتاویٰ لدین الشنی ص ۱۲۱
- (۴۵) فتاویٰ شیخ الاسلام ص ۱ المعروف بخاہر زادہ ص ۱ (۴۶) شرح المبسوط ص ۱ (۴۷) غیاثیہ ص ۱ (۴۸) منیۃ المصلی ص ۱ (۴۹) خزائنہ المقتبین امام حسین بن محمد اسماعیلی ص ۱ کی تصنیف ہے (۵۰) عینی شرح کنز
- (۵۱) المفید والمرید (۵۲) شرح منیہ ص ۱ لابن امیر الحاج (۵۳) کنز الدقائق ص ۱ (۵۴) خزائنہ فتاویٰ ص ۱
- احمد بن محمد تحفقی صاحب مجمع الفتاویٰ (۵۵) الاسرار فی الاصول والفروع ص ۱ ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی
- م ص ۱ (۵۶) شرح الزیادات ص ۱ (۵۷) شرح النقایہ ص ۱ شیخ ابوالکلام (۵۸) الصغری ص ۱ (۵۹) شرح الحج
- ص ۱ لابن الملک (۶۰) تجنیس ص ۱ صاحب ہدایہ (۶۱) نصاب ص ۱ (۶۲) الکبریٰ ص ۱ (۶۳) توبہ ص ۱ شرح تلخیص
- جامع الصغیر (۶۴) غایۃ ص ۱ شرح ہدایہ (۶۵) فتاویٰ الغرائب ص ۱ (۶۶) محیط السری ص ۱ (۶۷) فتاویٰ غیاثیہ
- ص ۱ ابو نصر عتابی م ص ۱ (۶۸) فتاویٰ قرعانی قلاعن الوقایات اسمایہ ص ۱ (۶۹) صیرفیہ ص ۱ دوسرا نام
- فتاویٰ آہو ہے، (۷۰) مختار الفتاویٰ ص ۱ لابی الفضل مجد الدین الموصلی م ص ۱ (۷۱) قدوری ص ۱ (۷۲) شرح
- منیۃ قلاعن الفتاویٰ ص ۱ (۷۳) فتاویٰ التمر تاشی ص ۱ ابو محمد ظہیر الدین تحفنی م ص ۱ (۷۴) نیایع ص ۱ (۷۵) سفر
- کی نیایع الاحکام مراد ہے یا شرح القدوری (۷۶) شاہان شرح الہدایہ ص ۱ (۷۷) الفتاویٰ الغیاثیہ المعروف
- بجامع الفتاویٰ ص ۱ (۷۸) شرح مقدمۃ ابی الیثمتونی ص ۱ (۷۹) مصفی ص ۱ (۸۰) وقایہ ص ۱ (۸۱)
- انقایہ ص ۱ (۸۲) تہذیب ص ۱ شیخ احمد اقلانی (۸۳) غایۃ ص ۱ (۸۴) جامع الجوامع ص ۱ (۸۵) جوامع الاصل
- ص ۱ (۸۶) التکحیر ص ۱ (۸۷) البرجدی ص ۱ (۸۸) غایۃ البیان ص ۱ شرح ہدایہ (۸۹) غیارات النوازل لصاحب
- الہدایہ (۹۰) برجندی ص ۱ (۹۱) اقرار یعون ص ۱ (۹۲) نقبات ص ۱ (۹۳) فتاویٰ الولو بحیثہ ص ۱ فتاویٰ کی کتاب
- ظہیر الدین ابوبکر تحفنی متونی کی تصنیف ہے (۹۴) شرح نقایہ برجندی ص ۱ (۹۵) الغایۃ السروجی، ہدایہ کی شرح
- ابو الجاس احمد بن ابراہیم السروجی کی تصنیف ہے م ص ۱ (۹۶) المنقی ص ۱ (۹۷) فتاویٰ الکبریٰ ص ۱،
- حسام الدین عمر بن عبدالعزیز ص ۱ (۹۸) فتاویٰ الصغری ص ۱ حسام الدین عمر بن عبدالعزیز ص ۱ (۹۹) الوقایات

(۹۹۹) الجبیتی (۱۰۰۰) التحریر شرح جامع الکبیر للخصیری جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بحفیر  
 م ۶۳۶ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک مفصل ایک مختصر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حوالہ کس شرح کا ہے (۱۰۰۱) فتاویٰ امام  
 کرخی ص ۵۵ امام کرخی مشہور فقیہ ہیں (۱۰۰۲) البقائی (۱۰۳۰) شرح تلخیص جامع البکیر (۱۰۴۰) لخص الحیط (۱۰۵۰) تفصیل  
 العمادیہ جمال الدین بن عماد الدین انجلی (۱۰۶۰) الحادی القدسی قاضی جمال الدین احمد بن محمد المتوفی ۹۳۳  
 یا ۹۳۵ (۱۰۷۰) شرح کتاب الاستحسان کتاب الاستحسان ثمنی کی شرح شمس الانامہ حلوانی نے کی ہے یہ وہی شرح ہے  
 (۱۰۸۰) شرح الزیادات للعتابی، امام ابو القاسم احمد بن محمد العتابی متوفی ۵۸۶ھ کی تصنیف ہے اس پر بیہ نظیر  
 ہے (۱۰۹۰) کتاب رزین (۱۱۰۰) البحر الزاخر، سراج الاولیاء جو مختصر القدوری کی شرح ہے، یہ کتاب سیاحی کا خلاصہ  
 (۱۱۱۰) فضول الاستروشنی، امام محمد الدین ابوالفتح متوفی ۶۳۲ھ کی تالیف ہے (۱۱۲۰) فتاویٰ فضلی، ابو عمر عثمان بن  
 متوفی ۵۸۰ھ (۱۱۳۰) فوائد العلامہ شیخ الاسلام برہان الدین (۱۱۴۰) فوائد نظام الدین (۱۱۵۰) فتاویٰ نسفی، نسفی  
 مشہور فقیہ ہیں (۱۱۶۰) فتاویٰ النجندی، اپنے وقت کے تمام مشائخ کے فتاویٰ کو جمع کر دیا ہے (۱۱۷۰) نوادیر  
 سماح (۱۱۸۰) الواقعات، سبب (۱۱۹۰) الاسعاف، برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر الطرطوسی م ۶۳۳ھ نے اس میں  
 اوقاف کے تمام مسائل اور جزایات جمع کر دیئے ہیں (۱۲۰۰) فتاویٰ رشید الدین (۱۲۱۰) شرح ادب القاضی،  
 غالباً صدر الشہید کی شرح مراد ہے (۲) فتاویٰ ابو جوس کا دوسرا نام فتاویٰ صیرفیہ بھی ہے (۱۲۳۰) المستصفی  
 شرح الانافع (۱۲۴۰) فتاویٰ ابی الفتح غالباً محمد الدین ابوالفتح م ۶۳۲ھ کے فتاویٰ مراد ہیں

تاکہ یہ فہرست سرسری مطالعہ سے تیار کی گئی ہے، مزید تلاش و تفحص سے ممکن ہے کچھ اور نام بھی مل سکیں،  
 تاہم اس سے اتنا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ فتاویٰ کی تالیف میں کس قدر اہتمام تلاش و جستجو و تحقیق سے کام لیا گیا ہے،  
 عالمگیری کا سنہ تصنیف | فتاویٰ عالمگیری کے سنہ تصنیف کی یقینی تعیین کرنا تو بہت مشکل ہے، لیکن ذیل کے بیانات  
 سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، عالمگیر نامہ کا مصنف عالمگیری کی حکومت کے گیارہویں سال کے واقعات میں لکھتا ہے  
 ”چون مکی ہمت والا تہمت شریعت پر لے آئے خداوندین پروردی پروردہ مصروف است باانکہ

کافر مسلمین و احکام دین متین بمسائلے کہ اکابر علماء و ائمہ مذہب شریف حنفی برای فتویٰ دادہ  
معمول بہا معمول علیہا دانستہ عمل نمایند ... مہمذا مجموع آں ایک کتاب حاوی نیست  
... لاجرم یہ ضمیر ہر انوار در امور دین و دولت بقضوی امام کار گزار است پر تو اس عزیمت  
افت کہ جسے از علمائے پایہ سرریخی کتب معتبرہ نسخ بسوط آں فن را کہ ہر کتاب خانہ فاضلہ سر  
بروز گزاراں از اطراف دکانات عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ از ردی تحقیق و تدقیق  
و خوض و غور این بجہ تالیف آں مسائل پر داند و از مجموع آں نسخہ جامعہ مرتب سازند تا ہمکنار  
را اشکافات مسئلہ منتقیا بہام ہر باب مراجعت آں کتاب بہولت و آسانی دست و دہد ...  
چوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایہ اقسام پرید و جہانیاں را از سائر کتب فقہی  
منتفی خواہد بود۔

مرآۃ العالم میں ہے،

چنانچہ قریب دو لکھ روپیہ صرف لوازم این کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد  
شدہ و انتہا شدہ ہر گاہ آرائش تمام و پیرایہ اقسام پرید و جہانیاں را از سائر کتب فقہی  
منتفی خواہد بود۔

ان بیانات سے اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ششہ میں جو عالمگیری کی حکومت کا گیارہواں سال چلایا  
اسے کچھ پہلے فتاویٰ کا کام شروع ہو چکا تھا، مگر چونکہ کتاب صورت اتمام گیرد و پیرایہ اقسام پرید  
یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی،

لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیری کا ذاتی کتب خانہ تھا جو بڑی کوشش سے جمع کیا گیا تھا جس میں فقہ کا تمام مواد لکھا تھا  
موجود تھیں لہٰذا عالمگیری نامہ فقہ فقہی نسخہ دار المصنفین کے کتاب بھی عالمگیری کی حکومت کے ابتدائی وس  
گیارہ سال کے واقعات پر مشتمل ہے،

اگر ششہ یا ششہ کو اس کی تالیف کا زمانہ قرار دیکر اسی کے ساتھ اس مشہور روایت کو بھی ملا لیا جائے کہ اسکی تالیف میں آٹھ برس کی مدت صرف ہوئی تو اس کی تکمیل کا زمانہ ششہ یا ششہ قرار پایا لے گا، فتاویٰ کا فارسی ترجمہ کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، اس نے عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، انکی آسانی کے لئے اورنگ زیب نے چلیبی عبداللہ اور ان کے چند شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور کیا، مرآۃ العالمین ہے،

”برائے سہولت ہنگاموں ... چلیبی عبداللہ ... با چند تلامذہ مترجم فاضلین این بشارت

مامورہ (ص ۲۷۱ تلی نسخہ)

تبصرہ الناظرین میں ہے،

”چلیبی عبداللہ ترجمہ ان (عالمگیری) مامورہ (ص ۲۷۱ تلی نسخہ)

مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ ترجمہ پورا بھی ہوا یا نہیں اور نہ اس کے وجود کا کوئی سراغ مل سکا، فتاویٰ کے مؤلفین کی صحیح تعداد کی تعیین مشکل ہے تلاش و تفحص سے سولہ آدمیوں کے متعلق تذکروں میں یہ تصریح مل سکتی ہے کہ وہ اسکی تالیف میں شریک تھے، جن کے حالات درج ذیل ہیں، شیخ نظام برہان پوری (نظام نام، برہان پور دگر جرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں اور کوئی تصریح نہیں ہے،

قاضی نصیر الدین برہان پور کے مشہور مجتہد اور متبع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی اور اساذکی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم متبحر عالم ہوئے،

عالمگیر کو شاہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامنِ دولت سے وابستہ کر لیا اور پھر آخر وقت تک حد انہیں کیا، شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت

لے معارف نمبر ۶ جلد ۵ مضمون ”عالمگیر کا علمی ذوق“ سید صاحب الدین جہانگیر علیہ القباس فرماتے ہیں ”سید محمد کریم علیہ السلام“

سے حکومت کے بڑے سے بڑے اہل علم و ادب سے حاصل کئے،

عالمگیری کوئی علمی و سیاسی مجلس شکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب اثر عالمگیری نے متعدد جگہ اہم تذکرہ کیا ہے، عالمگیران کا اتنا احترام کرتا تھا کہ دربار کے آداب و تسلیم کی پابندی سے مستثنیٰ تھے، محبوب الاجاب میں ہے،

”از کورنش و تسلیم و دیگر تکالیف نوکری معاف بود (ص ۵۶)

جب فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تالیف کے لئے علماء کی جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض ہوئی، عالمگیر نامہ کا مصنف ”فتاویٰ عالمگیری“ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

”دوسرے درگاہی اہم اصحاب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل

معقول و منقول است تفویض یافت“ (ص ۱۱)

مراۃ العالم اور آثار عالمگیری میں ہے،

”دوسرے درگاہی اہم اصحاب مقدمہ نظام تفویض یافت“ (ص ۱۲)

تذکرہ علماء ہند میں ہے،

”در فتاویٰ عالمگیری سنی فرادہ نمود“

شیخ عبدالرحمن بجاوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاویٰ عالمگیری ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر سے مقدمہ میں لکھتے ہیں،

”وجعل رئیسہم فی ذلک المولیٰ الہما المشیخ المنظار“

زمانہ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہی برس سے

زیادہ کی عمر پائی محبوب الاجاب میں ہے،

لہ اقتباس فرحۃ الناظرین تذکرہ علماء ہند آثار عالمگیری ص ۱۷۱ لہ آثار عالمگیری ص ۱۷۱، ص ۱۷۱ قلمی نسخہ دارالمصنفین

”ہنگام تحریر کتاب مرآۃ العالم شریف شیخ فرید الدین بن محمد بوندہ تاریخ وفات شیخ

دیدہ شدہ“ (ص ۱۵)

محمد سانی مستند خاں نے ان کے پسندگان میں چار لوگوں ملک منور شیخ لاڈ، شیخ عبداللہ اور شیخ ابوالخیر کا ذکر کیا ہے، ان میں تین یعنی ملک منور شیخ لاڈ اور شیخ عبداللہ شاہی خطابات کے علاوہ منصب چار ہزاری سے بھی سرفراز تھے اور شیخ ابوالخیر دار و قلم جائے نماز تھے۔

برسید محمد تنوچی محمد نام، اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے عہد عالمگیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے، ریاضی و ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے شاہجاں نے بڑی تعلیم و اکرام کیساتھ انھیں دربار میں بلایا اور اپنے مقررین خاص میں شامل کیا، شاہجاں کے بعد جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اُس نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبر آباد سے دلی آیا تو انھیں بھی اپنے پاس بلایا،

عالمگیر کو امام غزالی کی تصنیفات، خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا اُس نے امام کی اکثر کتابیں سید محمد تنوچی کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں، تذکرہ علماء ہند میں ہے،

”مصنفات حجت الاسلام غزالی خصوصاً احیاء العلوم بیش و سہ سید محمد دیدہ“ (ص ۲۱۵)

ہفتہ میں تین عالمگیر کی مخصوص علمی مجلس ہوتی تھی، جس میں لوگ میر صاحب سے استفادہ کرتے تھے، تذکرہ علماء ہند میں ہے،

”در ہفتہ سہ روز ہذا کرامت علوم در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی“ (ص ۲۱۶)

ان کو دربار میں بھی کافی درخور حاصل تھا، عالمگیر کی ہر مجلس میں وہ شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح انہی کی وکالت میں ہوا تھا، ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر دوسے پورا دراجیر کی ہم میں گیا، او وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے اسے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد تنوچی نے اجیر جا کر لے آئے، ۱۰۹۳ھ میں تذکرہ علماء ہند ۱۰۹۳ھ میں لکھا، ۱۰۹۳ھ میں اور درجہ اثر عالمگیری لکھا، ۱۰۹۳ھ،



عالمگیر سے ملاقات کی، اس نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ایک ہزار نقد اور میووں کے دو خان تحفہ پیش کئے۔

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے لئے علماء کا انتخاب ہوا تو قرعہ انتخاب ان کے نام بھی پڑا، چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا، تذکرہ علماء ہند میں ہے،

”و تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جلیل بکار برد“ (ص ۱۳۷)

وفات کے متعلق کوئی تصریح نہ کروں میں نہیں لیتی صاحب آثار عالمگیریؒ کے وفات کے ضمن میں لکھا ہے،

”سید شریف پسر قدوة المشایخ میر سید محمد قزوینی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی دشاہجا“

جو فضل و کمال، عقل و شعور میں شہرہ معروف تھے، کردہ گنج کی خدمت میں امجد ہوئے“ (ص ۱۳۷)

اس بیان سے آنتہ یہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، آثار عالمگیری نے ضمتان کے دو ترکوں سید شریف و سید احمد کا ذکر کیا ہے، سید شریف کردہ گنج کی خدمت پر مامور تھے، اور سید احمد کا بھی جوہر کے انتقال کے بعد عمدہ احتساب پر سرفراز ہوئے،

تلاذہ میں مولوی اصغر علی قزوینی بڑے صاحب علم اور صاحب تصنیف گذرے ہیں،

علامہ جلیل ابن پور کے ایک علی خا فوادہ میں ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نور اور والدہ علامہ عبدالحکیم اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے، اسی ماحول میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور اسی علم پر وہ فضا میں پروان چڑھے،

ابتدائی عربی و فارسی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبدالرشید (جو اپنے وقت کے مفتی عنایت احمد تھے)

لے آثار ۱۱۵۰ھ ایضاً ص ۲۱۶ سے تذکرہ علماء ہند میں ان کی چند تصنیفات یہ ہیں تصوف میں اللطائف العلیہ، بقرۃ المدارج، تفسیر شوق لب النزیل اور اس کے علاوہ مخصوص الحکم کی شرح اور کئی عربی تصید سے انکی یادگار ہیں۔

سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ وغیرہ پر بھی پھر مولانا نور الدین مداری کے درس میں شریک ہوئے، ان سے دسی کتابوں کے علاوہ انور العلوم خاص طور سے پر مبنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاد نے دلی کا قصد کیا، شاگرد نے کتاب کے ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، استاد نے فرمایا کہ اب تمہیں درس کی ضرورت نہیں ہے، مطالعہ کافی ہے!

ملا جمل طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت و طباعی میں ضرب المثل تھے، انہایت اخاذ طبیعت پائی تھی ایک مرتبہ مطول کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کر کے اپنے استاد مولانا نور الدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب و وضاحت سے بیان کیا، استاد نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں تمہاری تشریح سے سمجھا، ملا جمل کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور میر شریف کہا کرتے تھے جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پران کی ہیبت طاری ہو گئی، مشاہیر جو پور میں ہے،

”اچنانچہ جو دہن بود کہ اگر یک با حق کے کتاب میں حاجت عاشرہ اندہ ہر مطالب قیق کہ پڑا  
نور بقوت ذہن مل گردد، بارہا استادش فرمودی کہ ملا جمل رامالی علامہ میر شریف و ملا جلال گفتن  
بیجا نیست، و قیام کہ ملا جمل دارد، دہلی شد، شہر فضیلتش چنان شائع گردید و ہمیشہ تاروی (طاری) شد کہ  
بہر در سس کہ رسیدے درس موقوف گئے تو روزے در مدرسہ ملا لطف اللہ دہلوی رفت  
در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمد نہ!“

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھا دئے گئے، اور شاگردان علم ان کے چشمہ فیض سے سیراب ہونے لگے، مشاہیر جو پور میں ہے،  
”عالم جملہ علوم کر دید و درس گفتن آغاز کرد و چنان شد کہ بہ زمرہ علماء مشاہیر ہویت و علم

یکتا بی با فراشت بسیاری طلبہ از دستان فاتحہ فراغ خواندند“ (ص ۱۷۳)

۱۷ مشاہیر جو پور ص ۱۷۲ معانی و بیان کی ایک کتاب ص ۱۷۳ مشاہیر جو پور ص ۱۷۴ ایضاً ص ۱۷۴

جو پورے حکم مفتی میں ایک بہت وسیع اور بختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے، تیسرے نور الدین اس مہمد علی اور روحانی کی بربادی پر بڑی حسرت سے لکھتے ہیں،

”چون زمانہ درگون شد انکوں آثاری ہم باقی نہ ماند جز اینکه بر این سرزمین کہ پیش دروازه شاہ

طفیل حسین است کشت کلائی شود و چشم بعیرت مشاہدہ پنجادنیائی کند (دعوت)“

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت سی لیکن ان میں مولوی نظام الدین اہلنگ آبادی، مولوی نور الہدیٰ

اور ملا نور الدین جو غفر غازی پوری زیادہ مشہور ہیں،

اصلاح باطن | مشاہیر جو پور میں ہے،

علاوہ فضائل صوری صاحب کمالات باطنی ہم بود و بیعت دارادت اذ دیوان عبد الرشید اور

اٹھتر برس کی عمر باکرہ رجب ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبد الجلیل کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

مرد ملا جمیل علمش مرد خانہ باقی نہ صاحب خانہ

بہر تاریخ فاضل نامی از فضیلت ربودا فنا نہ

پہانہ گمان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جو پور نے کیا ہے، مولوی غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین و شاہ تمیم الرحمن،

ان کی اصل علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے جن کے ذریعہ ہزار ہا تشنگان علم سیراب ہوئے ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگار ہیں جن سے اہل علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں،

آپ نے مطولاً تشریح جاتی ہے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشیے لکھے، اس کے علاوہ دور سارے ایک فقرہ اور ایک تصوف میں مینہات جمیلی تحریر کیے لیکن سب بڑا زہد جاوید کا نامہ قادیان

لے تمیز نام صاف طور سے پڑھا نہیں گیا،

کی تصنیف میں شرکت ہے، شاہرہ جوہر میں ہے،

”دقیقہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاویٰ منسوب باسم خود فضلہ ناموران دیار ہند

طلبید از جون پور ملا میل را برچید و ایشان را بجزو خواستہ شریک مجمع اجتماع نمود (ص ۸۳)

قاضی محمد حسین جوہری | جون پور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں تھے، آخر ان افریقین میں

”از علم و فضل بہرہ وافر داشت (ص ۸۴)“

شاہجہاں کے عہد میں جون پور کے قاضی تھے، عالمگیر کے عہد میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جلوس عالمگیری کے ساتویں سال دربار شاہی میں حاضر ہوئے، عالمگیر نے انعام و اکرام کے علاوہ فوج کا عمدہ احتساب بھی ان کے سپرد کر دیا اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی خدمت کو انجام دیتے رہے، محبوب الاجاب میں ہی ”و خدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشیدہ رخنہ شاہی و ترویج احکام رسالت پناہی و قی

الکات ملاہی کو شش درادہ بکار برد“ (ص ۸۵)

بختم و خاں پر جو عالمگیر کا بہت مقرب امیر تھا قاضی صاحب اور ان کے علم و تقویٰ کا بڑا اثر تھا، عالمگیر سے بھی ان کے علم و فضل و دیانت و تقویٰ کی تعریف کرتا تھا، ۱۰۹۹ھ میں عالمگیر نے ان کو عمدہ احتساب کے علاوہ اور بھی مناسب و مراتب عطا کئے، ان کا عالمگیری میں ہے،

”بادشاہ ہمزبور نے ان کو ایک مہدی مصفب وار مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خاں خانہ عانت و ادا

اور اپنی سیفہ شکاری سے مرتبہ امت خانہ پر سر فرزند ہو کر دینا سے رخصت ہوئے“ (ص ۸۶)

ان کے ان کمالات کی بنا پر ان کو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا اور اس کی تکمیل میں ان کا

بڑا حصہ ہے، تذکرہ علمائے ہند میں ہے،

”اور تالیف فتاویٰ عالمگیری بے سنی نمود“ (ص ۸۷)

محبوب الاجاب میں ہے،

”ایک رب قادیانی عالمگیری تالیف نمودہ“ (ص ۵۷)

آثر عالمگیری کے بیان سے سو و فات ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۲۸۰ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس سنہ کے اتھار کے ضمن میں لکھا

”تافھی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد پیر سید محمد قنوجی کو خدمت اعباب عنایت ہوئی“ (ص ۵۸)

ارباب مذکورہ نے اولاد پس اندگان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ قادیانی کے علاوہ کسی دوسری علمی یا کار کا کوئی علم یا شیخ وجہ الدین گواہی دے سکتا ہے اور وہاں کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گویا سوان کا وطن تھا، نہایت ہی ذہین ذکی اور ضابطہ تھے، علم و فن کے علاوہ تحریر و تقریر میں بھی ملکہ تھا، علم معانی و بیان میں بے نظیر تھے، فرقتہ انساظرین میں ہے،

”خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود“ (ص ۵۹)

یہ شیخ جب ولی گئے تو پہلے پہل داراشکوہ سے ان کا علمی تعلق رہا، داراشکوہ کی وفات کے بعد عالمگیری حکومت کے نویں سال یعنی سنہ ۱۲۸۰ میں عالمگیری کے دربار میں حاضر ہوئے، اس نے حسب مرتبہ ان کی بڑی توقیر کی، اور منصب و مراتب سے بھی سرفراز کیا،

قادیانی عالمگیری کی تالیف میں عالمگیری نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں، مجد اسلم کے بیان کے مطابق آپ جو تھائی کام ان کے سپرد کیا گیا۔

”بر تریب و تالیف ربی از قادیانی عالمگیری مامور شد“

قادیانی کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے، زرخش کی قسط اس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں کی لائبریری میں سنہ ۱۲۸۰ کا لکھا ہوا موجود ہے، اس شیخ وجہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے، اکاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے،

”عبارت منقولہ از دستخط مولانا وجہ الدین رئیس ملک قادیانی عالمگیری“

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیانی کی تالیف میں ان کا کافی حصہ تھا، اور جنس

اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی، (باقی)

لے بصرفہ انظرین لے فرست مخطوطات فقہ پٹنہ خدا بخش خان لائبریری،

## دو کیا کتابیں

از جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب مدنی

جنوری ۱۳۲۷ء کے معارف میں مخترمی سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز کے حالات میں ان کے ایک صحیح الارادات معتقد کا تذکرہ فرمایا تھا، جو زاد المسافرین اور نہتہ الارواح وغیرہ کے مصنف تھے، ان کا معارف نام تو امیر حسینی تھا، لیکن اصل اور بڑا نام یا پیدالقب ہر تاریخ نویس اور تذکرہ نگار نے کم و بیش غفلت کھا دی، تفصیل صفحہ ۶۴ پر ملے گی، صاحب سیر العارفین نے امیر کی سچلہ معتقد تصانیف کے نظم میں زاد المسافرین و نہتہ الارواح کا نام لیا ہے، سید کرم نے نہتہ الارواح کے ایک قلمی نسخہ کا موزہ برطانیہ میں موجود ہونا اور قام فرمایا ہے،

محمد بن (موطن سادات) میں ان میں سے بعض کتابوں کے موجود ہونے کا مجھے علم تھا، میری طلب خواہش پر پیراہ زادہ عزیز سید انیس احمد متناثر بطول حیات ان کو لے کر میرے پاس آئے، میں نے ان کو دیکھا، ان میں دونوں کتابیں موجود تھیں مگر متنوع اشغال سے ان کے متعلق کچھ لکھنے پر معذور رہا، ذیل کے سطور میں انہی کے متعلق کچھ تفصیل پیش کرنا ہے،

(۱) زاد المسافرین :- یہ مخترسی شہنوی امیر کبیر سید حسینی ہروی کی قابلِ عزت تصنیف ہے جن کی نسبت استعارہ کی زبان تو یوں کہی ہے،

چشم دولت ز سوادِ قلش گشتہ منیر      باغ دانش ز سحابِ کرش گشتہ نغیر

زاد المسافرین کیاب کتابوں میں سے ہے، اپنے شدید مگر ناکام شوق مطالعہ کتب قدیمہ اور محدثہ و معلومات لیکن وسیع تلاش پر نگاہ ڈال کر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب عزیز الوجود ہے، پیش نظر نسخہ انتخاب حدیقہ کے ہم جلد نور چشم سیدائیں احمد کا حاصل کردہ و ملوکہ ہے، جن کو بیش قیمت قیمتی کتابوں کے فراہم کرنے کا خاص سلیقہ اور ان پر طالعمانہ دست و برد و تصرف میں یدِ طولیٰ حاصل ہے، آثار یہ کہتے ہیں کہ شروع ہی میں کسی شوقین و خوش فکر و خوش حال کی ملک میں رہا ہو گا، جلد پر ابری یا چڑے کی زیبائی اور غنائی رنگ کی کاشانی غل نے پائی ہو، جس پر باہر کی جانب سفید جدول یا اکری دھاری تھی، یا کوئی نازک سی باریک سیل رہی ہو، گلاب مٹ چکی ہو، پٹھا کٹے ہوئے کاغذ کی بُدی سے بناتھا، کپڑوں کی ترک تاز سے منبک اور خاک و خاکستر بھرا ہو، عروہ پری ہو چکی پھول کی پتھر ٹیوں کی طرح دینے کے جزا خود بخود بکھرتے چلے جاتے ہیں، کاغذ و لایتی، چکنا چکدار تقطیع اسو سط کتابی، تعداد صفحات ۴۶، سطر میں فی صفحہ ۸، حوfter میں ۲۸-۲۸ مصرعے حاشیہ پر، جدول دہری خوش نما، نظرفریب، لکیریں نیلی اور سیاہ اور سنہری، مصنف اور کاتب کے نام سے پورا کتاب خالی ہے، حالانکہ کئی ورق اسی اہتمام و تکلف سے تیار کئے ہوئے آخر جلد میں سادہ لگا دیے گئے ہیں، انتخاب حدیقہ اور اُس کے آخری صفحہ کی آخری سطر کے ساتھ ورق اٹل جانا ہوا اور بلا کسی فصل و افراق کے پہلی ہی سطر میں شجرت سے زاد المسافرین لکھا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے، دوسری سطر خدائے رحمان و رحیم کے پاک نام اور اچھی شوخ سیاہی سے شروع ہوتی ہے، مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے ۵

در ہفصد و بست و نہ ز ہجرت گشت آخرا میں کتاب تمت

معارف نے "ایں کتاب فتمت" لکھا ہے، میرے نسخہ نویس نے تمت "اسی طرح پہلے مصرع کو معارف میں ہفت صد و بست و نہ" چھاپا ہے، میرے نسخہ میں ہفصد و بست و نہ ہے، شاید شعر کا

وزن بھی ہفت کی ت گراوینے کا متقاضی ہے، ممکن ہے کہ الفاظ کا یہ رد و بدل تذکرہ دولت شاہ کے دخل و مقولات کرنے والے کاتب کے قلم کا ثمرہ ہو، جہاں سے مولانا نے اس کو نقل فرمایا ہے ایسے اختلافات اور لفظی تغیرات معارف کے نقل کردہ چوبیس اشعار اور اس مکتوبہ میں جا بجا نظر آتے ہیں اشعار کا بے تکلفانہ تبادلہ اور کمی بیشی بھی نمایاں ہے مگر اس کا اثر نفس مضمون یا اولے درعایہ نہیں، شیخ صدر الدین (سید حسین) نے اس کتاب کو اپنے بزرگ مرشد شیخ بہاء الدین زکریا کے شاگرد فیض گنجینہ پرمستان میں بیٹھ کر لکھا تھا، اور حضرت نے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس ستودہ صفات ناظم کی تحسین و آفریں فرمائی تھی، مولانا صاحب الملتہ والدین کے رد و واصل کتاب نہ تھی تاہم موصوف نے اس کے متعلق علمی و علمی سرمایہ اور ظاہری و باطنی کمالات و کمالات سے مالا مال ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، عجائب خانہ بریطانیہ اور کتب خانہ شاہان اودھ کی فہرستوں اور دیار اللہ اور تلامیذا الرحمن کے تذکروں سے اقتباس و انتقاط فرما کر بقدر ضرورت سب کچھ لکھ دیا جو شمار جزوی ۱۹۲۶ء صفحات ۴۶ لغایت ۵۸

مجھے ان کے اعادہ و باز خوانی کی ضرورت نہیں میں صرف ان ہی چند باتوں کو حوالہ قلم کرنا چاہتا ہوں، جو مولانا کے خامہ غنیز انشاں کے رشحات سے فیض یاب نہ ہو سکیں، اور اس کم سوا و بے ہتھ انداز کے لئے خود بخود جھوٹ گئی ہیں، مولانا کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، کہ سید علیہ الرحمۃ کی اور تصانیف کی طرح زاد المسافرین کا موضوع سلوک و طریقت و معرفت ہے،

سب پہلے اپنی اس بے باکانہ جرأت اور گذارش کا عذر خواہ ہوں، کہ شیخ کے طریق بیان اور طرزِ خدادادِ صوفیانہ تعلیمات کا اندازہ کرنے کے لئے جس حصہ ثنوی کا انتخاب دونوں قدامتوں یعنی دولت شاہ نے تذکرہ میں اور آذر نے آتش کدہ میں فرمایا ہے، وہ ایک حکایت ہے، بچاؤ وہ کیسی ہی عجیب و سہل آموز تھی تاہم اس ناقص انعم تبصرہ نگار کے نزدیک اس کے اشعار میر کے



بہترین کلام یا زاد المسافرین کے زیادہ بلند و برتر یا شیریں ترین ابیات میں شمار نہیں ہو سکتے،  
 شہنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے کیا جاتا ہے، پروردگار عالم و عالمیاء کے حضور میں سبکی  
 نعمتوں اور رحمتوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السلام کی حیرانی و سرگردانی کا ذکر فرماتے  
 ہیں اور بلاشبہ بڑی قابلیت اور عالمانہ نقض و کمال کے ساتھ اس صحیفہ زرخیز و ہدایت اور وحدت پرستی  
 کی تعلیم کا آغاز فرماتے ہیں، حتیٰ کہ نعت شریف و مناقب ابرار و اہلار کی منزلیں طے کرنے کے بغیر، ہم  
 ایسے نااہل دنیا داروں سے خطاب ہوتا ہے،

بشتو بسرا بیان حالت	علم و جدست قیل و قال
مٹے کہ خدے داں شوی تو	انیت کجا ہی دوی تو،
اں علم طلب کہ با تو ماند	دآں دم کہ ترازو رہا ند
اں علم فریضہ تانہ خوانی	تحقیق صفات حق نہ دانی
اے طبع و ہو ا مسلم تو،	تا کی لحد و لا فسلم تو
خود را بگذاں کردہ گرم	آخر غذا نیایدت شرم
از خود بحدامرد بتاویل	تشبیہ کن بوجہ تسیل،
ز نہار بچبت قیاسی	عزہ نشوی بخت شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جانے میں اور ان مقالات کے دور یا ذیل میں متعدد حکایات

قصیر و طویل بھی آتی جاتی رہتی ہیں،

پہلا مقالہ جس کو خوشنویس نے ”مقالات اول“ لکھا ہے، حق سبحانہ تعالیٰ کی تشریح و تقدیس اور  
 سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے، اس میں بھی وہی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز  
 بیان قائم رکھا ہے، فرماتے ہیں:-

ہندو کہ ہمیشہ بت پرست ہر صبح دعائے فرستد  
جز ذکر تو نیست در زبانش زنا و فاست در میانش  
ایں جملہ ز دین و ملت خویش جز تیر غمت ندیدہ در کیش

اس کے آگے وہ شتر آجاتا ہے جو مشہور عام اور مقبول خاص ہو چکا ہے اور جس کی نسبت مجھے  
شہدہ ہے کہ کسی اور با کمال ہنرمند کا ہے، یعنی

مرغان چن بہر مباح خواند ترا با صلاح  
مرغان چن کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے،  
چوں فاختہ ہر کہ در جان است کو کوزن کوے تست پیوست

دوسرا مقالہ فیصلت و شرف انسانی کی بحث میں ہے، غفلت و نادانی پر سرزنش،

اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا نکتوں  
کے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو،

موسای زئ مسراق محمود مستانہ دوید بر سر طور  
گفت اے ز تو بود ہرچہ بود مارا بتو ہم تورہ نمودہ،  
گر نزد منی بکات جویم تا با تو حدیث خویش گویم  
در دور تری بر آرم آواز باشد کہ بخود درم کتی باز  
بشنو تو ز ہمتے جوابے کے از تو بہ پیش تو نقابے  
ایں جانے حوالہ نیست بگذار من با تو ام از خودم طلبدا  
افتادہ ہرہ ہر شش در اینجا بود اے حریف ہنگر  
شاہان جہاں دریں خیالات بر نطع غنم جملکے مات

از غایت قرب و در دوست  
ہر مرغ بہ دانہٴ صبور است

ایں آتش ماچگو نہ میسرد  
کیں در دوا نی پزیرد

یاد آرزو کہ نیست یا دت  
بے شرم کے کہ شرم بادت

فیصلہ مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے،

جو تھا ارشاد و معاملت میں، اس میں سالک طریقت کی توصیف میں ایک مستقل عنوان اختیار

کیا ہے، حکایتیں کئی ہیں ”ریدن سالک بہ نفس دل“ پہلی ہے،

ایک حکایت وہ بھی ہے جس کو دولت شاہ اور آذر نے نقل کیا ہے، یعنی

ایں طرہ حکایت ست بنگر

پانچویں مقالہ میں عشق اور اُس کے مرتبہ کا بیان ہے، اپنے مخصوص رنگ میں پوشے زور کیسے لکھا

چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اُس کی صفت میں ہے،

ساتویں میں معرفت کا بیان اور اسکی تحقیق ہے اور خوب ہے،

آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے ”در بیان حال شرف باد شرف می رسد“، یہ مقالہ اپنے مابقی

مقالوں سے کسی قدر دراز تر اور تفصیلات سے معمور ہے، اہل اسکی پرچہ در چند مواعد و نصاب و غایط

کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

در بیت گراں بہا کہ سفتم  
در باب کہ گفتنی بگفتم

ہمدستہ و گلبن یقین است  
ہم تو شہرہ رواں دین است

از بس کہ فشانند بحر من در  
شد دامن آخر الزماں پر

ایں گلشن کرے کہ من سر شتم  
در ہشت مقالش ہشتم

شیخ است کہ از دلم ہر فروخت  
ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت

یک نکتہ او کہ جاں کند شاد	بر دل درہشت باغ بکشا د
آنکس کہ بیافت اندکے بوسے	دانت کہ چوں شگافتم موسے
تاجت سران نامور را	نہ پارہ دست کون خورا
چوں اہل خرد ہر دیا رسے	زیں تحفہ بر نند یاد گارے
ایں نور ہر طرف کہ تابد	یعنی کہ مستجول ہر کہ یا بد
زیں گنج کہ را نگاہ کشا دم	دارو بد عاے خیر یا دم
در ہنصد مہیت و نہ زہرت	گشت آخر ایں کتاب تمت

یہی آخر اس چودہ سوچین (۱۴۵۶) بیتوں کی شہنوی اور میرے ناچیز تبصرہ کا ہے،

۲۔ نزہۃ الارواح :- یہ کتاب بھی امیر حسینی کی تصنیف ہے، اکتوبر ۱۹۲۷ء کے معارف میں

مولوی پروفسر عبدالحکیم خاں صاحب نے سلطان جہاں منزل کے کتابخانہ عالی کے نزہۃ کے ایک

قلی نسخہ کا حوالہ دیا ہے، اور نمبر ۲ پر کسی قدر زیادہ شرح و ربط سے بیان فرمایا ہے، اپنی کتاب کے

مطالعہ کے بعد میں بھی موصوف کی تحریر اور اسے زریں کی تائید کرتا ہوں اس کی اٹھائیں تفصیل ہونا مسلم

اور ان کی تفصیلات و مباحث بھی صحیح ہیں، زبان البتہ بعض جگہ توجہ طلب اور قدرے مشکل ہی، طرز ادا

منطقی اور پیچیدہ ایک نقص و طریقہ خود ہی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اس پر مستزاد

کہ فاضل مصنف نے اپنی مشکل پسندی اور وقت نظر سے بچھ ایسے عامی پڑھنے والے کے لئے کہیں کہیں

اور بھی دشواری فہم و لغت آموز بنا دیا ہے، نزہت میں جو عربی ابیات و اشعار داخل ہیں وہ بھی دشواری

و اشکال سے خالی نہیں، جو رئیس قبائیں دوسروں سے مستعار لی ہیں ان میں بھی یہ خشن اور کرپاسی پونہ

نمایاں ہیں، اللہم اغفر!

انہیں مدغم کا نسخہ جیسی قطع کا قیمتی ولایتی کاغذ پر ہے، مطالعہ مذہب، جداول نہایت خوش رنگ

بلکہ فریبِ سرورق سہرا نازک، باریک قلم کا رُخ نہایت پاکیزہ نستعلیق شاندار اوراق موجودہ کاشفاً،  
حاشیوں پر جو عبارتیں اور اشعار بعد کتابت اضافہ کر دئے گئے ہیں ان میں سے بعض میں حضرت مصنف نے  
خود کو حسینؑ، کہہ کر یاد فرمایا ہے، ص ۱۱۱ "اے حسینؑ جو دوست فاش و نہاں .. ."

یہ سب اضافے پختہ اور صاف خط میں مگر دوسرے قلم اور دوسری سیاہی سے ہیں، میں نہیں کہہ  
کہ یہ اضافے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہیں یا کسی غیر کے،

تصوف کی کسی کتاب کی نسبت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا مصنف جماعت اہل سنت سے  
ساہم قاریانِ قلم کے لئے اس قدر اطلاع مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں نسبتِ پاک کے بعد امیر المومنین  
ابوبکر صدیقؓ اور فاروقؓ اعظمؓ اور عثمانؓ ذی النورین کے مناقب ہیں، رضی اللہ عنہم،

امیر المومنین علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں ان کے دونوں بابرکت پیش روؤں کے مقابلہ میں کتنی  
زیادہ سطرین پائی جاتی ہیں اور زور دار لیکن حاشا کہ ان میں تفصیل یا میل الی انتیخ کا شاہ بھی نظر نہیں آتا، اس کے بعد  
فضول اور بے ادبی و معارف و مقالاتِ سلوک شروع ہو جاتے ہیں،

میرے لئے سب سے زیادہ رنج و یہ بات ہے کہ اس کے اوراقِ اخیر غائب ہیں، جی کہ مصنف علیہ الرحمۃ  
والعزراں کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان غلام نے نقل فرمایا ہے وہ بھی اس نسخہ میں باقی نہیں، اس نسخہ میں فصلِ بیست و ہفتم  
کے دو صفحے پورے کر کے لکھا ہے،

"یہ شیخ چون مقصد رسید مقصوداں احرار و بخاطرش بگذشت دست بدعا بردتا دستبرد و

نماید گفت اے کرمتم بای ماندگانرا - - - - (باقی مقصود)

معارف کے قاریانِ منظم میں کسی خوش نصیب کے یہاں زہرہ کے یا خیرین اوراق محفوظ ہوں تو براہِ کرم  
(مقبولِ صمدی، یحییٰ پور، الہ آباد کے پتہ سے) مجھے آگاہ فرمادیں، لہٰذا ان اوراق کی نقل حاصل کرنے کا انتظام کروں،  
اور یہ قدیم نسخہ مکمل ہو جائے، واللہ لا یضیع اجر الحسین،

استدراک، تبصرہ بالا کی رسید ادارہ عالیہ معارف سے آچکی تھی کہ ایک اضافہ طلب بات میرے علم میں آئی تحقیق ضروری کے بعد مزید تفصیل گزارش کیجائے گی، انشاء اللہ المستعان،

مطبوعات کی فہرستوں کی ورق گردانی سے جو انتخاب حدیقہ کے لئے کی گئی یہ واضح ہوا کہ (۱) مثنوی زاد المسافرین منشی نول کشور کے مطبع میں چھپ گئی ہے، ڈیڑھ آنہ قیمت ہے، (۲) البتہ ۱۹۲۲ء کی فہرست کتب (ص ۹۳) میں معمولی بے اعتدالی یا نادانیت سے یہ لکھا گیا تھا کہ ”ملاحسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے، تصوف کے رموز خوب بیان کئے ہیں“ ۱۹۳۴ء (ص ۱۴) میں اصلاح ہو گئی، سید حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار پائی ۱۹۳۵ء کی فہرست میں بھی یہی انتساب قائم رہا،

(۲) اسی نام زاد المسافرین کی ایک کتاب حکیم ناصر خسرو کی تصنیف ہے، برلین (جرمنی) کی کتب کا دیانی نے جو قدیم و جدید فارسی کی قابل قدر مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لئے مشہور ہو سکو چھاپا ہے، اور اس کو حکمت و فلسفہ اسلامی پر بہترین تصنیف، معرکہ الآراء کتاب، اور عرصہ سے نایاب بتایا ہے، ناشران کی جانب سے یہ بھی اعلان ہے کہ اس کی چھپائی میں اہتمام خاص کیا گیا ہے، حجم چھ سو صفحات سے زائد، قیمت آٹھ روپیہ،

## القضاء فی الاسلام

اس میں طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے فہم کر کے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ مفید

فہم ہے، صفحہ ۹۲، قیمت ۱۰

”منیجر“

# سندھی رسم الخط کی تاریخ

سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے

مترجمہ جناب نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے پھر اعلیٰ کالج لاہور

”آپ کا بھیجا ہوا نوٹ پڑھا، ماشاء اللہ آپ کے نئے گورنر صاحب علی بھی ہیں، شاید سندھ سے مسلمانوں کی محبت بھی تحفہ میں ساتھ لائے ہوں، گو انگریزوں کو مقامی حالات کے مطابق بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، سندھی رسم الخط کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، صحیح معلوم ہوتا ہے، ۱۸۳۳ء میں مقدسی عرب سیاح یہاں آیا ہے، اور اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی زبان سندھی ہے، اور فارسی عربی بھی جاتی ہے، یہ صوبہ مدت تک ایرانیوں کے تحت رہا، اور اثرات یہاں پہلے سے تھے، عربوں کے داخلہ کے بعد عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی، چنانچہ آپ کو تعجب ہو گا کہ سندھی میں پیاز کو بصل اور پیاز کو بھل کہتے ہیں، جو خالص عربی لفظ ہیں، پانچویں صدی ہجری کے شروع میں یہاں ابوریحان بیرونی آیا اور کئی سال مقیم رہا، اس نے اپنی کتاب الهند میں جو ہندی الفاظ لکھے ہیں تحقیق کا بیان ہے کہ وہ سندھی تلفظ میں ہیں، البتہ علی و نہ ہی مسائل میں اس کی اصطلاحیں سنسکرت ہیں،

جی مسلمانوں کی زبان عربی یا فارسی تھی وہ عربی رسم خط رکھتے تھے، فارسی سے تعلق خط نویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، وہ اگر سندھی میں بھی کچھ لکھتے تھے تو عربی ہی خط میں لکھتے تھے، تعلق فارسی رسم الخط صرف مغل درباروں اور دفینوں میں رائج تھا، اور نہ بنگال میں بنگالی اور وکن میں دکنی اور گجراتی گجراتی جو مسلمان لکھتے تھے وہ عربی ہی خط میں لکھتے تھے، چنانچہ چند سال ہوئے کہ کلکتہ ایجوکیشن کالغز

میں ایک بہت موٹی بنگالی زبان کی کتاب پیش کی گئی تھی، جسکو میں دیکھا تھا وہ عربی رسم الخط میں تھی سلطان قطب  
وغیر کے دیوان کتب میں اسی خط میں ہیں اور گجراتی کتابیں بھی اس خط میں نے دیکھی ہیں،

یہی حال سندھی کا بھی تھا، گو دربار کی زبان فارسی تھی، مگر خط عربی آمیز تھا، اور انگریزوں کے  
داخلہ کے وقت یہی صورت تھی، لیکن ہندو جن کا تعلق شاہی درباروں سے نہ تھا اپنے بچے کے اعزاز میں  
ہندی رسم الخط رکھتے تھے، جب انگریزوں نے فارسی کو بیدخل کیا تو ہندوستان میں اردو کو دہری زبان  
قرآنے کر اردو ہندی رسم الخط کو قبول کیا، اسی طرح سندھ میں عربی اور ہندی دونوں رسم الخط مسلمان اور  
ہندوؤں میں رواج پذیر تھے، اب جیسا کہ صاحب مضمون نے بیان کیا ہے کہ دو برطانوی افسروں میں  
ایک نے عربی رسم الخط کو اور دوسرے نے ہندی رسم الخط کو پیش کیا، لیکن بحث و اتفاق سے یا سندھ میں  
مسلمانوں کی اکثریت آبادی کے سبب عربی رسم الخط کی تجویز کامیاب ہوئی، اور انگریزوں کے اثر سے یہ بات ہوئی کہ ہندوؤں نے  
بھی اس رسم الخط کو مجبورا مان لیا، لیکن سندھی ہندوؤں میں اب تک اسکے خلاف تحریک اٹھتی رہتی ہو، جیسے پنجاب  
میں سکھوں نے گو فارسی رسم الخط قبول کر لیا ہے مگر گدگدھی کے لئے اب بھی وہ کوشاں ہیں۔ ”مس“

۱۱، عام طور سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سندھی حروف تہجی اور اس کی تحریری زبان کے لئے سندھ  
اپنے برطانوی حکاموں کا مہم جو منت ہے، جب سرچارلس پنیر نے سندھ فتح کیا، اس وقت گو ملک کی خود  
اپنی ایک مستقل زبان موجود تھی، لیکن اس کے ایسے حروف تہجی نہ تھے جو عام طور سے رائج ہوں، عام تحریری کاغذ  
ہندو منشی کرتے تھے، جس میں وہ فارسی رسم الخط میں مخلوط فارسی و سندھی زبان لکھتے تھے کتاب ابوالحسن سندھی  
جس کو برطانوی فتح کے وقت ملا سمجھوں میں پڑھاتے تھے، درحقیقت با محاورہ سندھی کو عربی حروف تہجی  
میں لکھنے کی ایک کوشش تھی، اور واٹن کی ”گرائمر آف سندھی“ کا بھی یہی مقصد تھا، یہ کتاب ۱۸۶۶ء میں عربی  
رسم الخط میں ان پولیسک افسروں کے لئے لکھی گئی تھی جو امرائے سندھ کے درباروں سے وابستہ تھے ہندو باجوہ  
نے بھی اپنے حساب کتاب کیلئے ایک قسم کا دیوناگری رسم الخط قبول کر لیا تھا،



(۲) فتح سندھ کے اٹھ سال بعد جب سر بارٹل فررنے صوبہ کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا تو صرف دو ایسے برطانوی افسر تھے جو سندھی بول سکتے تھے، لیکن ان کے کلرکوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو سندھی لکھ سکتا ہو، اس لئے سول حکام کو عام بول چال کی زبان کا امتحان پاس کرنے کے احکام صادر کئے گئے، لیکن سندھی زبان کو سرکاری مراسلات میں استعمال کرنے کے لئے اس کے حروف تہجی کا متعین کرنا ضروری تھا اس بارہ میں صرف دو افسروں کو جو سندھی زبان جانتے تھے رائے دینے کا حق تھا ایک کینیڈین رچرڈ دوسرے کینیڈین اسٹیک، لیکن بد قسمتی سے اس بارہ میں ان دونوں کے خیالات ایک دوسرے کی ضد تھے، رچرڈ عربی حروف تہجی کی حمایت میں تھا اور اسٹیک ہندی رسم الخط کے حق میں، جو پہلے سے سندھ کے تاجروں میں رائج تھا اس زمانہ میں بھی، نیز اس مسئلہ کے نسلی و قومی پہلو کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گیا، اس کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ہندو عربی رسم الخط سیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے، اور مسلمان ہندی رسم الخط کے استعمال سے انکار کریں گے، لیکن ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے عربی حروف تہجی کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس وقت سر فریر نے مسٹر ایس کو جو اس وقت حیدرآباد کے کلکٹر تھے ایک قسم کے حروف تہجی کے احیاء کا کام سپرد کیا، موجودہ سندھی حروف تہجی اسی کا نتیجہ ہیں، لیکن سندھی میں ۵۲ حروف تہجی ہیں اور اس کے مقابلہ میں عربی میں کل ۲۹ ہیں، اس لئے اس سندھی کے لہجوں اور اس کی صوتی خصوصیات کو قائم رکھنے کے لئے اس کمی کو نقطوں کے ذریعہ پورا کیا گیا،

۳۔ اس نئے رسم الخط نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی اور اس کی وجہ سے سندھی صوبہ کی سرکاری زبان بن گئی، اور سرکاری دفاتر سے فارسی خارج ہو گئی، اس رسم الخط کے اجراء کے بعد اگر یہ نامناسب کوشش نہ کی گئی ہوتی کہ ہندوؤں کے استعمال کے لئے ہندھی حروف تہجی بنائے جائیں تو اس رسم الخط کی فیصلہ تسلیم ہو جاتی، اس نئی اور غلط تحریک کے بانی ایک دکنی برہمن مسٹر ناراین جگناتھ وادیا تھے، جن کو حکومت بمبئی نے سندھ کا ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر کیا تھا،

(۴) یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہئے کہ ۱۸۶۲ء تک پھر اس کے بعد ۱۸۶۴ء سے ۱۸۸۴ء تک سندھ میں کوئی مستقل ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر نہیں کیا گیا تھا بلکہ اس عہدہ کے فرائض بھی یورپین افسروں کے سپرد کر دیے جاتے تھے، جو دوسری ذمہ داریوں اور کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے تعلیمی پالیسی سے پوری دلچسپی نہ لے سکتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر وایا جو سندھ میں ۲۵ سال تک ہی اس ناجائز فائدہ اٹھا کر دیہاتی ہندو حروف تہجی کے بارہ میں بورڈ زور و شور کے ساتھ تجربات کرتے رہے اور انھوں نے انکو حروف علت کی مزید علالت کی مدد سے ترقی دے کر معیاری بنادیا، اس کے بعد ۱۸۸۴ء میں ان نئے حروف کو اسکولوں میں رائج کرنے کے لئے حکومت بمبئی کو آمادہ کیا گیا، او اسکے لئے اور بہت سی مراعات اور سہولتیں حاصل کی گئیں، اس کی تعلیم کے لئے خاص اسکول کھولے گئے، جو اساتذہ ٹریننگ حاصل کر رہے تھے انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اسے خود سیکھیں اور موجودہ عربی سندھی مدرسوں میں طلبہ کو سکھائیں، اسی کے ساتھ کل مدرسوں کو میونسپل رتبہ میں یکجا کرنے کا کام بھی جاری رہا، اور اس کے باوجود کہ اسکولوں کے اخراجات منتر کہ مانگداری اور سس سے چلتے تھے اس کوشش سے دس سال میں یعنی ۱۸۹۰ء سے ۱۸۹۰ء تک جبکہ زیر تعلیم مسلمان لڑکوں کی تعداد کل دونی ہو گئی تھی ہندو لڑکوں کی پانچ گنی ہو گئی،

(۵) لیکن مسرتہ کی پرجوش حمایت اور سس کی امدادی رقم کے باوجود ہندی سندھی حروف تہجی کو مقبول بنانے کی مهم ناکام ثابت ہوئی اور سندھ کے اسٹنٹ کلرک مسٹر ویارام گڈل کو جو خود سندھی کے عالم تھے اس رسم الخط کی منسوخی کی سفارش کرنا پڑی، انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ تجارتی جماعتیں بھی اس نئے حروف تہجی سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہیں، اور بیٹوں کے بچے اس کو صرف اس لئے سیکھتے ہیں کہ اسکول چھوڑنے کے ساتھ ہی اس کو بھلا دیں، اور اپنے پرانے شارٹ ہینڈ وائے خط کو اختیار کر لیں، اس وقت اور جیسا کہ اب بھی ہے، ہندو دوکاندار اپنے حساب و کتاب کے لئے کچھ خفیہ علامات رکھتے تھے جس کو وہی سمجھ سکتے تھے، اور وہی اس کی تشریح کر سکتے تھے، ان کو کسی ایسے طرز تحریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہو، مسٹر گڈل کے ان خیالات کی تائید مسٹر گائیز کشر نے بھی کی اور سرکاری سرپرستی ختم ہونے

کے بعد یہ رسم الخط آپ اپنی موت مر گیا،

(۶) لیکن اس نامبارک تجربہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ باریک میں مسلمانوں میں ناراضی پیدا ہو گئی، انھوں نے دیکھا

کہ فرقہ وارانہ پروپیگنڈے کو تعلیمی جوش و خروش کا جامہ پہنچا کر کس طرح بیرونی حکومت کو گمراہ کیا جاسکتا ہے،

اب اس قسم کی کوشش کہ عربی سندھی رسم الخط کے بجائے کوئی ہندی رسم الخط رائج کیا جائے، محض فیہ تمیہ و

ناکامی کے مرادف ہے لیکن اب بھی سندھ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو علم کچھ کی انفصیت کو سنت تقویٰ

کہتے ہیں اور اپنی مایوس امیدوں کو تقویت دینا چاہتے ہیں تقریباً دس سال ہوئے مروجہ رسم الخط پر یہ نیا حلقہ

گیا کہ اس میں کم سے کم فزائد حروف ہیں جن کو خارج کر دینا چاہئے اور یہ کہ ابتدائی خالص سندھی ایسے الفاظ کی

آئینرش سے جن کی بنیاد عربی اور فارسی پر ہے، مسخ ہو گئی ہے، اس لئے ان مصلحن کے لئے جن کی یہ خواہش ہے کہ سندھی

کو پھر اس کی ابتدائی خوبصورت شکل میں لے آیا جائے مناسب ہے کہ عربی و فارسی مادوں کے تمام الفاظ کو جن سے

سندھی زبان مالا مال تھی نکال دیں اور ان کے صرفی قواعد اور جملوں کے آخری کلمے میں بھی تبدیلی کی جائے جو اس قابل

نفرت بنیاد کی یادگاریں اور زائد حروف کو بالکل نکال دیا جائے،

(۷) چونکہ آج بھی ایسے فرقہ پرست خواب دیکھنے والے موجود ہیں، اس لئے ان موانع کی طرف اشارہ

کر دینا مناسب معلوم ہوا جو اس خواب کی تعمیر میں حائل ہیں اب ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس نئی خوبصورت

زبان سے واقف اور اس کے لئے آمادہ ہو کہ اپنی تمام کوششیں اس زبان کو سکھانے میں صرف کر دیں گے،

## تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضریٰ کی تاریخ الشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا

تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۲۸۰ صفحے، قیمت ہے،

”منیجر“

## خاتمہ سلسلہ سود و قمار وغیرہ

از مولانا سید مناظر حسن صاحب اکیلائی صدر شعبہ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی

میں متلخص دینی مسلمان جاسوس جو بطور جاسوسی دار الحرب میں جائے، اس کے تجاوز عقد رہا۔  
 کا قائل ہوں حالانکہ اہل حرب اس سے بالفعل برسر جنگ نہیں ہوتے، مگر چونکہ ان سے نہ حکومت اسلام کا  
 معاہدہ ہے، نہ جاسوس نے معاہدہ ان کی یا جو سئلے اس کے حق میں اہل حرب کے نفوس و اموال دونوں  
 غیر معصوم اور مباح ہیں اور اس کے لئے اہل حرب کے وہ اموال بھی حلال ہیں جو عقد رہا سے حاصل  
 کرے (معارف جولائی ۱۹۴۶ء ص ۳)

ہمارے واجب الاحترام بزرگ مولانا مظفر احمد صاحب کا جب یہی فتویٰ ہے تو اب ان سے خاکسار کا  
 اختلاف ہی کیا رہ گیا، مسلمانان ہند نے موجودہ غیر اسلامی حکومت سے اگر معاہدہ بھی کیا ہے تو ظاہر ہے کہ اسی  
 بات کا معاہدہ کیا ہے کہ جو قانون قیام امن و امان کے لئے وہ نافذ کرے گی اس کی پابندی کریں گے، اور جو قانون  
 اس حکومت نے نافذ کیا ہے، اس میں چوری ڈاکہ فریب وغیرہ کے ذریعہ سے ملک کے کسی باشندے کے مال  
 کے لینے کو جیسے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اسی طرح ربلو اور اسی قسم کے بعض دوسرے عقود جو اسلامی نقطہ نظر سے  
 عقود فاسدہ ہیں ان کے ذریعہ سے لین دین کو نہ صرف جائز ہی قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان فاسد ذرائع سے لوگوں کے  
 جو مطالبات ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں ان کی باضابطہ ادائیگی کی وہ ذمہ دار ہے، اس کے حکام ان کی  
 دُگریاں دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ حکومت قائمہ کے اس قانون کے بعد کسی حیثیت سے بھی یہ کہنا درست  
 ہو سکتا ہے کہ مسلمانان ہند نے قانون کے ان جائز ذرائع سے اس ملک کے باشندوں کے اموال کے

نہ لینے کا معاہدہ کیا ہے؟ پس غیر مسلم اقوام سے جو روپیہ ان ذرائع سے مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، اس کے لینے کی وجہ مسلمانوں کے لئے کیا ہو سکتی ہے؟ شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح کر چکی ہے، قانون بھی اس کے لئے کو جائز قرار دے رہا ہے یعنی اس روپیہ کے لینے میں معاہدے کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آتی تو پھر مولانا کس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی ان رقم کے لینے اور اپنی ملک بنانے کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں۔

## شعر حصہ اول

جس میں قدمار کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، قیمت ۳۰ روپے

## شعر حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت ۳۰ روپے، مکمل سٹاک ۱۰ روپے

## گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعد کے اردو شعروں کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعراء کا یہ مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی ولطیفوں کا ازالہ کیا گیا ہے، اولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت ۳۰ روپے، چھ صفحات ۳۴ صفحہ،

استفسار

## منتقاه الفلاح

”نفسٹ کر نل خواجہ عبدالرشید، آئی، ام، اسی ہتینہ میرٹھ کا علمی ذوق اردو کے علمی رسائل کے ناظرین سے مخفی نہیں، حال میں ایک قلمی کتاب سے متعلق اپنے مراسلہ میں جو مطوعات انھوں نے دی ہیں، وہ بعینہا درج ذیل ہیں،

(عبدالماجد)

بلد تہ کجھ مع ترکہا فواج العلائق وتلاطم امواج العوائق وتوزع  
البال بالحل والترحال فی اوائل العشر الثالث من الشهر الثاني من  
السنة الخامسة من العشر الثاني بعد الالف وانا اقل الانام محمد الشهر  
بہاء الدین العاملی تجاوز اللہ عن سیئاتہ والحمد للہ اولاً وآخراً  
ظاہراً وباطناً، رب العالمین، ۱۵۱۵  
کتاب ختم یون ہوتی ہے:-

”قد حصل الفرج من القبال بعون الملك المتعال فی اخر شهر  
رجب سنة الف ومائة وخمسين من الهجرة فی بلد لا دار السلطنة  
لا هو حرسها اللہ تعالیٰ من الفتنة ووقع توفیق المقابلة وحصل  
سعادتها مع نسخه فوات عند الامام الرئيس اعنی المصنف رحمہ اللہ  
الذینادو المشقال واحدًا

اور آخزین بزبان فارسی مندرجہ ذیل عبارت ہے:

”در سنت پانصد و ہجتم شمعی است کہ بر سہ تومان و نیم است وزن مثقال شمعی  
یک مہری نقرہ است“

کنج پنجاب بن ضلع گجرات کے قریب ایک قصبہ ہے یہاں سے قریب ہی ایک قدیم شاہراہ  
براستہ منجھ کشر کو جاتی ہے، ادھی شاہان مغلیہ کا راستہ تھا، یہاں کے گرد و نواح میں متعدد  
درسے موجود تھے، میرا خیال ہے کہ شاید اسی مقام سے یہ مقام بھی مناسبت رکھتا ہے۔

میں نے یہ کتاب سلسلہ میں طران میں خرید کی تھی، اس وقت محض اس کی خوشنویسی نہ نظر تھی  
جو کہ نہایت دلکش ہے۔

مفتاح الفلاح بہار الدین عالمی، گیارہویں صدی ہجری کے مشہور اور  
 جلیل القدر شیعی عالم ہیں، ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبد الصمد اللہ ربہ بہار الدین ہے مسئلہ میں قزوین  
 (ایران) میں بعض روایتوں کے مطابق بجلدک (شام) میں پیدا ہوئے، اور بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ  
 ایران میں منتقل ہو گئے، وہاں سے اور ان کے دوسرے اکابر علماء علامہ عبد الشہید زہدی وغیرہ سے  
 تحصیل علم کی، اور جملہ فنون میں یکساں روزگار ہوئے، کمال میں ممالک تک درویشانہ لباس میں دنیا کے لیے سلام  
 کی سیاحت کی، ان کا مشہور کمال سخن کر شاہ عباس صفوی نے ان کو رئیس العلماء اور شیخ الاسلام کے منصب  
 پر مقرر کیا، وہ ان کو اتنا مانتا تھا کہ سفر و حضر کسی حالت میں جدا نہ کرتا تھا، اور تمام مہمات امور میں ان  
 سے مشورہ لیتا تھا مسئلہ میں اصفہان میں وفات پائی، اور طوس میں دفن کئے گئے، مختلف فنون میں  
 ان کی تعانیف میں بعض کے نام یہ ہیں،

العروة الوثقی، حراۃ المستقیمین، احیاء جبل المتین، فی مرایا الفرقان المبین، اور شریقی الثمین،

تفسیر میں، شرح اربعین، حدیث میں، جامع عباسی فارسی، فقہ میں، مفتاح الفلاح، اور مذہبہ اصول میں،  
 تہذیبِ نوحین، الامراء البلائہ معانی بیان میں، رسالہ ہدایہ خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، رسالہ صراط  
 ریاضی و سبکست میں، المحلۃ و کشکول، ادب و محاضرات وغیرہ میں، وسیلۃ الخیر والامان، مدح صاحب مآ  
 میں ان کے علاوہ کثافت بیضاوی، خلاصۃ الرجال اور درایۃ الحدیث وغیرہ مختلف کتابوں پر روشنی لکھے

ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں، ان میں سے اسرار البلائہ تشریح الافلاک، خلاصۃ  
 الحساب، کشکول المحلۃ اور وسیلۃ الخیر چھپ چکی ہیں، مفتاح الفلاح اب تک قلمی اور نایاب ہے خلاصۃ

الشرائع ص ۴۰ تا ۵۴، اور روایات الجنات ص ۵۲، میں ان کے تصنیفی حالات میں، مفتاح الفلاح

کے خاتمہ کی مصنف کی عبارت کے بعد ہدیہ بن علی علیہ السلام نے خلاصۃ الحساب کی تصنیف کی، غالباً کسی وقت  
 نے عربی عبارت کا مطلب غلط سمجھ کر بعد میں مسئلہ بڑھا دیا ہے،



خاتمہ کی دوسری کاتب یا مقل کی عبارت معلوم ہوتا ہے، کہ مفتاح الفلاح کا یہ نسخہ اس نسخہ سے متبادل ہے جو خود مصنف نے پڑھا جا چکا تھا، اس لئے عام نسخوں کے مقابلہ میں یہ نسخہ ایک انیازی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے حاشیہ جیسا کہ کاتب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، مصنف کے قلم کے نہیں ہیں، گنجے مراد جرات کے قریب کا قصبہ نہیں، بلکہ اران کا مشہور شہر یا نواح اصفہان و لرستان کا گنجہ مقصود ہے، (م)

### جزئی فضیلت کا مفہوم و مقصد

مکمل ہے۔

منشی عبد الرحمان خان صاحب

چیک مٹاں

السلام علیک وعلیٰ آلک وسلم

اقبال نامہ میں حضرت مرحوم (ڈاکٹر اقبال مرحوم) کے جو خطوط آپ کے نام درج ہیں، ان کے مطالعہ سے طبیعت سیریز ہوئی، کیونکہ ایسے اہم تحقیقی خطوط کا بغیر جواب کے شائع کرنا قارئین کی پریشانی طبع کا سامان پیدا کرتا ہے، بہتر ہوتا کہ ان کے جواب حاشیہ میں ہی دیدئے جاتے، تاکہ پڑھنا فائدہ اٹھایا جاسکتا،

میرے خیال میں ہندوستان میں تمام بزرگوں کے خطوط اسی نچ پر شائع ہو رہے ہیں، یا ہوتے ہیں الحمد للہ کہ اس باب میں بھی شرفِ اولیت حضرت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب گرامی کو حاصل ہے، کہ تربیت السالک میں تمام اصلاحی خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے شائع ہوئے، ایک عرصہ سے آپ کی بھی حضرت والا سے خط و کتابت رہی، بعض اور بزرگوں سے بھی حضرت کی خاص خط و کتابت تھی، کیا ہی اچھا ہوتا، کہ ان کے ایسے مکاتیب کا بھی ایک مجموعہ شائع کرنے کا انتظام ہو جاتا، اور ان سے بھی ہزاروں فیض یافتہ ہوتے، نہ معلوم آپ کی دماغ سوزی کا وہ تمام ذخیرہ اب علامہ اقبال کے پس ماندگان کے

پاس محفوظ بھی ہے، یا نہ، اگر اس سلسلہ میں آپسے کچھ عرض کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، مگر عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا، کہ ان خطوط کی اشاعت کا بھی ضرور کوئی انتظام ہونا چاہئے یہ تشنگانِ علم پر ایک احسان ہوگا،

دوسری عرض یہ ہے کہ اقبال نامہ کے ص ۱۸۹ پر آپ نے ”جزوی فضیلت“ پر جو نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس سے کم از کم میری تشفی نہیں ہوئی، بلکہ ایک غلطی سی پیدا ہوتی ہے اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو، تو ازراہِ کرم اس کی تشریح فرما کر ممنون فرمادیں، کہ وہ ایسی کون سی جزوی فضیلت ہے، جو کسی اور حضور سرکارِ دو عالم ﷺ پر حاصل ہو سکتی ہے؟ نیز کہ اس سلسلہ میں آپ میری رہنمائی و تسلی فرمادیں گے،

معارف :- ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام میرے جوابی خطوط کی نقل میرے پاس نہیں، اور نہ اب ان کے پس ماندوں کے پاس میرے جوابات ہوں گے، اور نہ اب مجھے پوری طرح یاد ہیں، اس لئے اب ان کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہیں، اور نہ میری نگاہیں اپنے جوابوں کی وہ اہمیت ہے جو آپ نے ظاہر فرمائی ہے، پھر بزرگوں کے پر معرفت خطوط سے ان کو کیا مناسبت؟ البتہ آپ کو اگر ان میں کسی خط کا جواب مطلوب ہے تو مطلع فرمائیں، کہ میں اپنی استطاعت کے مطابق اس کا جواب دوبارہ دیکھوں، اقبال نامہ اس وقت میرے پاس نہیں اس لئے پوری بات میرے سامنے نہیں ہو تا، ہم جہاں تک آپ کے چند لفظوں سے سمجھ سکا ہوں جواب عرض کرتا ہوں،

جزئی فضیلت کے معنی یہ ہیں کہ مقام تفصیل میں کسی خاص ایسی بات میں کسی کو بڑائی دوسرے پر حاصل ہو جائے، جو دوسرے کو اجمالاً حاصل ہو، مثلاً حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے تھے، اور آج زید عربی کے ساتھ دوسری متعدد زبانیں جانتا ہے، تو یہ جزئی فضیلت ہوئی، جو حضور علیہ السلام کے کمالاتِ علمیہ کے لئے موجب نقص نہیں، کیونکہ کسی زبان جاننے

کا جو حاصل ہے یعنی نفیم قدیر و تبلیغ وہ آپ کو حاصل تھا، اسی طرح ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی جزئی فضیلت سلاطین اسلام کو حاصل ہوئی، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں یہ واقعہ منین ہوا، اس لئے یہ خاص فضیلت جزئی آپ کو حاصل نہیں ہوئی، مگر چونکہ سلاطین اسلام کو یہ علی فضیلت حضور انور ﷺ کی تبعیت میں بصورت اتباع آدم جہاد حاصل ہوئی، اس لئے حضور کے کمالات علیہ میں اس سے کوئی نقص واقع نہیں ہوا، بلکہ افراد امت کے یہ جزئی فضائل بھی اس کے نبی کے کمالات غلطی کی طرف راجع ہو جاتے ہیں جس طرح سپاہیوں اور ماتحت افسروں کے کارنامے ان سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے کارنامے مثلاً ہوتے ہیں، جو فوج کشی کرتے ہیں، جنگ کے نقشے بناتے ہیں، اور جن کی تدبیر سے دشمن پر کامیابی ہوتی ہے،

”س“

## مقالاتِ مبلی جلد اول

مولانا مرحوم کے ۱۶ مذہبی مضامین کا مجموعہ جن میں اہم مذہبی مسائل پر بحث کی گئی ہے،

ضماحت ۱۔ ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۔ ۵۰ پیر

## مقالاتِ مبلی جلد سوم

مولانا کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ ضماحت ۱۰۰ صفحے، قیمت ۱۔ ۵۰ پیر

## مقالاتِ مبلی جلد چہارم

مولانا کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ، ضماحت ۱۔ ۱۵۰ صفحے، قیمت ۱۔ ۵۰ پیر

## مقالاتِ مبلی جلد ہفتم

مولانا کے قومی اور اخباری مضامین کا مجموعہ، جو اندوہ، مسلم گزٹ اور دوسرے رسائل و اخبارات

”میںچر“

پیر

ضماحت ۱۔ ۲۰۳ صفحے، قیمت ۱۔ ۵۰ پیر

## کتابت اندیہ مطبوعات جدیدہ

مقاصد قرآن، از جناب مولوی مصطفیٰ صاحب بختیار فی تقطیع اوسط ضخامت ۸۶ صفحہ، کاغذ

کتابت و طباعت بہتر قیمت ۱۲ روپے مکتبہ نشاۃ ثانیہ چھپ گورہ حیدر آباد دکن.

مصنف کتاب عرصہ سے کلام مجید کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی خدمت انجام دے رہے ہیں

یہ رسالہ بھی ایک مفید خدمت ہے اس میں انھوں نے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق

کلام مجید کی بنیادی تعلیمات، ایمان باللہ، حشر و نشر، جزا و سزا، عمل صالح، نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کی آیات نقل

کر کے ان کی مفصل تشریح کی ہے اور ان کی حکمتیں اور مصطفیت بیان کی ہیں جو ساری دنیا کی فلاح و سعادت

کے لئے یکساں مفید ہیں اس حیثیت سے یہ کتاب اپنے مقصد پر پوری طرح حاوی ہے لیکن کتاب کے دیباچہ

میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد جدید مفسرین کی اس غلط فہمی اور غلط استنباط کی تردید ہے جو ان کو

سورہ مائدہ کی بعض آیات سے پیدا ہوتی ہے کہ یہود و نصاریٰ و صابئین کی نجات دایمان کے لئے یا اللہ

و یوم الآخرہ اور عمل صالح کافی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کلام مجید پر ان کے لئے ایمان

نا ضروری نہیں ہے، لیکن کتاب کے مباحث سے اس کی تردید نہیں ہوتی، مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ مصنف

نے کلام مجید کی جو آیتیں اور تعلیمات نقل کی ہیں ان کا تعلق مسئلوں سے ہے، یہود و نصاریٰ اس کے مکلف

نہیں ہیں جیسا کہ سورہ بقرہ اور مائدہ کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے، اس کا مصنف نے کوئی جواب نہیں دیا ہے

اور مرکز بحث یہی نقطہ ہے، حالانکہ خود کلام مجید کی کی دوسری آیات سے اس کا جواب مل جاتا ہے، اولاً کلام مجید

کی بعض آیات مجمل ہیں، اور ان کی تشریح کسی دوسری آیت سے ہوتی ہے، چنانچہ سورہ بقرہ اور آل عمران کی ان آیات کی وضاحت جنہیں غالیین دلیل میں پیش کرتے ہیں آل عمران کی آیات سے ہوتی ہے مثلاً قل للذين اوتوا الكتاب و

الاميين آ اسلمتم فان اسلمتم فقل لا حول ولا قوت الا بالله علینا المبلوغ والله بصیر بالعباد

یا ایا الذین عند الله الا سلام و ما خلعت الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جلعو همرا العلم

بعینا ینصرو من یکفر بایات الله فان الله سریع الحساب ؕ ان میں یہود و نصاریٰ وغیرہ سے اسلام کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس سے انکار کو ضلالت، نافرمانی اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے

تنہا ایمان باللہ و یوم الآخرہ اور عمل صالح کافی نہیں ہے، مقرر یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اسلام سے مراد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام نہیں بلکہ مطلق اسلام ہے، جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں،

لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کے ساتھ امین یعنی عیوں سے بھی خطاب ہے، اسلئے

اس سے مراد مطلق دین اسلام نہیں ہو سکتا، دوسرے اگر مطلق دین اسلام بھی مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس

دین پر بھی یہود و نصاریٰ میں سے کون قائم تھا، اس کو تو انھوں نے مسخ کر دیا تھا، دوسرے، سلام اور مطلق دین

اسلام کی اساس گو ایک ہی ہے لیکن ہر زمانہ کے حالات و ضروریات اور انسانوں کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ

اس دین میں تغیرات ہوتے رہے اور مختلف زمانوں میں اس کا نصاب بدلتا رہا، اور اس کا آخری او کمل نصاب

قرآن مجید ہے، اور اس پر ایمان کے بغیر مطلق دین اسلام کی بھی تکمیل نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کی

عمر اور اس کی ذہنی صلاحیت ترقی کے لحاظ سے خود مروجہ رسمی تعلیم کا نصاب اور اس کے مدارج مختلف ہیں، او

ہر دور کے لئے جو نصاب مقرر ہے وہ اس کے اعتبار سے تو کافی، لیکن آئندہ دور کے لئے ناکافی ہے اور آخری

دور کے نصاب کی تکمیل کے بغیر کوئی شخص پورا تعلیم یافتہ نہیں کہلایا جاسکتا، یا مثلاً آج سے چند صدی پیشتر

جو نصاب تھا وہ اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل مناسب اور کافی تھا، لیکن موجودہ حالات و ضروریات کیلئے

نہ صرف ناکافی بلکہ ناقص ہے، اور آج اس نصاب پر قائم رہنے والا تعلیم یافتہ نہ کہلائے گا، یہی حال اسلام

کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جس دین اسلام کو بھیجا تھا وہ اپنے زمانہ کے لئے بالکل مکمل تھا لیکن بعد کے انبیاء حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ و دوسرے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں وہ حسب ضرورت بدلتا رہا اور اس کی آخری تکمیل شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام ہے اس لئے اس پر ایمان کے بغیر مطلق اسلام پر بھی ایمان کامل نہیں ہوتا اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سب اس کے مکلف ہیں اور اس پر ایمان کے بغیر ان کی نجات نہیں ہو سکتی،

رسالہ اخلاقیات، مؤلفہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاد جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۶۳ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، پتہ کتاب محل چار کمان حیدر آباد دکن،

تعلیم کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد انسانی اخلاق و سیرت کی تعمیر ہے، اس لئے اصولاً سب سے زیادہ توجہ اسی پر ہونی چاہئے لیکن موجودہ نظام تعلیم میں عملاً اس کی کوئی اہمیت نہیں، حیدر آباد کے شبہ تعلیم نے دوسری تعلیمی اصلاحات کی طرح اس اصلاح کی جانب بھی بے رغبتی کی ہے اور میٹرک کے نصاب کے لئے اخلاق پر یہ رسالہ مرتب کر دیا ہے اس کے فاضل مولف فلسفہ مذہب و اخلاق کے عالم بھی ہیں اور اس پر عمل بھی، تعمیر اخلاق و سیرت انکا خاص موضوع ہے، اس لئے اس کام کے لئے اس سے زیادہ موزوں انتخاب نہیں ہو سکتا تھا، جس پر رسالہ کے مباحث شاہد ہیں اس میں انھوں نے ان تمام بنیادی اخلاق کو جو ایک متوازن اور اعلیٰ سیرت کی تعمیر اور انسان کو انسان بنانے کے لئے ضروری ہیں اعلیٰ طرز سے مرتب کیا ہے، اس حسب ذیل ابواب ہیں، صبر و استقلال، مصلحت بینی و دور اندیشی، اوقات فرصت کا صحیح استعمال، اعتدال و پرہیزگاری، عفت و پاکبازی، رواداری، عدالت، اصلاح معاشری، اخوت، پیشے کا انتخاب، ان تمام ابواب کے تحت میں بہت سے تفصیلی و ذیلی مباحث ہیں، یہ وہ اصولی اخلاق ہیں جو بلا اختلاف تمام مذاہب اور قوموں میں مشترک ہیں اس لئے یہ کتاب ہر مذہب و ملت کے طلبہ کے لئے یکساں مفید اور اس لائق ہے کہ ہندوستان کی تمام درسگاہوں کے نصاب میں اسکو داخل کیا جائے،

سماج کا ارتقا، مولفہ جناب حکیم اللہ صاحب تقیطع اوسط ضخامت ۲۸۶ صفحے، کاغذ کتابت

و طباعت بہتر، قیمت مجلد معہ پتہ منگم پبلشرز لمیٹڈ لاہور۔

دارون کے نظریہ کے مطابق ارتقا کا عمل دنیا کی ہر چیز میں جاری ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ بھی مختلف طبعی و جغرافی اور سیاسی و معاشی عوامل کے ماتحت مختلف قالب بدلتے اور ترقی کرتے ہوئے موجودہ منزل تک پہنچا ہے، اس کتاب میں اس معاشری ارتقا کی سرگزشت بیان کی گئی ہے، اور انسان کے دور وخت و مہربیت کے زمانہ سے لیکر موجودہ عہد تک ہر دور کے عمرانی و تمدنی و معاشی و سیاسی نظاموں اور مختلف عوامل کے ماتحت ان کے تیزرات اور عہد بہد کی ترقیوں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس سے انسانی معاشرہ کے تمام مدارج اور اس کے ارتقا کی پوری سرگزشت سامنے آجاتی ہے، لیکن یہ کتاب جدید فنی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس حیثیت سے مفید معلومات پر مشتمل ہے، مگر مذہبی نقطہ نظر سے اس کے تمام بیانات سے اتفاق ضروری نہیں ہے،

مبین الفرائض ابن جعفر بن محمد بن صاحب مدرس اول جامع حینیہ راندر (سورت) تقیطع چھوٹی،

ضخامت ۲۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ہر پتہ، مذکورہ پتہ پر مصنف اور

بجو کتب خانہ تعلیمی نور گنج، دہلی سے ملے گی،

علم الفرائض یعنی تقسیم وراثت ایسا فن ہے جس کی ضرورت صرف علماء اور عربی خوانوں تک محدود

نہیں بلکہ وکلاء، عدالتوں، یونیورسٹی کے قانون کے طلبہ کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مصنف

نے فرائض کے تمام ضروری مسائل کو اس کتاب میں اردو میں مرتب کر دیا ہے، انداز بیان آسان سمجھا ہوا ہے

کہ ہر پڑھا لکھا شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، مسائل میں اختصار کے ساتھ پوری جامعیت ہے اور

اس سے ہر طبقہ کے ضرورت مند اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

حدیث نبوی کے ولین صحیفے، از مولانا عبد السلام صاحب قدرا فی ندوی، تقیطع چھوٹی،

ضخامت ۳۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ ادارہ تعلیمات اسلام نمبر ۳

امین آباد پارک لکھنؤ،

منکرین حدیث کی جانب سے حدیثوں کی بے اعتباری کے ثبوت میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موجودہ کتب حدیث عہد رسالت کے بہت بعد میں مرتب ہوئیں، اس لئے لائق اعتماد نہیں، اور چونکہ عام لوگوں کی نظر حدیث کی تاریخ پر نہیں ہے، اس لئے ان کو اس کے یقین کرنے میں تاہل نہیں ہوتا، یہ بلاشبہ صحیح ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی تدوین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ڈیڑھ دو صدی بعد سے ہوا، لیکن حدیثوں کی کتابت عہد نبوی ہی سے شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے صحابہ حدیثیں قلمبند کرتے تھے، پھر ان کے تلامذہ نے بھی اس کو جاری رکھا، اور اسی زمانہ میں حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہو گئے تھے، جہاں کہیں دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ گئے، لیکن حدیث و رجال کی کتابوں میں انکا ذکر موجود ہے، اور ان کی حدیثیں موجودہ کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، لائق موعظ نے اس رسالہ میں ایسے اٹھارہ حفاظ حدیث صحابہ کے مجموعہ احادیث کا ذکر کیا ہے جو خود حدیثیں قلمبند کرتے تھے یا ان کے تلامذہ، ان کے علم و اجازت سے ان کی مرویات تحریر کیں، ان صحابہ کی مرویات کی تعداد بھی مصنف نے لکھ دی ہے، جس اندازہ ہو جا تا ہے کہ ہزاروں حدیثیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قلمبند ہو گئی تھیں، یہ رسالہ گو مختصر ہے، مگر بہت مفید ہے،

مختصر سیر الصحابہ، شائع کردہ ادارہ تعلیمات اسلام، قیمت ۱۲، اندر مذکورہ بالا پتہ سے ملے گی،

ادارہ تعلیمات اسلام جو عرصہ سے قرآن مجید کے درس و تعلیم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے بچوں کے مختصر سیر الصحابہ کی تالیف و شائع کا سلسلہ شروع کیا، اور فی الحال حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سبق آموز حالات آسان زبان میں شائع کئے ہیں، ان کے مولف علی المرتبہ مولانا عبدالسلام صاحب دہلوی ندوی، اعتدال علی حسار رحمہ آبادی، و مولوی شیراف جگر آبادی ہیں، یہ سب کتابیں بچوں کے پڑھانے کے قابل ہیں، ان سے ان کو ابھی و اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتا ہے اور تاریخ اسلام سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے، ”م“







